پہلی مرتبہ تقریباً 350 نادر ونایاب رسائل وکتب کی یکجا اشاعت

مقالاتِ حکیم الامت

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ ۱۸۶۳ - ۱۹۴۳ء

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

(شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی)

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون.... مظاہر علوم سہارن پور.... دار العلوم کراچی
و دیگر مراکز علم سے حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے
دستیاب شدہ نادر و نایاب رسائل کی پہلی مرتبہ یکجا اشاعت

مقالاتِ حکیم الامت 77

مجموعہ تالیفات

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

الحمد للہ! عرصہ دراز کی جستجو کے بعد تقریباً 325 رسائل
اس مجموعہ میں شائع کیے جارہے ہیں۔

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
(شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی)

ادارہ تالیفات اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

تاثرات

حضرت مولانا مفتی مجد القدوس خبیب رومی زید مجدہٗ
(صدر مفتی مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور، ہندوستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

امابعد! ہندوپاک میں دینی کتب کی نشرواشاعت کے سلسلہ میں ''ادارہ تالیفات اشرفیہ'' ملتان کا نام محتاج تعارف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے خطبات وملفوظات اور دیگر تالیفات کی نشرواشاعت کیلئے ہمارے ممدوح حضرت حافظ محمد اسحٰق صاحب زید مجدہٗ کو ایسی توفیق سے نوازا جو دیگر ناشران کتب کیلئے بھی قابل رشک ہے۔ اس عظیم اشاعتی کام کی بنیاد ان کے شیخ حضرت الشاہ الحاج محمد شریف صاحب رحمہ اللہ (خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ) کی کمال سرپرستی اور دُعاؤں کا فیضان ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ اپنی تحریر میں فرماتے ہیں:

''مجھے دلی خوشی ہے کہ عزیز القدر حافظ محمد اسحٰق صاحب مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات شائع کرنے کے حریص ہیں۔ انہیں حضرت رحمہ اللہ سے صرف محبت ہی نہیں محبت کا نشہ ہے۔ حضرت کے مسلک اور مذاق کی تبلیغ کے بہت خواہش مند ہیں اور زرِکثیر خرچ کر کے حضرت کی کتابیں جو نایاب ہیں

چھپواتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو قبول فرما کر ناظرین کیلئے نافعیت اور ہدایت اور اُن کے لیے سرمایۂ آخرت بنائیں۔" دُعا گو: احقر محمد شریف عفی عنہ

آج سے چند سال قبل جبکہ شائقین علوم رومی حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی عالمانہ وعارفانہ شرح ''کلید مثنوی'' کو یکجا دیکھنے کیلئے ترستے اور تڑپتے تھے۔

حضرت قاری صاحب نے اس عظیم شرح کے ہندوپاک سے منتشر دفاتر کو جمع کر کے دس ضخیم جلدوں میں شائع کیا تو اکابروقت نے خوب دُعاؤں سے نوازا۔ حضرت مولانا وکیل احمد شیروانی صاحب رحمہ اللہ نے اس موقع پر فرمایا تھا کہ یہ بادشاہوں کا کام تھا جو اللہ پاک نے ایک فقیر سے لے لیا ہے۔ اسی طرح ہندوپاک کے جملہ اکابر بالخصوص سلسلہ اشرفیہ کے حضرات نے وقتاً فوقتاً ادارہ کے حق میں اپنی مستجاب دُعائیں فرمائیں۔ بلاشبہ ادارہ کا اشاعتی فیضان انہی اللہ والوں کی دُعاؤں ہی کا ثمرہ ہے۔

الحمدللہ! ادارہ نے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تالیفات وتعلیمات پر تجدیدی کام کیے ہیں جن میں مختصر رسائل کے علاوہ ضخیم جلدوں کے مجموعے بھی شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ادارہ کی جدید تجدیدی خدمات میں ''مقالات حجۃ الاسلام'' (مشتمل بر تالیفات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ) اور ''مقالات حکیم الامت'' زیور طباعت سے آراستہ ہو رہے ہیں۔

''مقالات حکیم الامت'' کے متعلق یہ سن کر نہایت خوشی ہوئی کہ اس میں قدیم وجدید 300 سے زائد رسائل کو جمع کر کے ترتیب دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں تالیفات کو شرف قبول نصیب فرمائیں اور ہمارے دونوں اکابر جو دینی اُصول وفروع کی افہام وتفہیم کیلئے امام الاصول اور جامع الاصول والفروع کی حیثیت رکھتے ہیں اور دینی بصیرت کے حوالے سے ہمارے لیے بمنزلہ ''دونوں آنکھوں'' کے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے نزدیک حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کی کتب ورسائل خواص (بلکہ

اخص الخواص) کے لیے نافع اور مفید ہیں۔

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب دیوبندی رحمہ اللہ کے بقول حضرت نانوتوی رحمہ اللہ امام الاصول تھے، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ امام الفروع اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ (اپنے اُستاد خاص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کے فیض صحبت کی برکت سے) جامع الاصول والفروع تھے۔

اس لیے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے ملفوظات و مواعظ اور کتب ورسائل سے عوام وخواص دونوں ہی مستفید ومنتفع ہو سکتے ہیں۔

آج کے پُرفتن دور میں جبکہ افراط وتفریط عام ہے اور دین کی تشریح کے نام سے نت نئے فتنے سر اُٹھا رہے ہیں۔ ان حالات میں ہمارے ان اکابر کی تعلیمات ہی ہیں جن کے متعلق سو فیصد یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ

یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب مدظلہ کو اکابر وقت کی مزید درمزید دُعاؤں سے اپنے دامن کو سجانے کی توفیق سے نوازیں اور ایسے نایاب علمی موتی منصۂ شہود پر لانے کی توفیق اور ہمت عطا فرماتے رہیں۔ آمین یارب العالمین

والسلام محمد القدوس خبیب رومی عفااللہ عنہ

دارالافتاء جامع مسجد آگرہ انڈیا.... ۲۲ شوال المکرم ۱۴۴۱ ہجری

تاثرات

حضرت مولانا نجم الحسن تھانوی دامت برکاتہم العالیہ
(موجودہ منتظم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم

امابعد! صاحب تصانیف کثیرہ جناب حافظ محمد اسحٰق صاحب ملتانی کا تعلق حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ و مجاز حضرت حاجی محمد شریف صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے تھا اور عرصہ دراز تک ان کی خدمت اور فیض صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملا اور حضرت حاجی صاحب سے ہی ان کو اجازت وخلافت بھی حاصل ہے۔

حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی ہدایات اور توجہات کے طفیل قاری صاحب کو حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے علوم ومعارف سے استفادہ کا چسکا لگا اور پھر ان کی اشاعت کی فکر لاحق ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے توکلاً علی اللہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے مواعظ اور ملفوظات کی جمع و ترتیب اور نشرواشاعت کا کام شروع کیا۔ خطبات حکیم الامت 32 جلدوں میں اور ملفوظات حکیم الامت 32 جلدوں کے گراں قدر مجموعوں کے علاوہ دیگر عظیم وضخیم

تالیفات ''بیان القرآن''، ''تسہیل بیان القرآن''، ''خلاصہ تفسیر بیان القرآن'' ''بیان القرآن کا قلمی مخطوطہ'' کے علاوہ ''کلید مثنوی''، ''التکشف عن مہمات التصوف''، ''التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف'' جیسی دیگر اہم تالیفات کو اپنے ادارہ سے اعلیٰ معیار میں شائع کرنے کا موقع ملا اور اُمت کے ایک عظیم طبقہ نے ادارہ کی جدید کتب سے اپنی علمی و اِصلاحی تشنگی کو دور کیا۔

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے مختصر و مطول بیش بہا رسائل اور قیمتی مضامین و مقالات جو مختلف جرائد میں شائع ہوئے تھے اور تقسیم ہند کے بعد مخصوص لائبریریوں یا دور دراز کے قصبات کے کتب خانوں کی زینت بن کر رہ گئے تھے۔

دورِ حاضر کا جدید ذوق اور نئی نسل اس گراں قدر علمی ذخیرہ سے استفادہ سے محروم تھی۔ ان کو ان رسائل کی فراہمی جوئے شیر لانے کے مترادف تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے ایک مدت کی کاوش اور باذوق حضرات کے تعاون سے جس حد تک یہ علمی ذخیرہ دستیاب ہو سکا اسے ''مقالات حکیم الامت'' کے نام سے متعدد جلدوں میں مرتب کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ اُمید ہے کہ علمی حلقوں میں ان مقالات کو پذیرائی حاصل ہوگی۔ ویسے بھی جس کو جتنی زیادہ علم سے مناسبت ہوگی اتنا ہی وہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا قدردان ہوگا۔

حق تعالیٰ حضرت قاری صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور ان کی جملہ مساعی حسنہ کو شرف قبول عطا فرمائیں اور اُمت کو زیادہ سے زیادہ استفادہ و قدردانی کی توفیق مرحمت فرمائیں آمین۔

نجم الحسن تھانوی

عشرہ آخر شوال المکرم ۱۴۴۱ھ

اِجمالی فہرست

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم
صل على محمد وعلى آل محمد
كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد

اللهم
بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد

مَقالاتِ حَکیمُ الامّت

2

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی

سِیرت طیّبہ

کے متعلق حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے چند رسائل

تَنوِیرُ السِّرَاج
فِی
لَیلَۃِ المِعرَاج

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ واقف الاسرار الفرقانیۃ،
ـس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ، کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

اس رسالہ میں معراج شریف کا مفصل واقعہ بیان فرمایا گیا ہے
کذب وافتراء سے پاک عالمانہ طرزِ تحریر ہے

تَنوِیرُ السِّرَاجِ فِی لَیلَۃِ المِعرَاجِ

من جملہ کمالات نبویہ عظیمۃ الشان کے ایک یہ واقعہ ہے جو مکہ میں بقول زہری ۵ نبوت کے بعد ہوا۔ (کذا قالہ النووی) جس کے راوی اتنے صحابی ہیں:

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۲۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۶۔ حضرت ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۸۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۹۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۱۰۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۱۔ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۱۲۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۳۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۴۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۵۔ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۱۶۔ حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۷۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۱۸۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۹۔ حضرت مالک ابوحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۲۰۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۱۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۲۲۔ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مردوں میں سے اور ۲۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۲۴۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۲۵۔ حضرت اُم ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۲۶۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

عورتوں میں سے اور ان کے سوا اور بھی اب بعض واقعات لکھتا ہوں۔

واقعہ اوّل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں حطیم میں لیٹا تھا۔ (رواہ البخاری)
اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعب ابی طالب میں تھے۔ (رواہ الواقدی)
اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُم ہانی کے گھر تھے۔ (رواہ الطبرانی)
اور ایک روایت میں ہے کہ آپ اپنے گھر میں تھے اور چھت کھولی گئی۔ (رواہ البخاری)

فائدہ: جمع ان روایات میں یہ ہے کہ اُم ہانی کے گھر کو جو کہ شعب ابی طالب کے پاس تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوجہ سکونت کے اپنا گھر فرمادیا، وہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں حطیم میں لے گئے اور ہنوز نوم کا اثر باقی تھا کہ وہاں پہنچ کر بھی لیٹ گئے۔

فائدہ: اور چھت کھولنے میں حکمت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے امر ہی سے معلوم ہو جائے کہ میرے ساتھ کوئی معاملہ خارق عادت ہونے والا ہے۔

واقعہ دوم: کچھ سوتے تھے، کچھ جاگتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں سوتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور ایک روایت میں ہے کہ تین شخص آئے، ایک نے کہا کہ وہ (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) ان (حاضرین) میں سے کون سے ہیں؟ دوسرا بولا: وہ جو سب سے اچھے ہیں۔ تیسرا بولا: تو پھر جو سب سے اچھا ہے اسی کو لے لو۔ آئندہ شب کو پھر وہی تینوں آئے اور کچھ بولے نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا لے گئے۔ (رواہ البخاری)

فائدہ: یہ حالت کہ کچھ سوتے تھے کچھ جاگتے تھے، ابتداء میں تھی اور اسی کو سونا کہہ دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاگ اٹھے اور تمام واقعہ میں بیدار رہے۔

اور بعض روایت میں ہے جو معراج کے آخر میں آیا ہے کہ ''پھر میں جاگ اٹھا'' مراد یہ ہے کہ اس حالت میں افاقہ ہو گیا اور بعض نے اس زیادت کو غیر محفوظ کہا ہے اور جو کہا گیا ہے کہ ان حاضرین میں سے کون سے ہیں؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ قریش خانہ کعبہ کے آس پاس سویا کرتے تھے۔ (رواہ الطبرانی)

اور ''طبرانی'' ہی میں ہے کہ اول جبریل و میکائیل علیہما السلام آئے اور یہ گفتگو کر کے چلے گئے، پھر تین آئے اور ''مسلم'' میں ارشادِ نبوی ہے کہ ''میں نے ایک کہنے والے کو سنا کہ کہتا ہے کہ ان تین میں سے ایک شخص ہیں جو دو شخص کے بیچ میں ہیں''۔ اور ''مواہب'' میں ہے کہ مراد ان دو شخصوں سے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے درمیان سو رہے تھے۔

واقعہ سوم: اول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ اوپر سے اسفلِ بطن تک چاک کیا گیا اور آپ کا قلب نکالا گیا اور ایک زرین طشت میں زمزم شریف کا پانی تھا، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب دھویا گیا، پھر ایک اور طشت آیا جس میں ایمان اور حکمت تھا، وہ قلب میں بھر دیا گیا اور اس کے اصلی مقام پر اس کو رکھ کر درست کر دیا گیا۔ (کذا رواہ مسلم من روایتین عن ابی ذر و مالک بن صعصعۃ)

فائدہ: ملائکہ کا زمزم شریف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کو دھونا حالاں کہ کوثر سے بھی پانی آسکتا تھا بعض علماء کے نزدیک اس کی دلیل ہے کہ آبِ زمزم اس سے افضل ہے۔ (قالہ شیخ الاسلام البلقینی) اور سونے کے طشت کا استعمال باوجود اس کے ممنوع ہونے کے کئی توجیہ کو محتمل ہے: اول یہ کہ تحریم ذہب مدینہ میں ہوئی تو اس وقت تحریم نہ تھی۔ (فتح الباری)

دوسرے یہ کہ معراج از قبیل امورِ آخرت تھی اور آخرت میں استعمال سونے کا جائز ہوگا۔ تیسرے یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال نہیں کیا اور ملائکہ اس حکم کے مکلف نہیں۔ (عن ابن ابی جمرۃ)

اور ایمان و حکمت کا طشت میں ہونا اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ایسی چیز جواہرِ غیبیہ سے تھی جس سے ایمان و حکمت میں ترقی ہو، جیسے دنیا کے بعض جواہر کا تلبس و استعمال قلب اور دماغ میں قوت اور فرحت بڑھاتا ہے، چونکہ وہ سبب تھا حکمت و ایمان کا اس لئے اس کا یہی نام رکھ دیا گیا۔ (کذا قالہ النووی)

واقعہ چہارم: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دابہ سفید رنگ حاضر کیا گیا جو "براق" کہلاتا ہے جو دراز گوش سے ذرا اونچا اور خچر سے ذرا نیچا تھا، جو اس قدر برق رفتار ہے کہ اپنی منتہائے نظر پر قدم رکھتا ہے۔ (کذا رواہ مسلم)

اور اس پر زین ولگام لگا ہوا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہونے لگے تو وہ شوخی کرنے لگا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ تجھ کو کیا ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مکرم عند اللہ کوئی شخص تجھ پر سوار نہیں ہوا، بس وہ عرق عرق ہوگیا۔ (رواہ الترمذی)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے اور جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب پکڑی اور میکائیل علیہ السلام نے لگام تھامی۔

(عن شرف المصطفی بروایۃ ابی سعد)

فائدہ: یہ شوخی بُراق کی غضبانہ تھی بلکہ طرباً تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کی تجدید استحضار وتنبیہ سے خجل ہوکر ساکن ہوگیا، جیسا کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے اور اس کو حرکت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ساکن ہوگیا کہ **اثبت فانما علیک نبی و صدیق و شھیدان** اور یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان دنیا پر پہنچے۔ (رواہ البخاری)

اور بعض میں آیا ہے کہ آپ کو جبرئیل علیہ السلام نے بُراق پر اپنے پیچھے سوار کیا۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ، والحارث فی مسندہ) سو ان کو روایت بالا سے تعارض نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ اول اول جبرئیل علیہ السلام خود بھی اس مصلحت سے سوار ہوئے ہوں کہ آپ کو طبعاً خوف معلوم نہ ہو، پھر اتر کر رکاب تھام لی ہو اور دونوں حالتوں میں گاہ گاہ ضرورت کے موقع پر آپ کو تھامنے کے لئے ہاتھ پکڑ لیتے ہوں۔

واقعہ پنجم: جب آپ منزلِ مقصود کو روانہ ہوئے آپ کا گزر ایک ایسی زمین پر ہوا جس میں کھجور کے درخت کثرت سے تھے، جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ اتر کر یہاں نماز (نفل) پڑھیے، آپ نے نماز پڑھی، جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ

نے یثرب (مدینہ) (اس وقت تک اس کا نام یہی تھا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم کے بعد سے مدینہ مقرر ہوا اور بعض روایات میں اب یثرب کہنے کی کراہت آئی ہے) میں نماز پڑھی۔ پھر ایک سفید زمین پر آپ کا گزر ہوا جبرئیل علیہ السلام نے کہا، اتر کر نماز پڑھیے، آپ نے نماز پڑھی، جبرئیل علیہ السلام نے کہا، آپ نے مدین میں نماز پڑھی۔ پھر بیت اللحم پر گزر ہوا، وہاں بھی نماز پڑھوائی اور کہا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ (رواہ البزار والطبرانی، وصححہ البیھقی فی الدلائل)

اور ایک روایت میں بجائے مدین کے طور سینا ہے کہ آپ نے طور سینا پر نماز پڑھی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا ہے۔ (کذا رواہ النسائی)

واقعہ ششم: جس میں عجائب، واقعات برزخ کے ملاحظہ فرمائے اور وہ یہ ہے کہ آپ کا گزر ایک عجوزہ پر ہوا جو سر راہ کھڑی تھی، آپ نے دریافت فرمایا کہ اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ چلئے چلئے، آپ چلتے رہے، ایک بڈھا رستہ سے بچا ہوا ملا کہ آپ کو بلاتا ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ادھر آیئے، جبریل علیہ السلام نے کہا: چلیے چلیے اور آپ کا ایک جماعت پر گزر ہوا کہ انہوں نے آپ کو بایں الفاظ سلام کیا: السلام علیک یا اوّل، السلام علیک یا آخر، السلام علیک یا حاشر۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ ان کو جواب دیجئے۔ اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ وہ بڑھیا جو آپ نے دیکھی وہ دنیا تھی، سو دنیا کی اتنی عمر رہ گئی ہے جیسی بڑھیا کی عمر رہ جاتی ہے اور جس نے آپ کو پکارا تھا وہ ابلیس تھا اور اگر آپ ابلیس کے اور دنیا کے پکارنے کا جواب دے دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی اور جنہوں نے آپ کو سلام کیا تھا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ (رواہ البیھقی فی الدلائل، وقال الحافظ عمادالدین ابن کثیر: فی الفاظہ نکارۃ و غرابۃ)

اور طبرانی اور بزار کی حدیث میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ آپ کا

گزر ایسی قوم پر ہوا جو ایک ہی دن میں بو بھی لیتے ہیں اور کاٹ بھی لیتے ہیں اور جب کاٹتے ہیں پھر وہ ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کاٹنے کے قبل تھا۔

آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا، یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں کہ ان کی نیکی سات سوگنا تک بڑھتی ہے اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ پھر ایک قوم پر گزر ہوا جن کے سر پتھر سے پھوڑے جاتے ہیں اور جب وہ کچلے جا چکتے ہیں تو پھر حالت سابقہ پر ہو جاتے ہیں اور اس کا سلسلہ ذرا بند نہیں ہوتا۔

آپ نے پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نماز سے سرگردانی کرتے ہیں۔ پھر ایک قوم پر آپ کا گزر ہوا کہ ان کی شرم گاہ پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے اور وہ مواشی کی طرح چر رہے تھے اور زقوم اور جہنم کے پتھر کھا رہے تھے، آپ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں ادا کرتے اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا اور آپ کا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک قوم پر ہوا جس کے سامنے ایک ہنڈیا میں پکا ہوا گوشت رکھا ہے اور ایک ہنڈیا میں کچا سڑا ہوا گوشت رکھا ہے، وہ لوگ اس سڑے ہوئے کچے گوشت کو کھا رہے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے، آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کی امت میں سے وہ مرد ہیں جس کے پاس حلال طیب بی بی ہو اور پھر وہ ناپاک عورت کے پاس آوے اور شب باش ہو یہاں تک کہ صبح ہو جاوے، اسی طرح وہ عورت ہے

جو اپنے حلال طیب شوہر کے پاس سے اٹھ کر کسی ناپاک مرد کے پاس آوے اور رات کو اس کے پاس رہے یہاں تک صبح ہو جاوے۔

پھر ایک شخص پر گزر ہوا جس نے ایک بڑا گٹھا لکڑیوں کا جمع کر رکھا ہے وہ اس کو

اٹھا نہیں سکتا اور وہ اس میں اور لا لا کر رکھتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کی امت میں ایسا شخص ہے جس کے ذمہ لوگوں کے بہت سے حقوق و امانت ہیں جن کے ادا پر قادر نہیں اور وہ زیادہ لادتا چلا جاتا ہے۔ پھر آپ کا ایسی قوم پر گزر ہوا جن کی زبانیں اور ہونٹ آہنی مقراضوں سے کاٹے جا رہے ہیں اور جب وہ کٹ چکتے ہیں تو پھر حالت سابق پر ہو جاتے ہیں اور یہ سلسلہ بند نہیں ہوتا، آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ گمراہی میں ڈالنے والے واعظ ہیں۔ پھر آپ کا گزر ایک چھوٹے پتھر پر ہوا جس میں سے ایک بڑا بیل پیدا ہوتا ہے پھر وہ بیل اس پتھر کے اندر جانا چاہتا ہے لیکن نہیں جا سکتا، آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ اس شخص کا حال ہے جو ایک بڑی بات منہ سے نکالے پھر نادم ہو مگر اس کو واپس کرنے پر قادر نہیں۔

پھر ایک وادی پر گزر ہوا وہاں ایک پاکیزہ خنک ہوا اور مشک کی خوشبو آئی اور ایک آواز سنی، آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ جنت کی آواز ہے کہ کہتی ہے کہ اے رب! جو مجھ سے وعدہ کیا ہے مجھ کو دیجئے، کیونکہ میرے بالا خانے اور استبرق اور حریر اور سندس اور عبقری اور موتی اور مونگے اور چاندی اور سونا اور گلاس اور طشتریاں اور دستہ دار کوزے اور مرکب اور شہد اور پانی اور دودھ اور شراب بہت کثرت کو پہنچ گئے تو اب میرے وعدے کی چیز (یعنی سکان جنت) مجھ کو دیجئے (کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ تیرے لئے تجویز کیا گیا ہے ہر مسلم اور مسلمہ اور مومن اور مومنہ اور جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لاوے اور میرے ساتھ شرک نہ کرے اور میرے سوا کسی کو شریک نہ ٹھہراوے اور جو مجھ سے ڈرے گا وہ اور مامون رہے گا اور جو مجھ سے مانگے گا میں اس کو دوں گا، اور جو مجھ کو قرض دے گا میں اس کو جزا دوں گا، اور جو مجھ پر توکل کرے گا میں اس کو کفایت کروں گا، میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں وعدہ خلافی نہیں کرتا، بے شک مومنوں کو فلاح حاصل

ہوئی اور اللہ تعالیٰ جو احسن الخالقین ہے بابرکت ہے۔ جنت نے کہا کہ میں راضی ہوگئی۔

پھر ایک وادی پر گزر ہوا ایک وحشت ناک آواز سنی اور بدبو محسوس ہوئی۔ آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ جہنم کی آواز ہے، کہتی ہے کہ اے رب! مجھ سے جو وعدہ کیا ہے (یعنی دوزخیوں سے بھرنے کا) مجھ کو عطا فرما، کیوں کہ میری زنجیریں اور طوق اور شعلے اور گرم پانی اور پیپ اور عذاب بہت کثرت کو پہنچ گئے اور میرا قعر بہت دراز اور گرمی بہت تیز ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ تیرے لئے تجویز کیا گیا ہے، ہر مشرک اور مشرکہ اور کافر اور کافرہ اور ہر متکبر معاند جو یوم حساب پر یقین نہیں رکھتا، دوزخ نے کہا کہ میں راضی ہوگئی۔

اور ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں بیہقی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھ کو داہنی طرف سے ایک پکارنے والے نے پکارا کہ میری طرف نظر کیجئے، میں آپ سے کچھ دریافت کرتا ہوں، میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا، پھر ایک اور نے مجھ کو بائیں طرف سے اسی طرح پکارا، میں نے اس کو بھی جواب نہیں دیا اور اس میں یہ بھی ہے کہ ایک عورت پر نظر پڑی جو اپنے ہاتھوں کو کھولے ہوئے ہے اور اس پر ہر قسم کی آرائش ہے جو خدا تعالیٰ نے بنائی ہے، اس نے بھی کہا: اے محمد! میری طرف نظر کیجئے، میں آپ سے کچھ دریافت کروں گی، میں نے اس کی طرف التفات نہیں کیا۔ اور اسی حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ پہلا پکارنے والا یہود کا داعی تھا، اگر آپ اس کو جواب دیتے تو آپ کی امت یہودی ہوجاتی اور دوسرا پکارنے والا نصاریٰ کا داعی تھا، اگر آپ اس کو جواب دیتے تو آپ کی امت نصرانی ہوجاتی اور وہ عورت دنیا تھی (یعنی اس کے پکارنے پر جواب دینے کا اثر یہ ہوتا کہ امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی جیسا اوپر آچکا ہے)....(یعنی سرخی ''واقعہ ششم'' کے شروع پر) اور ظاہراً یہ واقعات قبل عروج الی السماوات دیکھے گئے (چناں چہ دلائل بیہقی والی حدیث کے شروع میں یہ الفاظ وارد ہیں: فقال لها جبریل: مه یابراق، فوالله! مارکبک مثله، سار رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم فاذا ھو بعجوزۃ الخ جن سے متبادر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رکوب براق کے بعد متصل ہی ان واقعات کا انکشاف ہوا۔) اور بعضے واقعات میں بعد عروج (مقتضا ترتیب کا ان کا ذکر کرنا بعد ذکر عروج کے تھا مگر واقعات کے تناسب سے یہ اقتران مستحسن معلوم ہوا۔) دیکھنے کی تصریح ہے۔

چنانچہ اسی حدیث بالا میں ہے کہ آپ آسمان دنیا پر تشریف لے گئے اور وہاں آدم علیہ السلام کو دیکھا اور وہاں بہت سے خوان رکھے دیکھے کہ جن پر پاکیزہ گوشت رکھا ہے مگر اس پر کوئی شخص نہیں اور دوسرے خوانوں پر سڑا ہوا گوشت رکھا ہے اور اس پر بہت سے آدمی بیٹھے کھا رہے ہیں، جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑتے ہیں اور حرام کو کھاتے ہیں اور اسی میں یہ بھی ہے کہ آپ کا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کے پیٹ کوٹھڑیوں جیسے ہیں، جب ان میں سے کوئی اٹھتا ہے فوراً گر پڑتا ہے، جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ یہ سود کھانے والے ہیں۔ اور آپ کا گزر ایسی قوم پر ہوا کہ ان کے لب اونٹ کے سے ہیں اور چنگاریاں نکلتی ہیں اور وہ ان کے اسفل سے نکل رہی ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظلماً کھاتے تھے اور آپ کا گزر ایسی عورتوں پر ہوا کہ پستانوں سے (بندھی ہوئی) لٹک رہی تھیں اور وہ زنا کرنے والیاں تھیں اور آپ کا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کے پہلو کا گوشت کاٹا جاتا تھا اور ان ہی کو کھلایا جاتا تھا اور وہ لوگ چغل خور عیب چیں تھے۔

فائدہ: عالم برزخ باعتبار مکان کے خواہ کہیں ہو مگر انکشاف اس کا مشروط نہیں صاحب کشف کے اس مکان میں ہونے کے ساتھ، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ احوال ان صورتوں کے نظر آئے ہوں جو آدم علیہ السلام کے یسار میں تھیں جن کا ذکر واقعہ دہم میں آوے گا۔ اور بعض مکشوفات کی نسبت تصریح نہیں کہ قبل عروج مشاہدہ فرمایا یا بعد عروج، جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آپ کو معراج کرائی گئی تو بعض ایسے انبیاء پر آپ کا گزر ہوا جن کے ساتھ بڑا مجمع تھا اور بعض ایسوں

پر گزر ہوا جن کے ساتھ چھوٹا مجمع تھا اور بعض کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا، یہاں تک کہ آپ کا گزر ایک بہت بڑے مجمع پر ہوا، میں نے پوچھا: یہ کون صاحب ہیں؟ کہا گیا کہ موسیٰ اور ان کی قوم ہیں لیکن اپنا سر اوپر اٹھایئے اور دیکھئے، سو دیکھتا کیا ہوں کہ اتنا عظیم الشان مجمع ہے کہ سب آفاق کو گھیر رکھا ہے اور کہا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان کے علاوہ آپ کی امت میں سے ستر ہزار اور ہیں جو جنت میں بے حساب داخل ہوں گے اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ ہیں جو داغ نہیں لگاتے اور جھاڑ پھونک نہیں کرتے اور شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ (کذا رواہ الترمذی)

واقعہ ہفتم: جب آپ بیت المقدس پہنچے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مسلم کی روایت ہے کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیا علیہم السلام (اپنے مراکب کو) باندھتے تھے۔ اور بزار نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے پتھر میں جو کہ بیت المقدس میں ہے انگلی سے سوراخ کر کے اس سے براق کو باندھ دیا۔

فائدہ: دونوں روایتیں اس طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ وہ حلقہ تو قدیم الزماں سے ہو لیکن کسی وجہ سے بند ہو گیا ہو، جبریل علیہ السلام نے انگلی سے کھول دیا اور دونوں حضرات باندھنے میں شریک ہوں اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ باندھنے کی ضرورت کیا تھی کہ وہ تو مسخر کر کے بھیجا گیا تھا؟ ممکن ہے کہ اس عالم میں آنے سے اس میں کچھ آثار یہاں کے پیدا ہو گئے ہوں، اگر بھاگنے کا بھی اندیشہ نہ ہو، تاہم اس کی شوخی وغیرہ سے آپ کے قلب کے پریشان ہونے کا احتمال ہو اور حکمتوں کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟

واقعہ ہشتم: ''تفسیر ابن ابی حاتم'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ بیت المقدس پہنچے اور اس مقام پر پہنچے جس کا نام باب محمد ہے تو براق کو باندھ کر دونوں صاحب فنائے مسجد میں پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ محمد! کیا آپ نے اپنے رب سے درخواست کی تھی کہ آپ کو حور عین دکھلاوے آپ

نے فرمایاہاں! جبریل علیہ السلام نے کہا کہ ان عورتوں کے پاس جایئے اور ان کو سلام کیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا تم کس کے لئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم نیک ہیں، حسین ہیں اور ایسے مردوں کی بیبیاں ہیں جو پاک ہیں، صاف ہیں اور میلے نہ ہوں گے اور ہمیشہ رہیں گے، کبھی جنت سے جدا نہ ہوں گے اور ہمیشہ زندہ رہیں گے اور کبھی نہ مریں گے۔ سو وہاں سے ہٹ کر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بہت سے آدمی جمع ہو گئے، پھر ایک مؤذن نے اذان کہی اور تکبیر کہی گئی، ہم سب صف باندھ کر منتظر کھڑے تھے کہ کون امام بنے؟ سو میرا ہاتھ جبریل علیہ السلام نے پکڑ کر آگے کھڑا کر دیا۔ میں نے سب کو نماز پڑھائی، جب میں فارغ ہوا تو جبریل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ آپ کو خبر ہے کہ کن لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی؟ میں نے کہا نہیں: انہوں نے کہا کہ جتنے نبی مبعوث ہوئے سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

اور بیہقی نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اور جبریل بیت المقدس (کی مسجد) میں داخل ہوئے اور دونوں نے دو دو رکعت نماز پڑھی۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ میں مسجد میں گیا تو انبیا علیہم السلام کو میں نے پہچانا، کوئی صاحب کھڑے ہیں، کوئی رکوع میں ہیں، کوئی سجدہ میں، پھر ایک اذان کہنے والے نے اذان کہی اور ہم صفوف درست کر کے اس انتظار میں کھڑے ہو گئے کہ کون امامت کرتے ہیں۔ سو جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا اور میں نے سب کو نماز پڑھائی۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مسلم نے روایت کیا ہے کہ نماز کا وقت آ گیا اور میں ان کا امام بنا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ہے کہ جب آپ مسجد اقصیٰ میں پہنچے، کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے تو تمام انبیاء علیہم السلام آپ کے ساتھ نماز پڑھنے لگے۔ اور بیہقی میں ابو سعید رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت ہے کہ آپ نے داخل ہو کر فرشتوں کے ساتھ

نماز پڑھی (یعنی اس جماعت کے آپ امام ہوئے)....(کیوں کہ جب آپ امام الانبیاء ہیں اور انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں تو امام الملائکہ بدرجہ اولیٰ ہوں گے۔)

جب نماز پوری ہوگئی تو ملائکہ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ تمہارے ہمراہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ملائکہ نے کہا کہ کیا ان کے پاس پیام الٰہی (نبوت کے لئے یا آسمانوں پر بلانے کے لئے) بھیجا گیا؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان پر تحیہ نازل فرمائے کہ بہت اچھے بھائی اور بہت اچھے خلیفہ ہیں (یعنی ہمارے بھائی اور اللہ تعالیٰ کے خلیفہ)۔

پھر ارواح انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی اور ان سبھوں نے اپنے رب پر ثنا کی۔

سو ابراہیم علیہ السلام نے اس طرح تقریر کی کہ تمام محامد اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں جس نے مجھ کو خلیل بنایا اور مجھ کو ملک عظیم عطا فرمایا اور مجھ کو مقتدا صاحب قنوت بنایا کہ میرا اقتداء کیا جاتا ہے اور مجھ کو آتش (نمرودی) سے نجات دی اور اس کو میرے حق میں خنک اور سلامتی کا ذریعہ بنا دیا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے رب پر ثنا کر کے یہ تقریر کی کہ تمام محامد اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں جس نے مجھ سے کلام (خاص) فرمایا اور مجھ کو برگزیدہ فرمایا اور مجھ پر توراۃ نازل فرمائی، اور فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات میرے ہاتھ پر ظاہر فرمائی اور میری امت کو ایسی قوم بنایا کہ حق کے موافق وہ ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق عدل کرتے ہیں۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی ثنا کر کے یہ تقریر کی کہ جمیع محامد اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں جس نے مجھ کو ملک عظیم عطا فرمایا اور مجھ کو زبور کا علم دیا اور میرے لئے لوہے کو نرم کیا اور میرے لئے پہاڑوں کو مسخر کیا کہ وہ میرے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور پرندوں کو بھی (تسبیح کے لئے مسخر فرمایا) اور مجھ کو حکمت اور صاف تقریر عنایت فرمائی۔

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کی ثنا کے بعد یہ تقریر کی کہ جمیع محامد

ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے میرے لئے ہوا کو مسخر فرمایا اور شیاطین کو بھی مسخر کیا کہ جو چیز میں چاہتا تھا وہ بناتے تھے، جیسے عمارات عالی شان اور مجسم تصاویر (کہ اس وقت درست تھیں) اور مجھ کو پرندوں کی بولی کا علم دیا اور اپنے فضل سے مجھ کو ہر قسم کی چیز دی اور میرے لئے شیاطین اور انسان اور جن اور طیر کے لشکروں کو مسخر کیا اور مجھ کو ایسی سلطنت بخشی کہ میرے بعد کسی کے لئے شایاں نہ ہوگی، اور میرے لئے ایسی پاکیزہ سلطنت تجویز کی کہ اس کے متعلق مجھ سے کچھ حساب ہی نہ ہوگا۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب پر ثنا کر کے یہ تقریر کی کہ تمام محامد اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں جس نے مجھ کو اپنا کلمہ بنایا اور مجھ کو مشابہ آدم علیہ السلام کے بنایا کہ ان کو مٹی سے بنا کر کہہ دیا کہ تو (ذی روح) ہو جا اور وہ (ذی روح) ہو گیا، اور مجھ کو لکھنا اور حکمت اور توراۃ وانجیل کا علم دیا۔ اور مجھ کو ایسا بنایا کہ میں مٹی سے پرندے کی شکل کا قالب بنا کر اس میں پھونک مار دیتا تھا تو وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا اور مجھ کو ایسا بنایا کہ میں بحکم خدا مادرزاد اندھے اور جذامی کو اچھا کر دیتا تھا اور مردوں کو زندہ کر دیتا تھا اور مجھ کو پاک کیا اور مجھ کو اور میری والدہ کو شیطان رجیم سے پناہ دی، سو ہم پر شیطان کا کوئی قابو نہیں چلتا تھا۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کی ثنا کی اور فرمایا کہ تم سب نے اپنے رب کی ثنا کی اور میں بھی اپنے رب کی ثنا کرتا ہوں۔ جمیع محامد اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں جس نے مجھ کو رحمۃ للعالمین اور تمام لوگوں کے لئے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا اور مجھ پر فرقان، یعنی قرآن مجید نازل کیا۔ جس میں ہر (دینی ضروری) امر کا بیان ہے (خواہ صراحتاً خواہ اشارتاً) اور میری امت کو بہترین امت بنایا کہ لوگوں کے نفع (دین) کے لئے پیدا کی گئی ہے، اور میری امت کو امت عادلہ بنایا اور میری امت کو ایسا بنایا کہ وہ اول بھی ہیں (یعنی رتبہ میں) اور آخر بھی ہیں (یعنی زمانہ میں) اور میرے سینہ کو فراغ فرمایا اور میرا بار مجھ سے ہلکا کیا اور میرے ذکر کو بلند فرمایا اور مجھ کو سب کا شروع کرنے والا اور

سب کا ختم کرنے والا بنایا (یعنی نور میں اول اور ظہور میں آخر)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (سب سے خطاب کر کے) فرمایا کہ بس ان کمالات کے سبب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سب سے فائق ہو گئے۔ پھر آپ کے **عروج الی السماوات** کا ذکر کیا۔

اور ایک روایت میں آپ نے بالخصوص تین پیغمبروں کا ابراہیم علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کا نماز پڑھنا اور ہر ایک کا حلیہ بیان فرمایا اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو مجھ سے ایک کہنے والے نے کہا کہ اے محمد! یہ مالک داروغہ دوزخ کے ہیں، ان کو سلام کیجئے، میں نے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے پہلے مجھ کو سلام کیا۔ (کذا رواہ مسلم) اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ سے روایت کیا ہے کہ لیلۃ الاسرا میں دجال کو بھی دیکھا اور خازن نار کو بھی دیکھا۔ (کذا رواہ مسلم)

ظاہراً اس اقتران ذکری سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کو بھی بیت المقدس کے موقع پر دیکھا، یعنی اس کی صورت مثالیہ کو، کیوں کہ وہاں اس کا نہ ہونا ظاہر ہے۔

واقعہ نہم: اور ایک روایت میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہو کر مسجد سے باہر تشریف لائے، جبریل علیہ السلام آپ کے سامنے ایک ظرف شراب کا اور ایک دودھ کا لائے، آپ فرماتے ہیں، میں نے دودھ کو اختیار کیا، جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ نے فطرت (یعنی طریق دین) کو اختیار فرمایا: پھر آسمان کی طرف عروج کیا۔ (کذا رواہ مسلم) اور احمد کی حدیث میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک ظرف دودھ کا، ایک شہد کا آیا ہے اور بزار کی روایت میں تین ظرف آئے ہیں، دودھ اور شراب اور پانی۔ اور شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ بعد نماز کے مجھ کو پیاس لگی، اس وقت یہ برتن حاضر کئے گئے اور جب کہ میں نے دودھ کو اختیار کیا تو ایک بزرگ نے جو میرے سامنے تھے، جبریل علیہ السلام سے کہا کہ تمہارے دوست نے فطرت کو اختیار کیا۔

فائدہ: براق کے باندھنے کے بعد جو واقعات مذکور ہیں ان میں ترتیب اس طرح مفہوم ہوتی ہے۔

(متعلق واقعہ ہشتم ونہم)

نمبر 1: فنائے مسجد میں پہنچ کر حوروں سے ملنا بات کرنا۔

نمبر۲: آپ کا اور جبریل علیہ السلام کا دو رکعت پڑھنا۔ غالباً یہ تحیۃ المسجد ہے۔ اس وقت غالباً بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام پہلے سے جمع تھے، جن کو آپ نے مختلف حالتوں میں دیکھا، کسی کو راکع، کسی کو ساجد، غالباً یہ سب تحیۃ المسجد پڑھتے تھے اور ان میں سے بعض کو پہچانا بھی۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یہی حضرات بتمامہم اپنی نمازوں سے فارغ ہو کر اسی تحیۃ المسجد میں بھی آپ کے مقتدی ہو گئے ہوں گے۔

نمبر۳: پھر بقیہ انبیاء علیہم السلام کا جمع ہو جانا۔

نمبر۴: پھر اذان وتکبیر ہونا اور جماعت ہونا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے اور تمام انبیاء علیہم السلام اور بعض ملائکہ آپ کے مقتدی تھے، ان میں سے بعض کو آپ نہ پہچانتے تھے، اس واسطے جبریل علیہم السلام نے بتایا کہ جمیع انبیائے مبعوثین نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور اس کی تحقیق کی کہ یہ نماز کون سی تھی؟ واقعہ بست وسوم کے ذیل میں آوے گی اور اذان واقامت یا تو ایسی ہی ہو، گو عام حکم اس کا مدینہ میں پہنچنے کے بعد ہوا اور یا اور طرح کی ہو۔

نمبر۵: پھر ملائکہ سے تعارف ہونا۔ شاید خازن نار سے ملاقات بھی اسی ضمن میں ہوئی ہو جس میں انہوں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اور نام سن کر فرشتوں کا پوچھنا کہ کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟ دلیل اس کی ہے کہ ان فرشتوں کو آپ کے متعلق یہ علم تھا کہ آپ کے لئے ایسا ہونے والا ہے، آگے اس میں دو احتمال ہیں: یا تو ہنوز عطائے نبوت ہی کا علم نہ ہوا ہو، کیوں کہ ملائکہ کے مشاغل مختلف ہیں دوسرے معاملات کا ہر وقت علم نہیں ہوتا، اور یا نبوت کا علم پہلے سے ہو اور مقصود پوچھنے سے یہ ہو کہ معراج کے لئے ان کے پاس حکم پہنچ چکا ہے، اور اسی طرح آگے جو سماوات میں سوال ہوا ہے وہاں یہی تقریر ہے۔

نمبر۶: پھر حضرات انبیا علیہم السلام سے ملاقات ہونا۔

نمبر۷: پھر سب حضرات کا خطبہ پڑھنا۔

نمبر۸: پھر پیالوں کا پیش ہونا۔ جن کی روایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چار تھے: دودھ اور شہد اور خمر اور پانی، کسی نے دو کے ذکر پر اکتفا کیا، کسی نے تین کے ذکر پر، یا یہ کہ تین ہوں: ایک پیالے میں پانی ہو کہ شیرینی میں شہد جیسا ہو، کبھی اس کو شہد کہہ دیا ہو کبھی پانی اور ہر چند کہ شراب اس وقت حرام نہ تھی، کیوں کہ یہ مدینہ میں حرام ہوئی ہے مگر سامان نشاط ضرور ہے اس لئے مشابہ دنیا کے ہے۔

شہد بھی اکثر تلذذ کے لئے پیا جاتا ہے غذا کے لئے نہیں، تو یہ بھی امر زائد اور اشارہ لذات دنیا کی طرف ہوا۔ اور پانی بھی معین غذا ہے غذا نہیں، جس طرح دنیا معین دین ہے مقصود نہیں اور دین خود غذائے روحانی مقصود ہے جیسا دودھ غذائے جسمانی مقصود ہے۔ اور گو غذائیں اور بھی ہیں مگر دودھ کو اوروں پر ترجیح ہے کہ یہ کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتا ہے اور ایسے ہی ظروف کا بعد سدرۃ المنتہیٰ کے پیش ہونا آیا ہے، جیسا آگے آوے گا تو یہ پیشی مکرر ہوئی ہے۔ (**صرح به الحافظ عماد الدين ابن كثير**) شاید اس میں مصلحت تقویت تنبیہ و تاکید تحذیر ہو۔

نمبر۹: پھر آسمان کا سفر۔ اور اس تقریر سے جس طرح ترتیب واقعات کی معلوم ہوئی اسی طرح روایات مذکورہ کے اشکالات از قبیل تعارض بھی رفع ہو گئے اور روایات جمع ہو گئیں۔ **ولعل عند غيري احسن من هذا**، اور شاید یہاں پر انبیا اور ملائکہ کا جمع ہونا بطور استقبال نبوی کے ہو۔ واللہ اعلم

واقعہ دہم: اس کے بعد آپ کا آسمانوں پر صعود ہوا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ براق پر تشریف لے گئے۔ ''بخاری'' میں آپ کا ارشاد ہے کہ بعد قلب دھونے اور اس میں ایمان و حکمت بھرنے کے مجھ کو براق پر سوار کیا گیا۔ جس کا ایک قدم اس کے منتہائے نگاہ پر پڑتا ہے اور مجھ کو جبریل لے چلے یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچے۔ اس سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر بھی

براق ہی کی سواری پر تشریف لے گئے، گو درمیان میں بیت المقدس میں بھی اترے، اور ''بیہقی'' میں ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پھر (یعنی بعد فراغ اعمال بیت المقدس کے) میرے سامنے ایک زینہ لایا گیا، جس پر بنی آدم کی ارواح (بعد موت) کے چڑھتی ہیں، سو اس زینے سے زیادہ خوبصورت خلائق کی نظر سے نہیں گزرا، تم نے (بعض) میت کو آنکھیں پھاڑ کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا ہوگا، سو وہ اس زینے کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور ''شرف مصطفیٰ'' میں ہے کہ یہ زینہ جنت الفردوس سے لایا گیا اور اس کے داہنے بائیں ملائکہ اوپر تلے گھیرے ہوئے تھے۔ اور کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک زینہ چاندی کا رکھا گیا اور ایک سونے کا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل علیہ اسلام اس پر چڑھے۔ اور ابن اسحاق کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب میں بیت المقدس کے قصہ سے فارغ ہوا تو یہ زینہ لایا گیا اور میرے رفیق راہ (جبریل علیہ السلام) نے مجھ کو اس پر چڑھایا، یہاں تک کہ دروازہ آسمان تک پہنچے۔

فائدہ: براق اور زینے کی روایات میں اس طرح جمع ممکن ہے کہ کچھ ایک پر سفر کیا ہو کچھ دوسرے پر، جس طرح مکرم مہمان کے روبرو کئی سواریاں حاضر کی جاتی ہیں، اس کو اختیار ہوتا ہے کہ خواہ تھوڑی تھوڑی مسافت سب پر قطع کرے۔ اور براق ہر چند کہ نہایت تیز رفتار ہے مگر اس کی سرعت اور بطوء راکب کے قبضہ میں ہوگا کیوں کہ براق پر سوار ہونے کے بعد مختلف مواقع و مقامات پر نزول اور مختلف مناظر پر مفصل اطلاع و مرور ظاہراً اعتدال فی السیر کا قرینہ ہے۔

واقعہ یاز دھم: حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ اول آسمان دنیا تک پہنچے، جبریل علیہ السلام نے (آسمان کا) دروازہ کھلوایا (ملائکہ بوابین کی طرف سے) پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے

کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا کہ کیا ان کے پاس پیام الٰہی (نبوت کے لئے یا آسمانوں پر بلانے کے لئے) بھیجا گیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ ہاں۔ (رواہ البخاری) اور بیہقی کی حدیث میں ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آسمانوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر پہنچے، اس کا نام باب الحفظۃ ہے، اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے، اس کا نام اسماعیل ہے، اس کی ماتحتی میں بارہ ہزار فرشتے ہیں۔ اور شریک کی روایت میں حدیث بخاری میں یہ بھی ہے کہ اہل سماوات کو خبر نہیں ہوتی کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا کیا کرنے کا ارادہ ہے؟ جب تک ان کو کسی ذریعہ سے اطلاع نہ دے۔ اھ

جیسے یہاں جبریل علیہ السلام کی زبانی معلوم ہوا، اس سے فرشتوں کے اس پوچھنے کی وجہ معلوم ہوگئی کہ ''کیا ان کے پاس پیام الٰہی پہنچا ہے'' اور اس پوچھنے میں جو وہ احتمال ذکر کئے گئے تفصیل اس کی واقعہ ہشتم نمبر: ۵ میں مذکور ہوئی ہے۔ اور وہاں خود پوچھنے کی وجہ عقلی بھی لکھی گئی ہے، اس دلیل نقلی سے اس توجیہ عقلی کی تائید ہوگئی۔ ''بخاری'' کی روایت میں ہے کہ فرشتوں نے یہ سن کر کہا: مرحبا! آپ بہت اچھا آنا آئے اور دروازہ کھول دیا گیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ وہاں پہنچا تو حضرت آدم علیہ السلام موجود ہیں، جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کے باپ آدم ہیں، ان کو سلام کیجئے، میں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا مرحبا! فرزند صالح اور نبی صالح کو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آسمان دنیا میں ایک شخص کو بیٹھا دیکھا، جن کے داہنی طرف کچھ صورتیں نظر آتی ہیں اور کچھ صورتیں بائیں طرف ہیں، جب وہ داہنی طرف دیکھتے ہیں ہنستے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا آدم علیہ السلام ہیں اور یہ صورتیں داہنی اور بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں، سو داہنی طرف والے جنتی ہیں اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں، اس لئے داہنی طرف دیکھ کر ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔ (کذا فی المشکاۃ عن الشیخین)

اور بزار کی حدیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی داہنی طرف ایک دروازہ ہے کہ اس میں سے خوش بودار ہوا آتی ہے اور بائیں طرف ایک دروازہ ہے کہ اس میں بدبودار ہوا آتی ہے، جب داہنی طرف دیکھتے ہیں خوش ہوتے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں مغموم ہوتے ہیں۔ اور شریک کی روایت بالا میں یہ بھی ہے کہ آپ نے سماء دنیا میں نیل اور فرات کو دیکھا، اور اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ اسی سماء دنیا میں ایک اور نہر بھی دیکھی کہ اس پر موتی اور زبرجد کے محل بنے ہیں اور وہ کوثر ہے۔

فائدہ: حضرت آدم علیہ السلام جمیع انبیاء میں اس کے قبل بیت المقدس میں بھی مل چکے ہیں اور اسی طرح وہ اپنی قبر میں بھی موجود ہیں اور اسی طرح بقیہ سماوات میں جو انبیاء علیہم السلام کو دیکھا سب جگہ یہی سوال ہوتا ہے کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبر میں تو اصلی جسد سے تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی روح کا تمثل ہوا ہے، یعنی غیر عنصری جسد سے جس کو صوفیہ جسم مثالی کہتے ہیں روح کا تعلق ہو گیا، اور اس جسد میں تعدد بھی اور ایک وقت میں روح کا سب کے ساتھ تعلق بھی ممکن ہے، لیکن ان کے اختیار سے نہیں، بلکہ محض بقدرت و مشیت حق۔ اور ظاہراً یہ جسم مثالی جو دونوں جگہ نظر آیا الگ الگ شکل رکھتا تھا، اسی لئے باوجود لقائے بیت المقدس کے آسمان میں نہیں پہچانا۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چوں کہ آسمان پر مع الجسد ہیں، ان کو وہاں دیکھنا مع الجسد ہو سکتا ہے۔ لیکن ان کو جو بیت المقدس میں دیکھا، جیسا واقعہ ہشتم میں مذکور ہے وہ مع الجسد نہیں تھا بلکہ بالمثال ہے کہ تعلق روح کا جسد مثالی کے ساتھ قبل الموت بھی بطور خرق عادات کے ممکن ہے اور اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ بیت المقدس میں مع الجسد ہوں اور آسمان سے وہ آ گئے ہوں۔ یا دونوں جگہ مع الجسد ہوں کہ اول آسمان سے بیت المقدس آئے ہوں، پھر یہاں سے وہاں پہنچ گئے ہوں، مگر خلاف ظاہر ہے۔ واللہ اعلم

اور آدم علیہ السلام کے داہنے بائیں جو صورتیں نظر آئیں وہ بھی ارواح کی صورتیں مثالیہ تھیں۔ اور بزار کی روایت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارواح

اس وقت آسمان پر موجود اور مستقر نہ تھیں بلکہ اپنے اپنے ٹھکانے پر تھیں اور اس ٹھکانے اور مقام آدم علیہ السلام کے درمیان دروازہ تھا اس دروازہ سے ان صورتوں کا عکس اس مقام پر پڑتا ہوگا، یا وہ ہوا جو آتی تھی آخر وہ بھی جسم ہے، اس میں خاصیت انطباع و انعکاس کی ہوگی، جیسے ہوا شعاعوں سے متکیف ہوکر قابل رویت کے ہو جاتی ہے، کیوں کہ اس روایت میں دروازہ کا ہونا آیا ہے، یہ ظاہراً قرینہ ہے اس کا کہ وہ دروازہ واسطہ تھا یہاں تک ان صورتوں کے اثر پہنچنے کا۔ **واللہ اعلم**

پس اس میں یہ اشکال نہ رہا کہ نص قرآنی (**ان الذین کذبوا بایتنا واستکبروا عنھا لاتفتح لھم ابواب السماء**)(اعراف ۴۰) سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی ارواح آسمان پر نہیں جاسکتیں، پھر آسمان دنیا پر یہی روحیں کافروں کی جو بائیں طرف تھیں کیسے پائی گئیں؟ اور نیل وفرات کا دوسری روایات میں ساتویں آسمان کے اوپر سدرۃ المنتہٰی کی جڑ میں دیکھنا ثابت ہوتا ہے۔ سو اس سوال کا جواب کہ یہ نہریں تو دنیا میں ہیں وہاں ہونے کے کیا معنی؟ آگے سدرۃ المنتہٰی کے ذکر کے موقع پر دیا جاوے گا، یہاں صرف روایات کو جمع کرنے کی توجیہ سمجھ لی جاوے، وہ یہ ہے کہ اصل سرچشمہ ان کا سدرۃ المنتہٰی کی جڑ ہو اور پھر نکل کر پانی آسمان دنیا پر جمع ہوتا ہو اور پھر وہاں سے زمین میں آتا ہو، جیسا آگے مذکور ہوگا اور ایسی ہی تقریر سے یہ اشکال رفع کر لیا جاوے کہ دوسری احادیث سے حوض کوثر کا جنت میں ہونا منصوص ہے، یعنی اصل وہاں ہو اور یہاں اس کی ایک شاخ ہو، جیسا ایک شاخ اس کی میدان قیامت میں ہوگی۔

واقعہ دواز دھم: بخاری کی حدیث میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل آگے لے کر چڑھے، یہاں تک کہ دوسرے آسمان تک پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا جبریل ہوں۔ پوچھا گیا: تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا: ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا: مرحبا! آپ بہت اچھا آنا آئے اور دروازہ کھول دیا گیا۔ جب

میں (وہاں) پہنچا تو حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام موجود ہیں، اور وہ دونوں باہم خلیرے ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ یحییٰ و عیسیٰ ہیں، ان کو سلام کیجئے، میں نے سلام کیا، ان دونوں نے جواب دیا، پھر کہا کہ مرحبا! برادر صالح اور نبی صالح کو۔

فائدہ: حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خالہ کے نواسے ہیں، چوں کہ نانی بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے اس لئے عیسیٰ علیہ السلام کی نانی کو بمنزلہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے قرار دیا گیا اور اگر وہ واقع میں عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہوتیں تو یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام خلیرے ہوتے، اس لئے مجازاً ان کو خلیرا فرمادیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خالہ کی اولاد میں ہیں، اگرچہ بیٹے نہیں مگر نواسے ہیں۔ اور ان دونوں نے بھائی اس لئے کہا کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے نہیں ہیں۔

واقعہ سیزدھم: بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل علیہ السلام تیسرے آسمان کی طرف لے کر چڑھے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا کون ہے؟ کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا: تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا: کیا ان کے پاس پیامِ الٰہی بھیجا گیا؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا: مرحبا! آپ بہت اچھا آنا آئے اور دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں (وہاں) پہنچا تو حضرت یوسف علیہ السلام موجود ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ یوسف ہیں، ان کو سلام کیجئے، میں نے سلام کیا، انہوں نے جواب دیا، پھر کہا: مرحبا! برادر صالح اور نبی صالح کو۔

اور ایک روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دیکھتا ہوں کہ یوسف علیہ السلام کو حسن کا ایک (بڑا) حصہ عطا کیا گیا ہے۔ (کذا فی المشکاۃ عن مسلم)

اور بیہقی کی حدیث میں بروایت ابوسعید رضی اللہ عنہ اور طبرانی کی حدیث میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یوسف علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہے کہ ایک ایسے شخص کو دیکھا جو خلق اللہ سے زیادہ حسین ہے اور لوگوں پر حسن میں ایسی فضیلت رکھتا ہے جیسے

چودھویں شب کا چاند باقی کواکب پر۔

فائدہ: اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ اس عموم سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستثنیٰ ہوں اور قرینہ اس کا ایک حدیث ہے، جس کو ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو معبوث نہیں فرمایا کہ خوب صورت اور خوش آواز نہ ہو اور تمہارے نبی ان سب سے زیادہ حسین اور سب میں زیادہ خوش آواز تھے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ عموم اپنے ظاہر پر باقی رہے اور فضل جزئی فضل کلی میں قادح نہیں۔ یا یوں کہا جاوے کہ حسن کے انواع مختلف ہیں، ایک نوع میں حضرت یوسف علیہ السلام احسن ہوں اور ایک نوع میں ہمارے آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم احسن ہوں اور خود ان دونوں نوعوں میں یوں تفاضل ہو کہ نوع یوسفی **ظاهراً و بداهتاً ابهر واظهر** اور **واقف عند حد** ہو نوع محمدی **معناً وامعاناً الطف وادق** اور **لاتقف الى حد** ہو، اول نوع کا لقب حسن صباحت مناسب ہے، اور دوسری نوع کا نام حسن ملاحت، گویا یہ شعر اسی کا مصداق ہے:

يزيدك وجهه حسنا اذا ما زدته نظراوالله اعلم بحقائق الأمور، والمحل محل أدب

واقعہ چہارم دہم: بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل علیہ السلام آگے لے کر چڑھے، یہاں تک کہ چوتھے آسمان تک پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا: ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟

جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں فرشتوں نے یہ سن کر کہا: مرحبا! آپ بہت اچھا آنا آئے اور دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت ادریس علیہ السلام موجود ہیں، جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ ادریس ہیں، ان کو سلام کیجئے، میں نے سلام کیا، انہوں نے جواب دیا، پھر کہا: مرحبا! برادر صالح اور نبی صالح کو۔

فائدہ: باوجود یہ کہ ادریس علیہ السلام آپ کے اجداد میں ہیں، پھر ان کا برادر کہنا اخوت نبوت کی بنا پر ہے، اور ابن پر اس کو ترجیح دینا بوجہ ادب کے ہے، برابر کے بیٹے کو یا اپنے سے بھی بڑے درجہ کے بیٹے کو بھائی کے لقب سے پکارنے لگتے ہیں۔

اور ابن المنیر نے کہا ہے کہ ایک طریق شاذ میں مرحبا بالابن الصالح بھی آیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ادریس حضرت الیاس علیہ السلام کا لقب ہے اور یہی ملے ہیں اور یہ اجداد نبویہ میں سے نہیں۔ واللہ اعلم

واقعہ پانز دہم: بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل علیہ السلام آگے لے کر چڑھے، یہاں تک کہ پانچویں آسمان تک پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا: اور تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا: کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟ کہا، ہاں۔

وہاں سے کہا گیا: مرحبا! آپ بہت اچھا آنا آئے۔ جب میں وہاں پہنچا تو ہارون علیہ السلام موجود تھے، جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ ہارون ہیں ان کو سلام کیجئے، میں نے سلام کیا، انہوں نے جواب دیا، پھر کہا: مرحبا! برادر صالح اور نبی صالح کو۔

واقعہ شانز دہم: بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل علیہ السلام آگے لے کر چڑھے، یہاں تک کہ چھٹے آسمان تک پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا جبریل ہوں۔ پوچھا گیا: اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا: کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟ کہا: ہاں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ موسیٰ ہیں، ان کو سلام کیجئے، میں نے سلام کیا، انہوں نے جواب دیا، پھر کہا: مرحبا! برادر صالح اور نبی صالح کو۔ پھر جب میں آگے بڑھا تو وہ روئے، ان سے پوچھا گیا: آپ کے رونے کا کیا سبب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں اس لئے روتا ہوں کہ ایک نوجوان پیغمبر میرے بعد مبعوث ہوئے، جن کی امت کے جنت میں داخل ہونے والے میری امت کے جنت میں داخل ہونے والوں سے بہت زیادہ ہوں گے (تو

مجھ کواپنی امت پرحسرت ہے کہ انہوں نے میرااس طرح اتباع نہ کیا جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت آپ کی اطاعت کرے گی اوراس لئے میری امت کے ایسے لوگ جنت سے محروم رہے تو ان کے حال پر رونا آتا ہے)۔

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نوجوان فرمانا اس اعتبار سے ہے کہ آپ کے اتباع تھوڑی ہی مدت میں کہ اس وقت آپ سن شیخوخت تک بھی نہیں پہنچیں گے اتنی کثرت سے ہو جاویں گے کہ اوروں کے سن شیخوخت تک بھی اتنے اتباع نہیں ہوئے، نیز آپ کی کل عمر تریسٹھ سال کی ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام کی عمر ڈیڑھ سال کی ہوئی۔(کذافی قصص الأنبیاء)

واقعہ ہفدہم: بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل علیہ السلام آگے لے کر ساتویں آسمان کی طرف چڑھے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا جبریل ہوں۔ پوچھا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا: کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟ کہا: ہاں۔ کہا گیا مرحبا! آپ بہت اچھا آنا آئے۔ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام موجود ہیں۔

جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کے جد امجد ابراہیم ہیں، ان کو سلام کیجئے، میں نے سلام کیا، انہوں نے جواب دیا اور فرمایا: مرحبا فرزند صالح اور نبی صالح کو۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی کمر بیت المعمور سے لگائے ہوئے بیٹھے ہیں، اور بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں کہ جن کی باری پھر نہیں آتی (یعنی اگلے روز اور نئے ستر ہزار داخل ہوتے ہیں)۔(کذافی المشکاۃ عن مسلم)

اور ''دلائل بیہقی'' میں ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب مجھ کو آسمان ہفتم پر چڑھایا گیا تو ابراہیم علیہ السلام موجود ہیں، بہت حسین ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ لوگ ہیں اور میری امت بھی موجود ہے دو قسم کے: ایک وہ جن پر سفید کپڑے ہیں اور ایک وہ جن پر میلے کپڑے ہیں، میں بیت المعمور میں داخل ہوا اور

سفید کپڑے والے بھی میرے ساتھ داخل ہوئے اور دوسرے روک دیئے گئے، سو میں نے اور میرے ساتھ والوں نے وہاں نماز پڑھی۔

فائدہ: بعض روایات میں ترتیب منازل انبیاء علیہم السلام کی اور طرح بھی آئی ہے مگر اصح یہی ہے جو مذکور ہوا۔ واللہ اعلم

اور بیت المعمور کے متعلق بعد ذکر سدرہ کے کچھ اور بھی آوے گا۔

واقعہ ہشدہم: بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کیا گیا سو اس کے بیر اتنے بڑے بڑے تھے جیسے مقام ہجر کے مٹکے اور اس کے پتے ایسے تھے جیسے ہاتھی کے کان۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔

اور وہاں چار نہریں ہیں: دو اندر کو جارہی ہیں اور دو باہر کو آرہی ہیں۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ جو اندر کو جاتی ہے یہ جنت میں دو نہریں ہیں اور باہر جو آرہی ہیں یہ نیل اور فرات ہے۔ پھر میرے پاس ایک برتن شراب کا اور دوسرا دودھ کا اور تیسرا شہد کا لایا گیا، میں نے دودھ کو اختیار کیا، جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ فطرت (یعنی دین) ہے، جس پر آپ اور آپ کی امت قائم رہے گی۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں یہ چار نہریں ہیں۔ اور ''مسلم'' میں یہ ہے کہ اس کی جڑ سے یہ چار نہریں نکلتی ہیں۔

اور ابن ابی حاتم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے دیکھنے کے بعد مجھ کو ساتویں آسمان کے بالائی سطح پر لے گئے، یہاں تک کہ آپ ایک نہر پر پہنچے جس پر یاقوت اور موتی اور زبرجد کے پیالے رکھے تھے اور اس پر سبز لطیف پرندے بھی تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو دی ہے، اس کے اندر برتن، سونے اور چاندی کے پڑے ہیں اور وہ یاقوت اور زمرد کے سنگریزوں پر چلتی ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے، میں نے ایک برتن لے کر اس میں کچھ پیا تو وہ شہد سے زیادہ شیریں اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ اور بیہقی

کی حدیث میں ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ وہاں ایک چشمہ تھا، جس کا نام سلسبیل تھا اور اس میں سے دو نہریں نکلتی تھیں، ایک کوثر اور دوسری نہر رحمت، اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا اور وہ چھٹے آسمان میں ہے اور زمین سے جو اعمال صعود کرتے ہیں وہ اس تک پہنچتے ہیں اور وہاں سے اوپر اٹھا لئے جاتے ہیں اور جو احکام اوپر سے آتے ہیں وہ (اول) اسی پر نزول کرتے ہیں اور وہاں سے نیچے (عالم دنیا میں) لائے جاتے ہیں (اور اسی واسطے اس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے)۔

اور بخاری میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کو ایسی رنگتوں نے چھالیا ہے کہ معلوم نہیں وہ کیا تھیں؟ اور مسلم میں ہے کہ وہ پروانے تھے سونے کے اور ایک حدیث میں ہے کہ ٹڈیاں تھیں سونے کی اور ایک حدیث میں ہے کہ اس کو فرشتوں نے چھالیا اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جب خدا کے حکم سے اس کو ایک عجیب چیز نے چھالیا تو اس کی ہیئت بدل گئی، سو کوئی شخص خلائق میں سے اس کا وصف بیان نہیں کرسکتا۔ اور ایک روایت میں سدرۃ المنتہیٰ کے دیکھنے اور برتنوں کے پیش کئے جانے کے درمیان میں یہ ہے کہ پھر میرے روبرو بیت المعمور بلند کیا گیا۔ (کذا رواہ مسلم) اور ایک روایت میں بعد سدرۃ المنتہیٰ دیکھنے کے یہ ہے کہ پھر میں جنت میں داخل کیا گیا تو اس میں موتیوں کے گنبد ہیں اور مٹی اس کی مشک ہے۔ (کذا فی المشکاۃ عن الشیخین)

فائدہ: ظاہراً احادیث سے سدرۃ المنتہیٰ کا ساتویں آسمان پر ہونا معلوم ہوتا ہے اور چھٹے میں ہونے کی یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ اس کی جڑ ممکن ہے چھٹے میں ہو اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ چار نہریں چھٹے میں ہوں، جیسا کہ روایات میں ہے کہ یہ نہریں اس کی جڑ سے نکلتی ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب چھٹے آسمان سے گزر کر ساتویں کے اندر کو نفوذ کرتا ہوا آگے پہنچا تو یہ موقع نفوذ کا اس کے لئے بمنزلہ جڑ کے ہے جو ساتویں میں ہے تو وہ نہریں اس دوسری جڑ سے نکلیں، اور یہ جو اندر کو جاری تھیں یہ کوثر اور نہر رحمت معلوم ہوتی ہیں کہ وہ دونوں سلسبیل کی شاخیں ہیں، ممکن ہے کہ یہ سلسبیل

اور اس کا وہ موقع جہاں سے کوثر ونہر رحمت کا اس سے انشعاب ہوا ہے یہ سب سدرہ کی دوسری جڑ میں ہوں۔ اور ابن ابی حاتم کی روایت بالا سے ظاہراً کوثر کا خارج جنت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ سو غالباً خارج وہ حصہ ہے جو سدرہ کی جڑ میں ہے، باقی زیادہ حصہ اس کا جنت کے اندر ہے جیسا اور حدیثوں میں اس کا جنت کے اندر ہونا وارد ہے۔

اور نیل وفرات کا آسمان پر ہونا اس طرح ممکن ہے کہ دنیا میں جو نیل وفرات ہیں ظاہر ہے کہ بارش کا پانی جذب ہو کر پتھر سے جاری ہوتا ہے اور بارش آسمان سے ہے، سو جو حصہ بارش کا نیل وفرات کا مادہ ہے ممکن ہے کہ وہ حصہ آسمان سے آتا ہو، پس اس طور پر نیل وفرات کی اصل آسمان پر ہوئی اور سدرۃ المنتہٰی کے الوان کی نسبت فراش و جراد کہنا تشبیہاً ہے، ورنہ وہ فرشتے تھے اور یہ فرمانا کہ معلوم نہیں کہ وہ کیا تھے؟

اس کے معنی یا تو یہی ہیں کہ اولاً معلوم نہ ہوا ہو، یا یہ فرمانا تعجباً ہے کہ اس کے حسن کی تعبیر کا طریقہ نہیں معلوم کس طرح بیان کیا جاوے! اور مسلم کی روایت سے جو کہ بیت المعمور کے متعلق ہے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ وہ سدرۃ المنتہٰی سے بھی اوپر ہے جیسا اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے ہے "بلند کیا گیا" جو ترجمہ ہے: **ثم رفع البیت المعمور** "کا اور یہ رفع مؤخر ہے سدرۃ المنتہٰی کے دیکھنے سے، جیسے کلمہ ثم سے معلوم ہوتا ہے۔ اور خود سدرۃ المنتہٰی کا مقام ابراہیم علیہ السلام سے بالاتر ہونا بھی معلوم ہوتا ہے، جیسا اس لفظ کا مدلول ہے کہ پھر مجھ کو سدرۃ المنتہٰی کی طرف بلند کیا گیا جو ترجمہ ہے: **ثم رفعت الی سدرۃ المنتھی** کا اور یہ مؤخر ہے ابراہیم علیہ السلام کے ملنے سے جیسا کلمہ ثم سے معلوم ہوتا ہے، پھر اس کے کیا معنی کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی کمر بیت المعمور سے لگائے ہوئے تھے؟ جیسا واقعہ ہفدہم میں ہے، سو اس کی توجیہ قریب یہ ہے کہ بنیاد اس کی ساتویں آسمان پر ہو اور ابراہیم علیہ السلام اسفل دیوار سے کمر لگائے ہوئے ہوں مگر ارتفاع اس کا رفیع سے بھی رفیع ہو کہ سدرۃ المنتہٰی سے جو کہ ساتویں آسمان سے بلند ہے تیز بلند تر ہے۔

اور واقعہ ہفدہم میں جو آپ کا نماز پڑھنا ہم راہی ابراہیم علیہ السلام کے پاس والوں کے مذکور ہے اس میں بھی اشکال نہیں، کیوں کہ نماز نیچے کے درجہ میں ہوگی، جیسا کہ اکثر مساجد میں ایسا ہی ہوتا ہے، اور طبری نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیت المعمور ایک مسجد ہے، آسمان میں مقابل خانہ کعبہ کے، اس طرح پر کہ اگر بالفرض وہ گرے تو عین کعبہ کے اوپر گرے۔ اس میں ستر ہزار فرشتے روزانہ داخل ہوتے ہیں اور جب وہ نکل آتے ہیں تو ان کی باری دوبارہ نہیں آتی۔ اور جنت میں داخل ہونا جو اوپر مذکور ہوا ہے ممکن ہے بیت المعمور دیکھنے سے پہلے ہو اور ممکن ہے کہ بعد میں ہو لیکن اتنا قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہے اور اس میں دونوں احتمال ہیں کہ جنت کا ارتفاع بیت المعمور سے ارفع ہو یا نہ ہو۔ اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا جنت قریب سدرۃ المنتہیٰ کے ہے مگر اس سے ارفع بھی ہے چناں چہ بیہقی نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بعد سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کے یہ روایت کی ہے کہ **ثم رفعت الی الجنۃ** یعنی پھر مجھ کو جنت کی طرف بلند کیا گیا۔ واللہ اعلم۔ اور بیہقی کی حدیث مذکور میں یہ بھی ہے کہ بعد سیر جنت کے پھر دوزخ میرے روبرو کیا گیا، اس میں اللہ کا غضب اور عذاب اور انتقام تھا، اگر اس میں پتھر اور لوہا بھی ڈال دیا جاوے تو اس کو بھی کھالے، پھر وہ بند کر دیا گیا۔ اھ اس کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ اپنی جگہ پر رہا اور آپ اپنی جگہ رہے، درمیان سے حجاب اٹھا کر آپ کو دکھلا دیا گیا۔

واقعہ نوزدہم: بخاری میں بعد ذکر بیت المعمور اور دودھ وغیرہ کے برتنوں کے پیش کیے جانے کے روایت ہے کہ پھر مجھ پر پچاس نمازیں ہر یوم میں فرض کی گئیں۔ اور ایک روایت میں بعد لقائے ابراہیم علیہ السلام کے ہے کہ پھر مجھ کو عروج کرایا گیا، یہاں تک کہ میں ایک ہموار میدان میں پہنچا جہاں میں نے قلموں کی آواز (جو لکھنے کے وقت پیدا ہوتی ہے) سنی، سو مجھ پر اللہ تعالیٰ نے پچاس

نمازیں فرض کیں۔ (کذا فی المشکاۃ عن الشیخین)

فائدہ: پہلی روایت سے فرضیت صلوٰۃ کا سیر بیت المعمور سے متراخی بمہلت ہونا جیسا لفظ ''پھر'' کا مقتضا ہے جو مدلول ہے کلمہ ثم کا اور دوسری روایت سے فرضیت صلوٰۃ کا اس میدان میں پہنچنے سے متصل یعنی غیر متراخی بمہلت ہونا جیسا لفظ ''سو'' کا مقتضا ہے جو ترجمہ ہے ''فا'' کا ثابت ہوتا ہے جس سے دونوں میں غور کرنے سے یہ ترتیب سمجھ میں آتی ہے کہ بعد عرض بیت المعمور کے اس میدان میں پہنچنا ہوا اور اس میدان میں پہنچنے کے بعد نمازیں فرض ہوگئیں۔ واللہ اعلم

نیز ایک اور قرینہ سے بھی اس محل صریف اقلام کا سدرہ اور بیت المعمور سے ارفع ہونا معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ یہ اقلام تقدیر کے ہیں جو احکام تکوینیہ جزئیہ یومیہ کو لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں۔ اور سدرہ کی نسبت واقعہ ہشدہم میں آیا ہے کہ اوپر سے جو احکام نازل ہوتے ہیں وہ اول وہاں آتے ہیں تو سدرہ اس کے تحت میں ہوا، اسی طرح بیت المعمور کی اصل ساتویں آسمان میں ہے اور وہاں فرشتے عبادت میں مشغول ہیں اور سماوات اس عموم میں داخل ہیں، یتنزل الأمر بینھن تو بیت المعمور بھی اس کے تحت میں ہوا۔

واقعہ بستم: بزار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے معراج کے باب میں ایک حدیث ذکر کی ہے اور اس میں جبریل علیہ السلام کا براق پر چلنا ذکر کیا ہے، یہاں تک کہ حجاب تک پہنچے اور یہ بھی فرمایا کہ ایک فرشتہ حجاب کے اندر سے نکلا تو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ قسم اس ذات کی! جس نے آپ کو دین حق دے کر مبعوث فرمایا کہ جب سے میں پیدا ہوا ہوں میں نے اس فرشتہ کو نہیں دیکھا اور حالانکہ میں خلائق میں رتبے کے اعتبار سے بہت مقرب ہوں اور دوسری حدیث میں ہے کہ مجھ سے جبریل علیہ السلام نے مفارقت اختیار کی اور تمام آوازیں مجھ سے منقطع ہوگئیں۔ (کذا فی شرح النووی لمسلم)

اور ابوالحسن بن غالب نے ابوالربیع بن سبع کی طرف ''شفاء الصدور'' میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

میرے پاس جبریل آئے اور میرے رب کی طرف چلنے میں میرے ہم سفر رہے، یہاں تک کہ ایک مقام تک پہنچے، پھر ٹھہر گئے۔ میں نے کہا، اے جبریل! کیا ایسے مقام میں کوئی دوست اپنے دوست کو چھوڑتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اگر میں اس مقام سے بڑھوں تو نور سے جل جاؤں۔ اھ، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے:

بدو گفت سالار بیت الحرام کے اے حامل وحی برتر خرام
چوں در دوستی مخلصم یافتی عنانم زصحبت چرا تافتی
بگفتا فراتر مجالم نماند بماندم کہ یزدی بالم نماند
اگر یک سرموے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

اور اسی حدیث مذکور میں یہ بھی ہے کہ پھر مجھ کو نور میں پیوست کر دیا گیا اور ستر ہزار حجاب مجھ کو طے کرائے گئے ان میں ایک حجاب دوسرے حجاب کے مشابہ نہ تھا اور مجھ سے تمام انسانوں اور فرشتوں کی آہٹ منقطع ہوگئی، اس وقت مجھ کو وحشت ہوئی تو اس وقت مجھ کو ایک پکارنے والے نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لہجہ میں پکارا کہ ٹھہر جایئے! آپ کا رب صلوٰۃ میں مشغول ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ میں نے عرض کیا کہ مجھ کو ان دو امر سے تعجب ہوا: ایک تو یہ کہ کیا ابوبکر مجھ سے آگے بڑھ آئے۔

دوسرے یہ کہ میرا رب صلوٰۃ سے بے نیاز ہے، ارشاد ہوا کہ اے محمد! یہ آیت پڑھو (ھوالذی یصلی علیکم وملئکتہ لیخرجکم من الظلمت الی النور، وکان بالمؤمنین رحیما) (احزاب:۴۳) سو میری صلوٰۃ سے مراد رحمت ہے، آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے اور ابوبکر کی آواز کا قصہ یہ ہے کہ ہم نے فرشتہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صورت کا پیدا کیا جو آپ کو ان کے لہجہ میں پکارے تا کہ آپ کی وحشت دور ہو اور آپ کو ایسی ہیبت لاحق نہ ہو جو آپ کو فہم مقصود سے مانع ہو۔

اور ''شفاء الصدور'' کی ایک روایت میں ہے کہ بعد قطع حجابات کے ایک رفرف یعنی مسند سبز میرے لئے اتاری گئی اور میں اس پر رکھا گیا۔ پھر مجھ کو اوپر اٹھایا گیا،

یہاں تک کہ میں عرش تک پہنچا تو میں نے ایسا امر عظیم دیکھا کہ زبان اس کو بیان نہیں کر سکتی۔ ''مواہب'' میں ابن غالب کے حوالہ سے ان روایات کو ''شفاء الصدور'' سے نقل کر کے کہا ہے: والعهدة عليه في ذلك اھ۔

فائدہ: بزار کی روایت سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ عروج سماوات بھی براق ہی پر ہوا ہے، والله أعلم۔ اور رحمت الٰہیہ کی توجہ کے لئے جو آپ کو حکم ہوا ٹھہرنے کا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کا آگے بڑھنا نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ کو شغل مانع ہو جاوے گا توجہِ رحمت سے، جس طرح مخلوق کے لئے ایک شغل دوسرے شغل سے مانع ہو جاتا ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ چوں کہ اللہ تعالیٰ اس وقت خاص رحمت فرما رہے ہیں، آپ سیر کو منقطع کیجئے اور اس میں مشغول ہو جائیے، کیونکہ شغل سیر مانع ہوگا یک سوئی تام سے اس رحمت کے اخذ کرنے میں۔ والله أعلم.

زائد عبارت

اور ''شفاء الصدور'' کی روایت مذکور میں یہ بھی منقول ہے۔

فاورثني علم الأولين والآخرين، وعلمني علوماشتى، فعلم أخذ علي كتمانه، أوعلم أنه لا يقدر على حمله أحد غيري، وعلم خيرني فيه، وعلمني القرآن فقال: جبريل عليه السلام يذكرني به، وعلم أمرني بتبليغه الى العالم والخاص من أمتي.

سو شاید اس سے کسی کو بعض صوفیہ کے اس قول کی صحت کا شبہ پڑے کہ وہ کہتے ہیں کہ معراج میں بعض علوم مکتومہ آپ کو وہ ملے تھے کہ خاص صوفیوں ہی کو پہنچے ہیں، سو سمجھ لینا چاہیے کہ اول تو اس روایت ہی میں کلام ہے جیسا کہ والعهدة عليه سے معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے جب اس کے کتمان کا عہد لیا گیا ہے تو صوفیوں ہی کو کیسے بتلا دیا؟ تیسرے اگر علم خيرني فيه میں اس کو داخل کیا جاوے تو دو امر محتاج ثبوت ہوں گے: اول یہ کہ آپ نے صوفیوں کو کوئی الگ علم بتایا ہے۔

دوسرے یہ کہ وہ وہی ہے، سو دونوں امروں کا کہیں پتا نہیں۔ چوتھے **بعد اللتیا واللتی** اس سے جوان صوفیوں کا مقصود ہے کہ بعض امور شریعت کے خلاف بھی ثابت ہیں، مثلاً: شرع میں ایک چیز حرام ہے اور حقیقت وطریقت میں وہ حلال ہے اور ایسے علوم آپ سے سینہ بسینہ چلے آئے ہیں، اس سے سینہ بسینہ چلے آئے ہیں اس کو اس روایت سے کیا علاقہ؟ اور بوجہ خلاف نصوص قطعیہ ہونے کے اس کا اعتقاد بد دینی بھی ہے۔ اگر ایسے علوم کا بتانا مان بھی لیا جاوے تو وہ بالیقین منافی شریعت نہیں، البتہ شریعت میں مسکوت عنہ ہو سکتے ہیں، مگر وہ ایسے علوم نہیں جو موقوف علیہ رضائے حق کے ہوں۔ کیونکہ ایسے علوم دین ہیں اور دین کی تکمیل اور اس کی تبلیغ کا وقوع نصوص قطعیہ سے ثابت ہے، اس کا کوئی جز و مخفی نہیں۔ اگر اس کی تعیین ہی مطلوب ہو تو قطعاً تو مشکل ہے، مگر ظناً یا احتمالاً اس کا مصداق علوم فتن ہو سکتے ہیں کہ بعض کو اس پر مطلع کیا گیا بعض کو نہیں، جو شان ہے مخیر فیہ ہونے کی۔ پانچویں جو کچھ بھی ہو سکے سینہ بسینہ ہونے کا دعویٰ محض غلط ہے۔ حقیقت اس چیز کی جو سینہ بسینہ آتی ہے نسبت باطنیہ ہے، جو برکت صحبت حسیہ یا معنویہ ایک دوسرے میں مورث ومنتقل ہوتی آتی ہے چونکہ بہت لوگ اس غلطی میں مبتلا تھے، اس لئے اس پر متنبہ کیا گیا۔

واقعہ بست وکیم .... حق تعالیٰ کی رؤیت اور کلام

ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ اور عبدالرزاق نے بواسطہ معمر کے حسن سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حلف کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ اور ابن خزیمہ نے عروہ بن الزبیر رحمۃ اللہ علیہ سے اس رؤیت کو ثابت کیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تمام اصحاب اس کے قائل ہیں اور کعب احبار اور زہری اور معمر سب اس کا جزم کرتے ہیں۔ اور نسائی نے باسناد صحیح طریق عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

روایت کیا ہے اور حاکم نے بھی اس کی تصحیح کی ہے، انہوں نے فرمایا: کہ تم تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ہو اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے اور رویت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔

اور طبرانی نے ''اوسط'' میں بسند ثقات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے: ایک مرتبہ بصر سے اور ایک مرتبہ قلب سے۔ اور خلال نے ''کتاب السنۃ'' میں مروزی سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام احمد سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص زعم کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا افترا کیا، سو کون سی دلیل سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کا جواب دیا جاوے؟ انہوں نے فرمایا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے رأیت ربی یعنی میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ (تو امام احمد کی روایت سے یہ حدیث مرفوع بھی ثابت ہو گئی) اور کلام کرنا صحاح میں ان امور کے ساتھ وارد ہے۔ پانچ نمازیں فرض کی گئیں اور خواتیم سورہ بقرہ عنایت ہوئیں۔ اور جو شخص آپ کی امت میں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراوے اس کے گناہ معاف کئے گئے۔ (کذا رواہ مسلم)

اور یہ بھی وعدہ ہوا کہ جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اس کو کرنے نہ پاوے تو ایک نیکی لکھی جاوے گی۔ اور اگر اس کو کر لیا تو کم از کم دس حصے کر کے لکھی جاوے گی اور جو شخص بدی کا ارادہ کرے پھر اس کو نہ کرے تو وہ بالکل نہ لکھی جاوے گی اور اگر اس کو کر لے تو ایک ہی بدی لکھی جاوے گی۔ (کذا رواہ مسلم)

اور بیہقی نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے، اس کا اختصار یہ ہے کہ آپ نے جناب باری تعالیٰ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت اور ملک عظیم اور موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلامی اور داؤد علیہ السلام کا ملک عظیم اور لوہے کا نرم ہونا اور پہاڑوں کا مسخر ہونا اور سلیمان علیہ السلام کا ملک عظیم اور انس و جن

وشیاطین وہوا کا مسخر ہونا اور بے نظیر ملک دینا اور عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل وتورات اور ابرائے اکمہ وابرص واحیائے موتی کا عطا ہونا اور ان کا اور ان کی والدہ کا شیطان سے پناہ دینا عرض کیا۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تم کو حبیب بنایا اور سب لوگوں کی طرف مبعوث کیا اور شرح صدر ووضع وزر ورفع ذکر مرحمت فرمایا، سو میرا جب ذکر ہوتا ہے تمہارا بھی ہوتا ہے۔ اور تمہاری امت کو خیر امت اور امت عادلہ بنایا اور اول بھی اور آخر بھی بنایا۔ اور ان کا کوئی خطبہ درست نہیں جب تک کہ وہ آپ کے عبد اور رسول ہونے کی شہادت نہ دیں اور تمہاری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے جن کے سینے میں ان کی کتاب رکھی۔ اور تم کو پیدائش (عالم نور) میں سب سے اول اور بعث میں سب سے آخر اور قیامت کے روز فیصلے میں سب سے مقدم بنایا۔

اور میں نے تم کو سبع مثانی اور خواتیم سورۂ بقرۃ بلاشرکت دوسرے انبیاء کے، اور کوثر اور اسلام اور ہجرت اور جہاد اور نماز اور صدقہ اور صوم رمضان اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر عطا فرمائے۔ اور تم کو فاتح اور خاتم بنایا۔ اس کے اسناد میں ابو جعفر ہیں، جن کو ابن کثیر نے ضعیف الحفظ کہا ہے۔

فائدہ: بعض صحابہ کا نفی رؤیت کی کرنا اپنی رائے ﴿(کذا قال النووی، وما أورد علیه فی "فتح الباری" بقول عائشة رضی الله عنها فی قول الله تعالی: (ولقد راه نزلة اخری) انها سالت رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ذلک، فقال: انما هو جبریل، وفی روایة ابن مردویه: فقلت، یا رسول الله، هل رأیت ربک؟ فقال: "لا انما رأیت جبریل منهبطا"، حیث حکت النفی عنه صلی الله علیه وسلم وقال: هو (أی جزم النووی بان عائشة لم تنف بالرؤیة بحدیث مرفوع) عجیب، فاقول: هذا الایراد عجیب، لان النفی فی هذا الحدیث المرفوع انما یتعلق الرؤیة الخاصة المذکورة فی هذاه الآیة، لامطلق الرؤیة، والکلام فی مطلقها، فافهم.﴾

حاصل اس عبارت عربیہ کا یہ ہے کہ اگر کسی کو شبہ ہو کہ بعض روایات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ میں نے پوچھا: یارسول اللہ! هل رايت ربك؟ فقال: لا، انما رايت جبريل منهبطا' پس نفی رؤیت کی نص سے ہوئی، رائے سے نہ ہوئی، جواب یہ ہے کہ یہاں مطلق رؤیت سے سوال نہ تھا بلکہ آیت ولقدراٰہ نزلة اخرىٰ کی تفسیر کا پوچھنا تھا کہ مراد اس سے رؤیت الٰہیہ ہے، اس کے جواب میں یہ ارشاد ہوا ہے چناں چہ اسی حدیث میں یہ مصرح ہے جس کو مسلم نے اور حسب نقل فتح الباری ابن مردویہ نے روایت کیا ہے، هل رايت ربك؟ اسی روایت ابن مردویہ میں آیا ہے۔ فتح الباری کی عبارت حاشیہ مسلم مطبوعہ مجتبائی میں نقل کی ہے)۔ سے ہے جو مستنبط ہے بعض عمومات سے جیسے (لاتدركه الابصار) لیکن یہ اثبات بالنصوص کے ان عمومات کو محمول کیا جاوے گا نفی ادراک بمعنی معرفت کنہ واحاطہ پر۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ "نور أنى أراه" محمول اس پر ہے کہ نور جس درجہ میں مانع رؤیت ہوتا ہے وہ درجہ مرئی نہیں ہوا اور آخرت میں یہ عادت مبدل ہو جاوے گی اور ایسا انکشاف ہوگا کہ اس سے فوق استعداد بشری کے لئے متصور نہیں اور مطلق رؤیت کی نفی کو مستلزم نہیں اور خواتیم سورۂ بقرہ وغیرہ کا نزول مدینہ میں ہونا اس روایت کے منافی نہیں کہ اس وقت اجمالاً وعدہ ہوا ہوگا، پھر مدینہ میں نزول تفصیلاً عطا ہو گیا اور پانچ نمازوں کے ملنے سے مراد یہ ہے کہ آخر میں پانچ رہ گئیں اور ظاہراً یہ سب کلام مقام رؤیت میں ہوئے ہیں، قرینہ اس کا یہ ہے کہ واقعہ نوز دہم میں مقام صریف الاقلام کے بعد نمازوں کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور مقام صریف الاقلام کے بعد ظاہراً یہی مقام کلام معلوم ہوتا ہے، گو ممکن ہے کہ نماز کی فرضیت قبل از انتقال مقام صریف اقلام کے ہوئی ہو اور خود یہ امور جن کے ساتھ کلام واقع ہوا ظاہراً متحد الوقت ہیں، جب فرضیت صلوٰۃ کا یہ وقت ہے تو سب مکالمات کا یہی ہوگا۔ واللہ اعلم

اور یہ جو حدیثوں میں کعب کا قول ہے۔

ان للہ قسم رؤیتہ و کلامہ بین محمد و موسیٰ (کذا رواہ الترمذی)

اس سے نفی کلام کی لازم نہیں آتی، کیونکہ مراد اس سے عادت کلام کی ہے جو مرۃ بعد اخری ہو، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کلام خاص ایک بار ہی واقع ہوا چناں چہ اسی حدیث میں کعب رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

فکلم موسی مرتین، ورآہ محمد مرتین اور یہ رؤیت مرتین جو فرمایا تو ظاہر یہی ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک بار دل سے دیکھا، ایک بار بصر سے۔ اور یہ حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نسبت آیا ہے کہ ان کے قبل کسی سے مشافہتاً کلام نہیں ہوا، مراد اس سے یہ ہے کہ ایسے درجے کے آدمیوں میں، پس اس سے مکالمت نبویہ کی نفی نہیں ہوئی اور یہ جو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''خلت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اور رؤیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مراد اس سے بعض آثار خاصہ خلت کے ہیں تو ان کے اختصاص با ابراہیم علیہ السلام سے انتفاء نفس خلت کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لازم نہیں آتا۔ اور یہ جو ارشاد ہوا کہ ''نیکی کا ارادہ لکھا جاتا ہے اور بدی کا نہیں لکھا جاتا'' مراد اس سے مرتبہ عزم کا نہیں، وہ تو خود ایک عمل ہے کہ بدی میں بھی لکھا جاوے گا بلکہ مراد اس سے مرتبہ تمنّی ہے، جب کہ ارادہ پختہ نہ ہوا ہو، لیکن نیکی کی تمنّی کو زائل کرنے کا قصد نہ ہوا اور بدی کی تمنّی کے ازالے کا قصد ہو تو اس حالت میں نیکی لکھی جاوے گی اور بدی نہ لکھی جاوے گی۔

واقعہ بست و دوم، واپسی فوق سماوات سے سماوات کی طرف: ''بخاری'' میں بعد سیر بیت المعمور اور پیش ہونے ظروف خمر و لبن و عسل کے (جس کا ذکر واقعہ ہشد ہم میں ہوا ہے) یہ ہے کہ پھر مجھ پر ہر رات دن میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں، پھر میں واپس ہوا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں واپس ہوا اور موسیٰ علیہ السلام پر گزرا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کو کیا حکم ہوا؟ میں نے کہا کہ پچاس نمازوں کا رات دن میں حکم ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ کی امت سے پچاس نمازیں ہرگز رات دن میں نہ پڑھی

جاویں گی۔ واللہ! میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل کو خوب بھگت چکا ہوں، اپنے رب کے پاس (یعنی اس مقام کو جہاں یہ حکم ہوا تھا) واپس جایئے اور اپنی امت کے لئے تخفیف کی درخواست کیجئے۔ میں واپس گیا، سو اللہ تعالیٰ نے سو دس نمازیں کم کر دیں، میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، انہوں نے پھر اسی طرح کہا، میں پھر لوٹا سو دس اور کم کر دیں، میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، انہوں نے پھر اسی طرح کہا میں پھر لوٹا سو دی اور کم کر دیں۔

میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا انہوں نے پھر اسی طرح کہا میں پھر لوٹا تو مجھ کو ہر روز میں دس نمازوں کا حکم ہوا۔ میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا انہوں نے پھر اسی طرح کہا، میں پھر لوٹا، سو ہر روز پانچ نمازوں کا حکم رہ گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ کی امت (یعنی سب اُمت) ہر دن میں پانچ نمازیں بھی نہ پڑھ سکے گی اور میں آپ کے قبل لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل کو بھگت چکا ہوں، پھر اپنے رب کے پاس جایئے اور اپنے لئے اور تخفیف مانگئے۔ آپ نے فرمایا! میں نے اپنے رب سے بہت درخواست کی، یہاں تک کہ میں شرما گیا (گو پھر بھی عرض کرنا ممکن تھا) لیکن اب راضی ہوتا ہوں اور تسلیم کرتا ہوں۔

آپ فرماتے ہیں جب وہاں سے آگے بڑھا، ایک پکارنے والے نے (حق تعالیٰ کی جانب سے پکارا) میں نے اپنا فرض جاری کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔ اور مسلم کی روایت میں ہے کہ پانچ پانچ کا کم ہونا آیا ہے اور اس کے اخیر میں یہ ہے کہ اے محمد! یہ پانچ نمازیں ہیں دن اور رات میں اور ہر نماز دس کے برابر ہے تو پچاس ہی ہوں گی۔ اور ''نسائی'' میں ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میں نے جس روز آسمان و زمین پیدا کیا تھا، آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کی تھیں، سو آپ اور آپ کی امت اس کی پابندی کیجئے اور اس حدیث میں موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض ہوئی تھیں مگر ان سے نہ ہو سکیں۔

اور اس کے آخر میں یہ ہے کہ یہ پانچ ہیں برابر پچاس کے، سو آپ اور آپ کی امت اس کی پابندی کریں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں پہچان گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پختہ بات ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ پھر جایئے (اور تخفیف کرایئے) مگر میں پھر نہیں گیا اور شیخین کی روایت میں ہے کہ جب کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں تو ارشاد ہوا کہ یہ پانچ ہیں اور (ثواب میں) پچاس ہیں، میرے یہاں بات نہیں بدلی جاتی (یعنی پچاس کا اجر مقدر تھا اس میں تبدیل اور کمی نہیں ہوئی اور پچاس نمازوں کا بدلنا ہی مقدر تھا، اس لئے اس میں بھی تبدیل نہیں ہوئی۔ (کذا المشکاۃ)

فائدہ: فرضیت صلوٰۃ کے بعد واپس ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ فوراً واپسی ہوئی، یعنی درمیان میں رویت و مکالمت وغیرہ ہو کر پھر واپسی ہوئی اور دس دس کم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ دو دو بار میں یہ دس کی کمی ہوئی، پس پانچ پانچ کی کم ہونے کی روایت سے شیخین کی روایت نقل کی ہے کہ اس سے آپ کے شرما جانے اور پھر درخواست نہ کرنے کی وجہ بھی معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا تھا کہ یہ پانچ ہیں برابر پچاس کے اور میرے یہاں بات نہیں بدلتی، اس سے آپ اشارہ اس عدد کے مطلوب و مرضی حق ہونے کا سمجھے، گو اس میں تصریح نہیں ہے کہ اس سے کمی ممکن نہیں، کیوں کہ اس کے معنی یہ تھے کہ موجودہ عدد جو پانچ کا ہے یہ بھی پچاس کے برابر ہے، ثواب میں کمی نہیں ہوئی، اس میں، اور کم ہونے کی نہ نفی ہے، نہ کم کرانے کی نہی ہے۔ اگر اور بھی کم ہوتی تو ثواب نہ گھٹتا اور وہ عدد پچاس کے برابر ہو جاتا اور پانچ کو جو برابر پچاس کے فرمایا تھا، اس سے یہ لازم نہیں آیا تھا کہ اس سے کم عدد اس فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا بلکہ اس کے معنی صرف یہ تھے کہ یہ عدد اس سے کم فضیلت نہیں رکھتا۔

واقعہ بست وسوم، واپسی سماوات سے زمین کی طرف

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ کو اُم ہانی بنت طالب سے جن کا نام ہند ہے معراج نبوی کے متعلق یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ کہتی تھیں کہ آپ کو جب معراج ہوئی آپ میرے گھر

میں سوتے تھے، آپ نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر سو گئے اور ہم بھی سو گئے، جب فجر کے قبل کا وقت ہوا ہم کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیدار کیا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھ چکے اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی، فرمایا! اے ام ہانی! میں نے تم لوگوں کے ساتھ عشا کی نماز پڑھی جیسا تم نے دیکھا تھا، پھر میں بیت المقدس پہنچا اور اس میں نماز پڑھی، پھر میں نے اب صبح کی نماز تمہارے ساتھ پڑھی جیسا تم دیکھ رہی ہو، پھر آپ باہر جانے کے لئے اٹھے، میں نے آپ کی چادر کا گوشہ پکڑ لیا اور عرض کیا یا نبی اللہ! لوگوں سے یہ قصہ نہ کہیے، آپ کی تکذیب کریں گے اور آپ کو ایذا دیں گے۔ آپ نے فرمایا واللہ! میں ضرور ان سے اس کو بیان کروں گا۔ میں نے اپنی ایک حبشی لونڈی سے کہا کہ آپ کے پیچھے پیچھے جا، تا کہ جو آپ لوگوں سے کہیں اور لوگ آپ سے کہیں اس کو سنے۔

جب آپ باہر تشریف لے گئے، ان کو خبر دی تو انہوں نے تعجب کیا اور کہا، اے محمد! اس کی کوئی نشانی ہے؟ (جس سے ہم کو یقین آوے) کیوں کہ ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سنی، آپ نے فرمایا: نشانی اس کی یہ ہے کہ میں فلاں وادی میں فلاں قبیلہ کے قافلہ پر گزرا تھا اور ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا اور میں نے ان کو بتایا تھا اور اس وقت تو میں شام کو جا رہا تھا (یعنی سفر اسرا کا آغاز تھا) پھر میں واپس آیا، یہاں تک کہ جب ضجنان میں فلاں قبیلہ کے قافلہ پر پہنچا، میں نے لوگوں کو سوتا ہوا پایا اور ان کا ایک برتن تھا جس میں پانی تھا اور اس کو ڈھانک رکھا تھا، میں نے ڈھکنا اتار کر اس میں سے پانی پیا، پھر اسی طرح بدستور ڈھانک دیا اور اس کی یہ بھی نشانی ہے کہ ان کا وہ قافلہ اب بیضا سے ثنیۃ التنعیم کو آ رہا ہے، سب سے آگے ایک خاکستری رنگ کا اونٹ ہے، اس پر دو بورے لدے ہیں، ایک کالا اور دوسرا دھاری دار۔

لوگ ثنیۃ التنعیم کی طرف دوڑے، سو اس اونٹ سے پہلے کوئی اور اونٹ نہیں ملا جیسا آپ نے فرمایا تھا اور ان سے برتن کا قصہ پوچھا، انہوں نے خبر دی کہ ہم نے پانی

بھر کر ڈھانک دیا تھا، سوڈھکا ہوا تو ملا مگر اس میں پانی نہ تھا۔ اور ان دوسروں سے بھی پوچھا (جن کا اونٹ بھاگنا بیان فرمایا تھا) اور یہ لوگ مکہ آچکے تھے، انہوں نے کہا، واقعی صحیح فرمایا، اس وادی میں ہمارا اونٹ بھاگ گیا تھا، ہم نے ایک شخص کی آواز سنی جو اونٹ کی طرف ہم کو پکار رہا ہے، یہاں تک کہ ہم نے اونٹ کو پکڑ لیا۔ (کذا فی سیرۃ ابن ہشام)

اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ سے نشانی کی درخواست کی تو آپ نے ان کو بدھ کے دن قافلے کے آنے کی خبر دی، جب وہ دن آیا تو وہ لوگ نہ آئے، یہاں تک کہ آفتاب غروب کے قریب پہنچ گیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو آفتاب چھپنے سے رک گیا، یہاں تک کہ وہ لوگ جیسا آپ نے بیان فرمایا تھا آگئے۔

فائدہ: ان روایات سے چند اُمور ثابت ہوئے: اوّل عشاء اور فجر کے درمیان درمیان سفر ذھاباً وایاباً ختم ہوگیا اور عشاء کی نماز گو اس وقت فرض نہ تھی، مگر آپ پڑھا کرتے ہوں گے اور دوسرے مومنین بھی آپ کے ساتھ پڑھ لیتے ہوں گے، اور فجر کی یہ نماز گو بعد معراج کے تھی، مگر احادیث سے اول امامت جبریل علیہ السلام کی ظہر کے وقت ثابت ہوتی ہے تو غالباً اس فرضیت کی ابتداء وقت بظہر ہوگی۔ اور بیت المقدس میں جو نماز پڑھی اس کی نسبت بعض روایات میں آیا ہے: حانت الصلاۃ سو عشاء کی نماز مراد لینا مشکل ہے کیوں کہ عشاء آپ پڑھ چکے تھے تو غالباً یہ تہجد کی نماز ہوگی کہ آپ پر وہ ایک زمانہ تک مثل فرائض کے مؤکد رہی اور اذان اسی تہجد کے لئے ہوئی ہوگی، جیسا رمضان المبارک میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اس وقت میں وارد ہے۔

دوسرا امر یہ ثابت ہوا کہ معراج جسمانی تھی، ورنہ لوگوں کی تکذیب کی کیا وجہ؟ اور اس تکذیب میں آپ کے اس جواب نہ دینے کی کیا وجہ کہ وہ جسمانی نہیں ہے بلکہ روحانی ومنامی ہے جس میں مستبعد سے مستبعد امر کا دعویٰ بھی مقبولیت کی گنجائش رکھتا ہے۔ تیسرا امر ''سیرت ابن ہشام'' میں جن قافلوں کا ذکر ہے ظاہراً وہ دونوں الگ الگ ہیں اور بیہقی کی روایت میں جن کا ذکر ہے کہ وہ آئے نہ تھے یہ الگ معلوم ہوتا

ہے، کیوں کہ ان دونوں میں سے ایک تو مکہ آپہنچا تھا اور دوسرا تنعیم کو آتا ہوا ملا، اور اس تیسری کی نسبت شام تک نہ آنا اور حبس شمس ہونا مذکور ہے۔ جس سے ظاہراً اس کا متغائر ہونا معلوم ہوتا ہے اور ''مواہب'' میں بلا سند دونوں قصے یعنی اونٹ کے بھاگنے اور خاکستری اونٹ کے پیشرو ہونے کے ایک ہی قافلہ کی طرف منسوب کیے ہیں تو غالباً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں قافلے ایک ہی قافلہ کے ٹکڑے ہیں۔

یہ دو قصے دو جماعتوں میں ہوئے اور تیسرا قصہ وقت پر نہ آنے کا اور حبس شمس کا تیسری جماعت سے ہوا اور چوں کہ یہ سب ایک ہی مجموع کے آحاد ہیں، اس لئے دو قصوں کو ایک ہی قافلہ کی طرف منسوب کرنا بھی صحیح ہوسکتا ہے اور حبس شمس میں کوئی اشکال عقلی نہیں ہے، اس لئے یہ وجہ انکار کی نہیں ہوسکتی ہے اور عام چرچا اس کا اس لئے نہ ہوا ہو کہ تھوڑی دیر کے لئے ایسا ہوا ہو اور کسی نے التفات نہ کیا ہو اور یہ امر باوجود تلاش کے مجھ کو نہ ملا کہ واپسی آپ کی براق پر ہوئی تھی یا کسی اور طرح، اگر کسی کو پتا لگ جاوے اس مقام پر حاشیہ کا نشان بنا کر اس میں ملحق کردے۔

واقعہ بست و چہارم... معاملہ مخاطبین بعد استماع قصہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شبا شب مسجد اقصیٰ کی طرف لے جایا گیا (اس میں آگے کی نفی نہیں) تو صبح کو لوگوں سے تذکرہ فرمایا: بعضے لوگ جو مسلمان ہوئے تھے مرتد ہوگئے اور بعضے مشرکین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس دوڑے گئے اور کہا کہ اپنے دوست کی بھی کچھ خبر ہے؟ یوں کہتے ہیں کہ مجھ کو رات ہی رات بیت المقدس میں لے جایا گیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا، کیا وہ ایسا کہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا، ہاں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ کہتے ہیں تو ٹھیک کہتے ہیں۔ لوگ کہنے لگے، کیا تم اس امر میں ان کی تصدیق کرتے ہو کہ بیت المقدس گئے اور صبح سے پہلے چلے آئے، (حالاں کہ وہ کس قدر دور ہے) انہوں

نے فرمایا، ہاں! میں تو اس سے زیادہ بعید امر میں ان کی تصدیق کرتا ہوں، یعنی آسمان کی خبر کے بارے میں جو ان کے پاس صبح وشام کو آتی ہے (جو کہ شب سے مقدار میں کم ہے) ان کی تصدیق کر لیتا ہوں۔ اسی لئے ان کا نام صدیق رکھا گیا۔ روایت کیا اس کو حاکم نے ''مستدرک'' میں اور ابن اسحاق۔ نے۔

فائدہ: اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ معراج بیداری میں جسم کے ساتھ ہوئی ورنہ اگر آپ منام کا دعویٰ فرماتے تو وہ ایسا امر مستبعد نہ تھا کہ بعضے لوگ مرتد ہو جاتے۔

واقعہ بست و پنجم ..... مطالبہ حجت از کفار و اقامتش

از سید الابرار علیہ صلوٰۃ اللہ العزیز الغفار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے کو حطیم میں دیکھا کہ قریش مجھ سے میرے سفر معراج کے متعلق پوچھتے تھے، سو انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کئی باتیں پوچھیں کہ جن کو میں نے (بوجہ ضرورت نہ سمجھنے کے) ضبط نہ کیا تھا، سو مجھ کو اس قدر گھٹن ہوئی کہ ایسا کبھی نہ ہوا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کو میرے لئے ظاہر کر دیا کہ میں اس کو دیکھتا تھا اور وہ جو جو مجھ سے پوچھتے تھے میں ان کو بتلا جاتا تھا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔ (کذا فی المشکاۃ)

اور احمد اور بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ مسجد لائی گئی اور میں اس کو دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ عقیل کے گھر کے پاس لا کر رکھی گئی اور آپ نے سب بیان فرمایا اور میں اس کو دیکھ رہا تھا۔ اور ابن سعد نے اُم ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ بیت المقدس میرے لئے متخیل (و متمثل) کیا گیا اور میں ان لوگوں کو اس کے نشان بتلا رہا تھا۔ اور اُم ہانی رضی اللہ عنہا کی اسی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ مسجد کے کتنے دروازے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو (بوجہ غیر ضروری ہونے کے) گنا نہ تھا، آپ فرماتے ہیں کہ بس میں اس

کو دیکھتا جاتا تھا اور ایک ایک دروازہ شمار کرتا جاتا تھا اور ابویعلی کی روایت میں ہے کہ یہ پوچھنے والا مطعم بن عدی والد جبیر بن مطعم کا تھا۔

فائدہ: اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر بیداری میں مع الجسم ہوا ہے، ورنہ یہ اعتراض متوجہ ہی نہ ہوتا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ سے بیت المقدس کے متعلق سوال کیا کہ آپ بیان فرمایئے، کیوں کہ میں نے اس کو دیکھا ہے آپ بیان فرماتے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ تصدیق کرتے جاتے تھے آپ نے فرمایا! اے ابوبکر! تم صدیق ہو۔ (کذافی سیرۃ ابن ہشام)

تو اس میں کچھ تعارض نہیں، کیوں کہ آپ کا پوچھنا شک و امتحان کے لئے نہ تھا بلکہ اس لئے تھا کہ کفار سن لیں اور کفار کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اس امر میں اعتماد تھا کہ بیت المقدس کو دیکھے ہوئے ہیں اور یہ بھی اطمینان تھا کہ یہ محسوسات میں خلاف واقع کی تصدیق نہ کریں گے اور کفار کا دریافت کرنا یا تو اسی مجلس میں ہو، پھر بادی خواہ وہ ہوں یا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوں اور دوسرا مؤید سوال کا ہو، گو قصد ہر ایک کا مختلف ہو اور یا دو مجلس ہو اور بیت المقدس کا اپنی جگہ پر رہ کر ظاہر ہونا یا دار عقیل کے پاس آکر رکھا جانا یا اس کی مثال کا منکشف ہونا۔ ان میں جمع کی صورت سہل یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کی مثال منکشف ہوئی اور وہ دار عقیل کے پاس نمایاں ہوئی، جیسا نسائی کی حدیث میں آپ کے سامنے دوزخ جنت کا متمثل ہونا آیا ہے اور غایت تشابہ کی وجہ سے اس کو بیت المقدس کا منکشف ہونا فرمایا گیا۔ اب یہ اشکال بھی نہ رہا کہ اگر بیت المقدس یہاں آتا تو اپنی جگہ سے اتنی دیر غائب رہتا اور ایسا امر عجیب تاریخ میں منقول ہوتا۔

وهذا آخر ما أردت
ایراده في هذا لخبر
ومضى الليل و بدأ السحر
وصلى الله تعالىٰ على هذا ألنبى خير الخلائق
والبشر وعلى آله وأصحابه مصابيح الغرر

اور تین قصے روایات معراج میں اور آئے ہیں: ایک یہ کہ آپ نے ایک قوم کو دیکھا کہ تانبے کے ناخنوں سے اپنا منہ نوچتے ہیں، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ غیبت کرنے والے ہیں اور دوسرا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت آپ کی امت کو سلام فرما کر بھیجا۔ تیسرے یہ کہ ملائکہ نے عرض کیا کہ اپنی امت کو پچھنے لگانے کا معالجہ کے لئے مشورہ دیجئے۔ اس وقت مجھ کو یہ حدیثیں نہیں ملیں، جس کو مل جائیں حاشیہ میں ملحق کر دیں۔.........حاشیۃ الحاشیہ: ان روایات کے الفاظ یہ ہیں۔

حدیث اوّل: أخرج احمد و ابو داود من طريق عبدالرحمن بن جبير عن أنس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لما عرج بى مررت بقوم لهم أظفار من نحاس يخمشون وجوههم و صدورهم، فقلت: من هؤلاء يا جبريل؟ قال: هؤلاء الذين يأكلون لحوم الناس، ويقعون فى أعر اضهم، الدر المنثور فى تفسير القرآن بالماثور، مطبوعه مصر، جلد رابع صفحه ۱۵۰

حدیث ثانی: أخرج الترمذى وحسنه وابن مردويه من طريق عبد الرحمٰن عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لقيت ابراهيم ليلة أسرى بى، فقال: يا محمد، أقرئ أمتك منى السلام، وأخبرهم بأن الجنه طيبة التربة عذبة الماء، وأنها قيعان وأن غراسها: سبحان الله والحمد لله، ولا اله الا الله والله اكبر، ولا حول ولا قوة الا بالله حجة رحمة الله على العالمين فى معجزات سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم: (صفحہ۳۵۵)

حدیث ثالث: عن ابن مسعود، قال: حدث رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ليلة أسرى به: أنه لم يمر على ملأ من الملائكة الا أمروه مر أمتك بالحجامة، رواه الترمذى وابن ماجة، وقال الترمذى: هذا حديث حسن غريب (مشكاة المصابيح كتاب الطب والرقى، صفحه: ۳۸۹ لبعض الأفاضل تنوير السراج فى ليلة المعراج

فوائد متعلّقہ واقعۂ معراج

چوں کہ یہ واقعہ نہایت مہتم بالشان ہے، اس لئے اس کے بعض فوائد متعلقہ کو بھی اس کے بعد متن ہی میں لکھنا مستحسن معلوم ہوا، مگر اختصار کے ساتھ اور یہ فوائد دو قسم کے ہیں: ایک فوائد حکمیہ بضم الحا، جس کا حاصل احکام عملیہ ہیں۔ دوسرے فوائد حکمیہ بکسر الحا، جس کا حاصل تحقیقات علمیہ ہیں۔

قسم اول فوائد حکمیہ بالضم

نمبر۱: احادیث اسرا میں مذکور ہے کہ آپ کا سینۂ مبارک شق کیا گیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد کو مرد کے سینے کی طرف دیکھنا درست ہے اور گو فرشتے ذکورت وانوثت سے منزہ ہیں مگر اطلاقات شرعیہ میں ان کا ذکر بصیغ ذکور آیا ہے، اس لئے یہ استنباط چسپاں ہو گیا۔

نمبر۲: اور اس میں یہ ہے کہ بیت المقدس پہنچ کر براق کو حلقہ سے باندھ دیا گیا، اس سے احتیاط فی الامور ومباشرت اسباب کا منافی توکل نہ ہونا ثابت ہوتا ہے، جب کہ اعتماد حق تعالیٰ پر ہو۔

نمبر۳: اور اس میں یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام سے جب آسمان کے دروازہ پر پوچھا گیا کہ کون ہے؟ تو جبریل علیہ السلام نے جواب میں اپنا نام بتلایا کہ "جبریل" یوں نہیں کہا کہ "میں"، اس سے معلوم ہوا کہ ایسے پوچھنے والے کے جواب میں ادب یہی ہے کہ نام لے، کیوں کہ صرف "میں" کہنا اکثر اوقات معرفت کے لئے کافی نہیں ہوتا، ایک حدیث میں اس پر انکار بھی آیا ہے۔

نمبر۴: اور اسی سے استیذان کا مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ کسی کے گھر میں خواہ مردانہ ہی ہو بلا اذن داخل ہونا نہ چاہیے۔

نمبر۵: اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے کمر لگائے بیٹھے تھے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قبلہ سے کمر لگانا اور قبلہ کی طرف پشت پھیر کر بیٹھنا

جائز ہے، اگرچہ ہمارے لئے ادب یہی ہے کہ بلا ضرورت ایسا نہ کریں۔

نمبر ۶: اور اس میں یہ ہے کہ آدم علیہ السلام داہنی طرف دیکھ کر ہنستے تھے اور بائیں طرف دیکھ کر روتے تھے، اس سے شفقت والد کی اولاد پر ثابت ہوتی ہے، اس کی خوش حالی پر مسرور ہو اور بد حالی پر مغموم ہو۔

نمبر ۷: اور ان میں یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ کہہ کر روئے کہ ان کی امت کے لوگ جنت میں میری امت کے لوگوں سے زیادہ جاویں گے، چوں کہ یہ رونا اپنی امت پر حزن وحسرت اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت تابعین پر غبطہ کے طور پر تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ امر خیر میں غبط محمود ہے اور غبطہ اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ میرے پاس بھی یہ نعمت ہوتی، اور دوسرے کے پاس سے زوال نعمت کی تمنا نہ کرے، ورنہ یہ حسد ہے اور حرام ہے۔ یہ فوائد نووی شارح ''مسلم'' نے لکھے ہیں اور ان کے علاوہ کچھ اور فوائد بھی جو خیال میں آئے، لکھے جاتے ہیں۔

نمبر ۸: ان میں یہ بھی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کی رکاب پکڑی اور میکائیل علیہ السلام نے لگام تھامی، اس سے یہ ثابت ہوا کہ راکب اگر کسی مصلحت سے اپنے خدم سے ایسا کام لے، یا کوئی محب محض اکرام ومحبت سے ایسا کرے تو اس کو گوارا کر لینا جائز ہے، البتہ براہ کبر نہ ہو۔

نمبر ۹: ان میں یہ بھی ہے کہ آپ نے راہ میں بعض مقامات متبرکہ میں نماز پڑھی، اس سے معلوم ہوا کہ مقامات شریفہ میں نماز پڑھنا موجب برکت ہے، بشرطیکہ اس مقام سے کسی مخلوق کی تعظیم مقصود نہ ہو، خوب سمجھ لو! نازک بات ہے۔

نمبر ۱۰: اور ان میں یہ بھی ہے کہ راہ میں آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام وموسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا، جیسا کہ واقعہ ششم میں مذکور ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر راکب اور عابر کسی جالس وراجل کو نہ دیکھنے کی وجہ سے سلام نہ کر سکے تو اس کے لئے افضل ہے کہ راکب وعابر کو سلام کرے۔

نمبر ۱۱: اور ان میں یہ بھی ہے کہ آپ نے بعض اعمال پر لوگوں کو جزا ملتے ہوئے اور بعض کو سزا ملتے ہوئے دیکھا، اس سے ان اعمال خیر وشر کا قابل ارتکاب یا اجتناب ہونا ثابت ہوا، جیسا کہ ظاہر ہے۔

نمبر ۱۲: ان میں یہ بھی ہے کہ آپ نے بیت المقدس میں داخل ہوکر نماز پڑھی، اس سے تحیۃ المسجد کا مسنون ہونا ثابت ہوا۔

نمبر ۱۳: ان میں یہ بھی ہے کہ بیت المقدس میں آپ امام بنائے گئے، اس سے ثابت ہوا کہ امامت **افضل القوم** کی افضل ہے۔

نمبر ۱۴: اور ان میں یہ بھی ہے کہ تمام انبیا علیہم السلام نے بیت المقدس میں اپنے فضائل کا خطبہ پڑھا، اس سے ثابت ہوا کہ اگر حق تعالیٰ کی نعمتوں کا بطور شکر وتحدّث بالنعمۃ کے ظاہر کرے تو محمود ہے۔

نمبر ۱۵: اور ان میں یہ بھی ہے کہ آپ کو پیاس لگی تو کئی قسم کے مشروبات آپ کے سامنے حاضر کئے گئے، اس سے ثابت ہوا کہ توسع بآکل ومشارب میں خصوص ضیف کے لئے جائز ہے۔

نمبر ۱۶: اور اگر اس پیشی کی غرض پر نظر کی جائے کہ امتحان تھا، تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دین میں امتحان لینا جائز ہے۔

نمبر ۱۷: اور ان میں یہ بھی ہے کہ فرشتے آپ کو دونوں طرف گھیرے ہوئے تھے جیسا واقعہ دہم میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر اکرام کے لئے خادم دونوں طرف گھیرے ہوں تو مذموم نہیں۔

نمبر ۱۸: اور ان میں یہ بھی ہے کہ آپ جب آسمانوں پر پہنچے تو فرشتوں نے اور انبیا علیہم السلام نے آپ کو مرحبا کہا، اس سے معلوم ہوا کہ ضیف کا اکرام اور اظہار فرحت اس کے آنے پر مطلوب ہے۔

نمبر ۱۹: اور ان میں یہ بھی ہے کہ آپ نے آسمانوں میں خود انبیا علیہم السلام کو سلام کیا، اس سے معلوم ہوا کہ آنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے، اگرچہ آنے والا افضل ہو۔

نمبر۲۰: اور ان میں یہ بھی ہے کہ آپ نے دوسرے انبیا علیہم السلام کے فضائل ذکر کر کے اپنے لئے دعا فرمائی، اس سے مقام قرب میں پہنچ کر بھی دعا کی فضیلت معلوم ہوئی۔

نمبر۲۱: ان میں یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو مشورہ دیا کہ تخفیف عدد صلوٰۃ کی درخواست کیجئے، اس سے معلوم ہوا کہ نیک مشورہ دینا اور خیر خواہی کرنا امر مطلوب ہے، گو جس کو مشورہ دیا جاوے وہ اپنے سے رتبے میں بڑا ہی ہو۔

نمبر۲۲: ان میں یہ بھی ہے کہ آپ نے تخفیف صلوٰۃ کی درخواست کی، اس سے معلوم ہوا کہ مفید مشورہ کو قبول کر لینا محمود ہے۔..... نمبر۲۳: ان میں یہ بھی ہے کہ حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کیا کہ اس قصہ کو لوگوں سے نہ فرمائیے جیسا کہ واقعہ ۲۳ میں مذکور ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس بات کے اظہار سے فتنہ ہوتا ہو اس کو ظاہر نہ کیا جاوے، کیوں کہ مبنیٰ ان کے مشورے کا یہی اصل ہے۔

نمبر۲۴: پھر آپ کے جواب سے معلوم ہوا کہ اس اصل میں تفصیل ہے، یعنی جو امر دین میں ضروری نہ ہو اس کو ظاہر نہ کیا جاوے اور ضروری میں فتنہ کی کچھ پروانہ کی جاوے۔

نمبر۲۵: ان میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس کے حالات پوچھے، جس سے غرض یہ تھی کہ میری تصدیق کرنے سے کفار وثوق کریں گے جیسا کہ واقعہ ۲۵ میں مذکور ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ مکالمت اہل حق واہل باطل کے وقت تائید حق کے لئے گفتگو میں ظاہراً مخالف کا طرف دار بن جانا بھی جائز ہے۔ یہ کل پچیس ہوئے مطابق عدد واقعات کے۔ واللہ اَعلم

قسم ثانی فوائد حکمیہ بالکسر

اور یہ بھی پچیس ہیں: پندرہ تنبیہ کے عنوان سے، پانچ تحقیق کے عنوان سے اور پانچ دفع اشکال کے عنوان سے، چناں چہ آتا ہے اور یہ قسم ثانی بصورت تفسیر آیات اسرا لکھی جاتی ہے، جس کو اپنی تفسیر ''بیان القرآن'' سے نقل کر دیا ہے۔ وھوھذا:

تفسیر آیۃ الاسراء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ھُوَالسَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ

وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو شب کے وقت مسجد حرام (یعنی مسجد کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گردا گرد (کہ ملک شام ہے) ہم نے (دینی ودنیوی) برکتیں کر رکھی ہیں۔(دینی برکت یہ ہے کہ وہاں بکثرت انبیاء مدفون ہیں۔ دنیوی برکت یہ کہ وہاں اشجار و انہار و پیداوار کی کثرت ہے۔غرض اس مسجد اقصیٰ تک عجیب طور پر اس واسطے لے گیا) تا کہ ہم ان (بندہ) کو اپنی کچھ عجائبات قدرت دکھلا دیں (جن میں بعض تو خود وہاں کے متعلق ہیں، مثلاً اتنی بڑی مسافت مدت قصیرہ میں طے کرنا، سب انبیا علیہم السلام کو دیکھنا، ان کی باتیں سننا وغیر ذلک.اور بعض آگے کے متعلق ہیں، مثلاً آسمانوں پر جانا اور عجائبات کثیرہ دیکھنا) بے شک اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے، بڑے دیکھنے والے ہیں (چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو سنتے احوال کو دیکھتے تھے، اس لئے ان کو اس طرح مکرم ومقرب بنایا)۔

فائدہ: اس مقام پر چند تنبیہات اور چند تحقیقات اور چند دفع اشکالات ہیں۔

تنبیہ اوّل: (سبحن) تنزیہ وتعجیب کے لئے مستعمل ہے، چوں کہ یہ لے جانا عجیب تھا اور عجیب ہونے کی وجہ سے قدرت عظیمہ پر دال ہے۔اس لئے اس سے شروع کرنا مناسب ہوا۔اور اسی لئے احقر نے ترجمہ میں لفظ ''عجیب طور پر'' کو ظاہر کر دیا اور یہ جانا براق پر تھا جیسا صحاح میں ہے،جس کی برق رفتاری بھی عجیب تھی۔

تنبیہ دوم: اس مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جانے کو اسرا کہتے ہیں اور آگے

آسمانوں پر جانے کو معراج کہتے ہیں اور گاہے دونوں لفظ مجموعہ پر اطلاق کئے جاتے ہیں۔

تنبیہ سوم: یہاں بعبدہ کہنے سے دو فائدے ہیں: ایک تو اظہار آپ کے قرب وقبول کا، دوسرے اس عجیب معجزے کی وجہ سے کوئی آپ پر الوہیت کا شبہ نہ کر سکے۔

تنبیہ چہارم: ہر چند کہ اسریٰ رات ہی کے لئے چلنے کو کہتے ہیں، لیکن لیلا کی تصریح اس لئے ہے کہ تا باعتبار عرف ومحاورات کے تبعیض پر دال ہو اور زیادہ دلالت کرے قدرت پر کہ تھوڑی ہی رات میں اتنا دراز کام کرلیا گیا۔ اور دلالۃ علی التبعیض کی تصریح عبدالقاہر سے اور اس کی توجیہ سیبویہ اور ابن مالک سے صاحب روح نے اس طرح نقل کی ہے۔

اللیل والنہار اذا عرفا کانا معیارا للتعمیم و ظرفا محدودا بخلاف المنکر، فلما عدل عن تعریفہ علم أنہ لم یقصد استغراق السری.

تنبیہ پنجم: مسجد حرام کا اطلاق گاہے مطلق حرم پر بھی آتا ہے اور یہاں دونوں معنی صحیح ہو سکتے ہیں، کیوں کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ آپ اس وقت حطیم میں تشریف رکھتے تھے اور بعض میں آیا ہے کہ اُم ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ پس آیت کو دونوں پر محمول کر سکتے ہیں اور وجہ تطبیق دونوں حدیثوں میں بہت سہل ہے، کیوں کہ اُم ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر سے حطیم میں آجانا اور وہاں سے آگے جانا کوئی امر مستبعد نہیں۔

تنبیہ ششم: مسجد اقصیٰ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اقصیٰ کے معنی عربی میں ہیں بہت دور، چوں کہ وہ مسجد مکہ سے بہت دور ہے اس لئے اقصیٰ کہا گیا۔

تنبیہ ہفتم: ہر چند کہ عجائبات کا مشاہدہ بدون آپ کے لے جائے ہوئے بھی ممکن تھا لیکن اس میں اور اسی طرح رکوب میں اور زیادہ اکرام واظہار شان ہے، اس لئے آپ کو اس طرح لے گئے۔

تنبیہ ہشتم: رات کی تخصیص میں یہ حکمت لکھی ہے کہ عادتاً وہ وقت خلوت کا ہے، اس میں بلانا دلیل ہے زیادت اختصاص کی۔

تنبیه نهم: یہاں مسجد اقصیٰ سے مراد صرف اس مسجد کی زمین ہے کہ حقیقت میں مسجد اصالتاً زمین ہی ہوتی ہے اور عمارت تو تبعاً مسجد ہوتی ہے۔ وجہ اس مراد لینے کی یہ ہے کہ یہ امر تاریخ سے ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے درمیان میں اس کی عمارت منہدم کر دی گئی تھی، چناں چہ عنقریب تفسیر آیت **وقضینآ الی بنی اسرائیل** (اسراء:۴) میں مذکور ہوگا۔

اس لئے ظاہراً اس پر شبہ ہوتا ہے کہ مسجد اقصیٰ کا جب اس وقت وجود ہی نہ تھا پھر وہاں تک لے جانے کے کیا معنی؟ پس اس مراد کی تعیین سے وہ شبہ جاتا رہا اور اگر اس حدیث پر شبہ ہو کہ کفار معترضین نے آپ سے بیت المقدس کی ہیئت و کیفیت دریافت کی تھی اس کے کیا معنی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو منہدم عمارت کی ہیئت و کیفیت دریافت کرنا بھی ممکن ہے، علاوہ اس کے اس زمین کے قرب میں لوگوں نے کچھ عمارتیں بنام نہاد بیت المقدس کے بنائی تھیں، اس سے بھی سوال ممکن ہے۔

تنبیه دهم: (**الذی بر کنا**) بطور مدح کے بڑھایا ہے اور اس سے خود اس مسجد کا مبارک ہونا بدرجہ اولیٰ مفہوم ہو گیا کیوں کہ جب اس کے آس پاس باوجود مسجد نہ ہونے کے برکت ہے تو خود اس میں تو ضرور برکت ہوگی۔

کیوں کہ آس پاس دو قسم کی برکتیں ہیں: ایک دنیوی، سو اس سے تو دینی برکت ضرور زیادہ ہے اور دوسری دینی کہ مدفن انبیاء ہے، سو دفن ہونا صرف تلبس جسم کا ہے اور قبلہ ہونا جیسا کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کا وہ قبلہ رہا ہے تلبس روح کا ہے اور یہ زیادہ موجب برکت ہوگا، خصوص جب کہ وہاں ہی رہ کر عبادت کریں کہ جسم کا تلبس بھی ہو جاوے گا، کیوں کہ وہ قبلہ ہونے کے ساتھ اکثر انبیاء کا معبد اور محل عبادت بھی رہا ہے۔ پس اس طرح خود اس مسجد کے مبارک تر ہونے پر دلالت ہوگئی۔ پس بعض کتب میں جو لکھا ہے کہ موضع جسد شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرش سے بھی افضل ہے، اس کا فضیلت جزئی پر محمول کرنا مناسب ہے۔ **واللہ أعلم**

تنبیہ یاز دھم: (لنریہ من ایتنا) میں آیات کا اطلاق جو کہ عرفاً عظیم اور کمال پر دال ہوتا ہے اور آیات سماویہ خصوصاً جبکہ آسمانوں پر انبیاء بھی تھے جیسا احادیث معراج میں ہے، آیات ارضیہ سے اعظم اور اکمل ہیں۔اس طرح یہ اطلاق مشیر ہے کہ مسجد اقصیٰ سے آگے بھی آپ کو لے گئے۔اسی لئے ''روح المعانی'' میں یوں تفسیر کی ہے: (لنریہ من ایتنا) أی لنرفعه الی السماء، حتی یری ما یری من العجائب، مگر تصریح نہ کرنے میں شاید یہ نکتہ ہو کہ وہ اور زیادہ عجیب ہے اور انکار اس کا قریب ہے اور نص قطعی کا انکار کفر ہے، پس تصریح نہ کرنا رحمت ہے ضعفا کے ساتھ۔

تنبیہ دواز دھم: من کا تبعیضیہ لینا اس وجہ سے ہے کہ واقع میں ایسا ہی ہوا تھا، چناں چہ صحاح میں ہے کہ اسمع صریف الأقلام کہ قلم کے چلنے کی آواز آتی تھی اور ظاہراً اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلم نہیں دیکھے۔وعلی ھذا

تنبیہ سیزدھم: اسریٰ میں ضمیر غائب کی ہے، اس سے شروع کیا گیا (انه هو السمیع) پر کہ اس میں بھی ضمیر غائب کی ہے ختم کیا گیا اور درمیان میں ضمیر متکلم کہ دال تعظیم پر بھی ہے لائی گئی، اس میں یہ نکات ہیں:

اوّل: تجدید کلام وتنشیط سامع ...دوم: برکات اور آیات اور اراءت کا عظیم ہونا....

سوم: اسرا کے بعد قرب کے زیادہ ہونے کی طرف اشارہ اور قرب کے وقت اصل تکلم ہے۔

تنبیہ چاردھم: (انه هو السمیع البصیر) (اسراء:۱) کے بڑھانے کا فائدہ علاوہ فائدہ مذکور فی المتن کے ایک یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مکذبین کو وعید ہے کہ ہم تمہاری تکذیب ومخالفت کو دیکھتے سنتے ہیں، خوب سزا دیں گے۔

تنبیہ پانزدھم: (لنریہ من ایتنا) کے بعد اس کا بڑھانا مشیر اس طرف ہے کہ گو رؤیت عجائبات کی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی، مگر علم میں ہمارے برابر نہیں ہوگئے، کیوں کہ ان کو تو ہم نے دکھلایا اور ہم بالذات سمیع بصیر ہیں، دوسرے انہوں نے بعض آیات کو دیکھا اور ہم علی الاطلاق سمیع بصیر ہیں۔

تحقیقات.... تحقیق اوّل: یہاں مسجد اقصیٰ تک جانا مذکور ہے۔ اندر جانا

احادیث میں مصرح ہے کہ آپ اندر تشریف لے گئے اور انبیا علیہم السلام سے ملے اور آپ نماز میں ان کے امام بنے۔

تحقیق دوم: آگے آسمانوں کی طرف جانا اس آیت میں مصرح نہیں ہے، گو اس کی طرف اشارہ ہے اور اس سے زیادہ صراحت کے قریب اشارہ سورۂ والنجم میں ہے:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى o عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى (نجم:۱۳،۱۴)

یعنی آپ نے جبریل علیہ السلام کو دوسری بار سدرۃ المنتھی کے پاس دیکھا ہے اور پہلی بار کا دیکھنا اس کے قبل (وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى) (نجم:۷) میں مذکور ہوا ہے، سو اس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تھے، کیوں کہ عند متعلق رأی کے ہے پس رؤیت عند السدرہ سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ ''رائی'' اور ''مرائی'' دونوں سدرہ کے پاس ہوں گے۔ پھر حدیثوں میں تو اس کی اس قدر تصریح ہے کہ مجال انکار ہی نہیں۔

تحقیق سوم: جمہور اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ معراج بیداری میں جسد کے ساتھ ہوئی اور دلیل اس کی اجماع ہے اور مستند اس اجماع کا یہ امور ہو سکتے ہیں۔

اوّل: حق تعالیٰ نے جس اہتمام سے قصہ اسرا کو بیان فرمایا ہے اس سے اس کا غایت عجیب ہونا معلوم ہوتا ہے اگر یہ نوم میں یا روحانی طور پر ہوتی تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔

دوسری: بعبدہ سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ حقیقی اور متبادر معنی جاء نبی عبد فلان کے یہی ہیں کہ وہ بیداری میں دھڑ اور جان سمیت آیا، پس ''عبد'' کا مصداق مجموعہ روح و جسد اور اس محل کا صدور مقید بالیقظہ ہوتا ہے، الا أن یصرح علی خلاف ذلک:

تیسری: اگر یہ خواب کی حالت میں یا روحانی طور پر ہوتی تو جس وقت کفار نے تکذیب کی تھی، یا بیت المقدس اور اپنے قافلہ کے حالات پوچھے تھے۔

جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے: بعضها فی الصحاح، وبعضها رواه البیهقی وغیرہ کما فی الدر المنثور تو آپ اس وقت بہت سہولت سے جواب دے دیتے کہ بیداری میں اس کے ہونے کا کب مدعی ہوں؟ جو تم ایسی باتیں کرتے ہو۔ اور بیت

المقدس کی ہیئت وکیفیت بیان کرنے کے متعلق فکر میں نہ پڑتے جیسا حدیثوں میں ہے کہ آپ کو فکر ہوئی، حق تعالیٰ نے منکشف کردیا اور آپ نے بتادیا۔(رواہ مسلم)

اور بعض کو آیت: **وما جعلنا الرویا** (بنی اسرائیل:۶۰) الخ سے شبہ ہوا ہے، سواوّل تو وہاں احتمال ہے کہ واقعۂ بدر یا عمرۂ مکہ کا خواب مراد ہو، جیسا بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں، ذکراجمالاً: **اذ یریکهم الله فی منامک** (انفال:۴۳) اور **لقد صدق الله رسوله الرء یا** (فتح:۲۷) میں آیا ہے اور اگر واقعہ معراج ہی مراد ہو تو رؤیا بمعنی رؤیت ہے، کیوں کہ رأی کے دونوں مصدر ہیں، مثل قربیٰ اور قرابت کے۔ یا بقول بعض شب کی رؤیت کو رؤیا کہتے ہیں، گو بیداری میں ہو یا تشبیہاً رؤیا کہہ دیا ہو، اور وجہ تشبیہ کی عجائب کا دیکھنا ہے، اور یا شب کے وقت واقع ہونا۔(کذافی روح المعانی)

اور بعض کو شریک کی حدیث سے جس کے آخر میں **ثم استیقظت** سے شبہ پڑ گیا ہے، سو چوں کہ شریک محدثین کے نزدیک حافظ حدیث نہیں اور دوسرے حفاظ کے خلاف کیا، اس لئے وہ زیادت غیر مقبول ہے۔(کذافی روح المعانی)

یا محمول ہے تعدد واقعہ پر، کیوں کہ علما نے لکھا ہے کہ عروج روحانی آپ کو کئی بار ہوا ہے، یعنی اس معراج سے پہلے خواب میں عروج ہوا ہے جس کی حکمت یہ لکھی ہے کہ تدریجاً اس معراج اعظم کی استعداد اور برداشت ہوسکے اور بعض کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اقوال سے شبہ ہوگیا ہے، سو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو اس وقت تک آپ کے نکاح میں بھی نہ آئی تھیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت تک اسلام بھی نہ لائے تھے، خدا جانے کسی سے سن کر کہا ہے، یا اجتہاداً کہا ہے، یا کسی دوسرے واقعہ کی نسبت کہا ہے؟ **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال.**

تحقیق چہارم: بیت المقدس تک جانے کا منکر کافر ہے اور مؤوّل مبتدع ہے، اور آگے جانے کا منکر اور مؤوّل مبتدع ہے، اور ہر چند کہ سورۂ نجم میں قریباً تصریح ہے، لیکن ''عند'' میں احتمال ہے کہ وہ ''راہ'' کے مفعول کا حال ہو، اس لئے آپ کے

سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے میں نص نہیں ہے۔

تحقیق پنجم: اس میں اختلاف ہے کہ حق تعالیٰ کو اس شب میں آپ نے دیکھا یا نہیں؟ اس میں سلف اور خلف سب کا اختلاف ہے اور روایات محتمل تاویل کو ہیں، کیوں کہ روایت مثبتۂ رؤیت میں احتمال ہے کہ رؤیت بالقلب مراد ہو اور نفی رؤیت سے کسی خاص رؤیت کی نفی مراد ہو، مثلاً: قیامت کے روز جنت میں جو انکشاف ہوگا یہ انکشاف اس سے کم ہو، گو رؤیت صادق آوے، جیسے بے عینک دیکھنا بھی دیکھنا ہے اور عینک سے اور زیادہ انکشاف ہوتا ہے۔ غرض اس مسئلہ میں توقف بہتر ہے۔

دفع اشکالات

دفع اشکال اوّل: بعض کو وسوسہ ہوا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے باب میں فرمایا ہے: نری ابراھیم ملکوت السموت والارض (انعام: ۷۵) اور آپ کیلئے من تبعیضیہ کیوں فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ (ملکوت السموت والارض) کل آیات تو نہیں ہیں، اور ممکن ہے کہ یہ بعض جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلایا گیا اس بعض سے اعظم ہو۔

دفع اشکال دوم: بعض ظاہر پرست شبہ کرتے ہیں کہ خرق والتیام افلاک پر محال ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس دلیل کے سب مقدمات باطل ہیں، جیسا اپنے محل میں مذکور ہے۔

دفع اشکال سوم: بعض کہتے ہیں کہ اس قدر سیر سریع کیوں کر ممکن ہے؟ جواب یہ ہے کہ بعض کواکب باوجود اس قدر عظیم ہونے کے نہایت سریع ہیں اور سرعت کی عقلاً کوئی حد نہیں ہے۔......... دفع اشکال چہارم: بعض کہتے ہیں کہ آسمان کے نیچے ہوا نہیں اور حرارت شدید ہے، جسم عنصری سلامت نہیں رہ سکتا۔

جواب یہ ہے کہ محال ممکن نہیں ہوتا لیکن مستبعد واقع ہوسکتا ہے۔

دفع اشکال پنجم: بعض کہتے ہیں کہ آسمان ہی موجود نہیں۔

جواب یہ ہے کہ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

من القصيدة......(الملقبة بالبردة)

سريت من حرم ليلاً الى حرم كما سرى البدر فى داج من الظلم

آپ ایک شب میں حرم شریف مکہ سے حرم محترم مسجد اقصیٰ تک (باوجود یہ کہ ان میں فاصلہ چالیس روز کے سفر کا ہے) ایسے (ظاہر و باہر و تیز رو کمال نورانیت وارتفاع کدورت کے ساتھ) تشریف لے گئے جیسا کہ بدر تاریکی کے پردے میں نہایت درخشانی کے ساتھ جاتا ہے۔

بت ترقى الى ان نلت منزلة من قاب قوسين لم تدرک ولم ترم

(لم يقصد تفسير القرآن اوقصده على بعض الأقوال)

اورآپ نے بحالت ترقی رات گزاری اور یہاں تک ترقی فرمائی کے ایسا قرب الٰہی حاصل کیا جس پر مقربان درگاہ خداوندی سے کوئی نہیں پہنچایا گیا تھا، بلکہ اس مرتبہ کا بسبب غایت رفعت کسی نے قصد بھی نہیں کیا تھا۔

وقد متک جميع الانبياء بها والرسل تقديم مخدوم على خدم

اورآپ کو مسجد بیت المقدس میں تمام انبیا و رسل نے اپنا امام و پیشوا بنایا، جیسا مخدوم خادموں کا امام و پیشوا ہوتا ہے۔

وانت تخترق السبع الطباق بهم فى موكب كنت فيه صاحب العلم

اورمنجملہ آپ کی ترقیات کے یہ امر ہے کہ آپ سات آسمانوں کو طے کرتے جاتے تھے جوایک دوسرے پر ہے ایسے لشکر ملائکہ میں (جو بلحاظ آپ کی عظمت وشان وتالیف قلب مبارک آپ کے ہمراہ تھا اور) جس کے سردار اور صاحب علم آپ ہی تھے۔

حتى اذا لم تدع شأوا لمستبق من الدنو ولا مرقا لمستنم

(آپ رتبۂ عالی کی طرف برابر ترقی کرتے رہے اورآسمانوں کو برابر طے کرتے رہے) یہاں تک کہ جب آگے بڑھنے والے کی قرب ومنزلت کی نہایت نہ رہی اور

کسی طالب رفعت کے واسطے کوئی موقع ترقی کا نہ رہا تو

خفضت کل مکان بالاضافۃ اذ نودیت بالرفع مثل المفرد العلم

جس وقت آپ کی ترقیات نہایت درجہ کو پہنچ گئیں تو اپنے ہر مقام انبیا کو یا ہر صاحب مقام کو) بنسبت اپنے مرتبہ کے جو خداوند تعالیٰ سے عنایت ہوا پست کر دیا، جب کہ آپ اُدن کہہ کر واسطے ترقی مرتبہ کے مثل یکتا اور نامور شخص کے پکارے گئے۔

کیما تفوز بوصل ای مستتر عن العیون وسر ای مکتتم

(یہ ندا یا محمد، کی اس لئے تھی) تا کہ آپ کو وہ وصل حاصل ہو جو نہایت درجہ آنکھوں سے پوشیدہ تھا (اور کوئی مخلوق اس کو دیکھ نہیں سکتی) اور تا کہ آپ کامیاب ہوں، اچھے بھید سے جو غایت مرتبہ پوشیدہ ہے۔ (عطر الورد)

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

ولنختم الکلام علی وقعۃ الاسراء بالصلاۃ علی سید أھل الاصطفاء

وآلہ وأصحابہ أھل الاجتباء ما دامت الأرض والسمآء

❁❁❁

ضمیمہ موعودۃ خطبہ
ملقبہ بہ
تبصیر الزجاج لتنویر السراج

بعد حمد وصلاۃ

احقر اشرف علی عرض رساں ہے کہ اس ضمیمہ میں تین مضمون ہیں: ایک تفسیر بعض آیات متعلقہ معراج کی جو سورہ والنجم میں واقع ہیں احقر کی تفسیر ''بیان القرآن'' سے۔ جیسے آیات اسراء کی تفسیر اصل رسالہ میں ہے اور مقصود اس سے چند فوائد ہیں جو اسی سلسلے میں مذکور ہوں گے جس میں کچھ مضمون مثنوی شریف کا ہوگا جو نہایت عجیب ولطیف ہے۔

دوسرا مضمون منہج طریقت پر معراج کی حقیقت بطرز بدیع وغریب احقر کے وعظ ''الوضع والرفع'' ہے۔

تیسرا مضمون ایک قصیدہ عربیہ بلیغہ، مشتملہ برواقعات صحیحہ معراج، مؤیدۃ بالآیات، مشیدۃ بالروایات، منظومہ، مولانا سید محمد انور شاہ صاحب دام فیضہ، صدر مدرس بدرسہ عالیہ دیوبند، دام فیضھا، مع ترجمۂ اردو منقولہ از ''القاسم'' اس قصیدہ کے اضافہ سے اس ضمیمہ میں اور اصل رسالہ ''تنویر'' میں اور اس اصل کی اصل یعنی ''نشر الطیب'' میں اس التزام میں بھی توافق ہوگیا کہ سب کو اشعار عربیہ پر ختم کیا گیا ہے۔ ہر مضمون ایک ایک فصل میں ہے۔

اور چوں کہ اس ضمیمہ سے اصل رسالہ کے مضامین کی بصیرت زائد ہوگئی جیسے زجاج، موجب زیادت تبصیر سراج ہو جاتا ہے اس لئے اس کا لقب تبصیر الزجاج (بالاضافۃ الی الفاعل) لتنویر السراج رکھا جاتا ہے۔

فصل اوّل

در تحقیق نبوت قصداً و مباحث رؤیت جبریل علیہ السلام تبعاً

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰیo مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰیo وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰیo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰیo عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰیo ذُوْمِرَّةٍ ط فَاسْتَوٰیo وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰیo ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰیo فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰیo فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰیo مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰیo اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰیo وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰیo عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰیo عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰیo اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰیo مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰیo لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰیo (سورۃ النجم: ۱ تا ۱۸)

قسم ہے (مطلق)﴿ملحقات الترجمة: قوله: فی "والنجم" مطلق اشارة الی أن المراد: الجنس، اللغات: "هوی" سقط وغاب، قوله: "مرة" فی "القاموس": قوة الخلق وشدته، "فاستوی" فاستقام علی صورة نفسه الحقيقية، كذا فی "المدارک"، "الأفق" الطرف، وفی اصلاح أهل الهيئة: دائرة خاصة، "فتدلی" فزاد فی القرب، والتدلی هو النزول بقرب الشی ء، كذا فی "المدارک"، قوله: "قاب قوسين" فی "المدارک": مقدار قوسين فی الانتصاف، قال بعضهم: انه كناية، لأن الحليفين فی عرف العرب اذا تحالفا علی الوفاء والصفاء الصقا، وتری قوسيهما، قوله: "نزلة" مرة، كذا فی "الروح".

النحو: قوله "ان هو" أی منطوقه المدلول عليه بقوله تعالی: "وما ينطق"، قوله "شديد القوی" صفة لموصوف مقدر أی ملک، قوله "فكان قاب" الخ اسم "كان" الضمير الراجع بقرينة المقام الی

البعد الذی بینهما، قوله "الکبری" صفة للآیات المقدرة، أی لقد ر آی من آیات ربه الآیات الکبری،

البلاغة: قوله: "صاحبکم "ایراده علیه الصلوۃ والسلام بهذا العنوان للایذان بوقوفهم علی تفاصیل أحواله الشریفة، "قاب قوسین" قال بعضهم: فیه قلب، أی قابی قوس واحدة، والقاب کمافی "القاموس" بین المقبض والسیة بالکسر مخففة ما عطف من طرفیها، اھ﴾ ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے (یعنی کوئی ستارہ ہو اور اس قسم میں نظیر ہے، مضمون جواب قسم ماضل وما غوی کی، یعنی جس طرح ستارہ طلوع سے غروب تک اس تمام تر مسافت میں اپنی باقاعدہ رفتار سے ادھر ادھر نہیں ہوا اسی طرح آپ اپنی عمر بھر ضلال وغوایت سے محفوظ ہیں۔ اور اس سے اذا ھوی کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی اور گو غروب سے طلوع تک بھی نجم کے لئے یہی حکم ثابت ہے، لیکن وہ مرئی نہیں اور طلوع سے غروب تک محسوس ہے اور نیز اشارہ ہے اس طرف کہ جیسے نجم سے اھتدا ء ہوتا ہے اسی طرح آپ سے بھی بوجہ عدم ضلال وعدم غوایت کے اھتدا ء ہوتا ہے۔ اور چوں کہ وسط سما میں ہونے کے وقت سمت کا اندازہ نہیں ہوتا اور اس وجہ سے اس سے اھتدا ء نہیں ہوتا۔

اس لئے اس میں قید لگائی قرب من الأفق کی اور گو قرب میں الأفق طلوع کے وقت بھی ہوتا ہے، لیکن غروب میں یہ بات زیادہ ہے کہ اس وقت طالبان اھتدا ء اس کو غنیمت سمجھتے ہیں، اس خیال سے کہ اگر استدلال میں ذرا توقف کیا پھر غائب ہو جاوے گا، بخلاف طلوع کے کہ اس میں بے فکری رہتی ہے، پس اس میں اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت حاصل کر لینے کو غنیمت سمجھو اور شوق سے دوڑو۔ آگے جواب قسم ہے کہ) یہ تمہارے (ہمہ وقت) ساتھ (اور سامنے) کے رہنے والے (پیغمبر جن کے تمام احوال و افعال تم کو معلوم ہیں جن سے بشرط انصاف ان کی راستی پر استدلال کر سکتے ہو، یہ پیغمبر) نہ راہ (حق) سے بھٹکے اور نہ غلط

راستے ہولئے (ضلال یہ کہ بالکل رستہ بھول کر کھڑا رہ جاوے اور غوایت یہ کہ غیر راہ کو راہ سمجھ کر چلتا رہے (کذا فی الخازن) یعنی جیسے تم ان کو دعوائے نبوت و دعوت الی الاسلام میں بے راہ سمجھتے ہو یہ بات نہیں ہے کہ بلکہ آپ نبی برحق ہیں) اور نہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں (جیسا تم لوگ کہتے ہو کہ افتراء، بلکہ) ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے (خواہ الفاظ کی بھی وحی ہو جو قرآن کہلاتا ہے، خواہ صرف معانی کی ہو جو سنت کہلاتی ہے اور خواہ وحی جزئی ہو یا کسی قاعدہ کلیہ کی وحی ہو جس سے اجتہاد فرماتے ہیں۔ پس اس سے نفی اجتہاد کی نہیں ہوتی اور اصل مقصود مقام کا نفی ہے زعم کفار کی، یعنی خدا کی طرف غلط بات کی نسبت نہیں فرماتے۔

آگے وحی آنے کا واسطہ بتلاتے ہیں کہ) ان کو ایک فرشتہ (اس وحی کی منجانب اللہ) تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقت ور ہے (اور اکتساب سے طاقت ور نہیں بلکہ) پیدائشی طاقت ور ہے (جیسا ایک روایت میں خود جبریل علیہ السلام نے اپنی طاقت کا بیان فرمایا کہ میں نے قوم لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑ کر آسمان کے قریب اس کو لے جا کر چھوڑ دیا۔ (رواہ فی تفسیر سورۃ التکویر من الدر المنثور)

مطلب یہ کہ یہ کلام کسی شیطان کے ذریعہ سے آپ تک نہیں پہنچا کہ کاہن ہونے کا احتمال ہو، بلکہ فرشتہ کے ذریعے سے آیا ہے۔ اور شاید شدید القوی کے ساتھ موصوف فرمانے میں یہ مقصود ہو کہ اس کا احتمال بھی نہ کیا جاوے کہ شاید اصل میں فرشتہ ہی لے کر چلا ہو مگر درمیان میں کوئی شیطانی تصرف ہو گیا ہو، پس اس میں اشارہ ہو گیا جواب کی طرف کہ وہ نہایت شدید القوی ہیں، شیطان کی مجال نہیں کہ ان کے پاس پھٹک سکے۔ پھر ختم وحی کے بعد خود حق تعالیٰ نے اس کے بعینہ ادا کرا دینے کا وعدہ فرمایا ہے (ان علینا جمعہ و قرانہ)...(قیامہ:۱۷)

آگے اس شبہ کا جواب ہے کہ اس وحی لانے والے کا فرشتہ اور جبریل ہونا تو اس وقت معلوم ہو سکتا ہے جب آپ ان کو پہچانتے ہوں، اور پوری صحیح پہچان موقوف ہے

اصلی صورت دیکھنے پر، تو کیا آپ نے جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت پر دیکھا ہے؟ اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ ہاں! یہ بھی ہوا ہے کہ جس کی کیفیت یہ ہے کہ چند بار تو دوسری صورت میں دیکھا، گویا دوسری صورت بھی ایسی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں جو مشخصات اصلیہ تھے اور جو عارضہ تھے علم ضروری سے ان میں آپ کو تمایز عنایت فرما دیا، جس پر یہ دلیل عقلی دال ہے کہ اللہ تعالیٰ مکلفین کو تلبیس سے محفوظ رکھتا ہے اور اس تمایز نہ ہونے پر تلبیس جماہیر امت کی مرتب ہوتی، اس لئے تمایز عطا فرما دیا، گو صورت اصلی نہ تھی) پھر (ایک بار ایسا بھی ہوا کہ) وہ فرشتہ (اپنی) اصلی صورت پر (آپ کے روبرو) نمودار ہوا ایسی حالت میں کہ وہ (آسمان کے) بلند کنارہ پر تھا (ایک روایت میں افق شرقی سے لے کر تفسیر آئی ہے۔ (کمافی الدرالمنثور)

اور اُفق میں دکھلائی دینے کی غالباً یہ حکمت ہے کہ وسط سماء میں دیکھنا خالی از مشقت و تکلف نہیں اور اعلیٰ میں غالباً یہ حکمت ہے کہ بالکل افق پر بھی پوری چیز نظر نہیں آتی، اس لئے ذرا اونچے پر نظر آئے اور اس دیکھنے کا قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے درخواست کی کہ مجھ کو اپنی اصلی صورت دکھلا دو، انہوں نے حرا کے پاس اور حسب روایت ترمذی جیاد میں وعدہ ٹھہرایا، آپ وہاں تشریف لے گئے تو ان کو افق مشرقی میں دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو ہیں اور اس قدر پھیلے ہوئے ہیں کہ افق غربی تک گھیر رکھا ہے، آپ بے ہوش کر گر پڑے، اس وقت جبریل علیہ السلام بصورت بشریہ ہو کر آپ کے پاس تسکین کے لئے اتر آئے جس کا آگے ذکر ہے۔ (کذا فی الجلالین)

حاصل یہ کہ وہ فرشتہ اول صورت اصلیہ میں افق اعلیٰ پر نمودار ہوا) پھر (جب آپ بے ہوش ہو گئے تو) وہ فرشتہ (آپ کے) نزدیک آیا، پھر اور نزدیک آیا، سو (قرب کی وجہ سے کہ مدلول دنی کا ہے) دو کمانوں کی برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ (غایت قرب کی وجہ سے کہ مدلول تدلی کا ہے) اور بھی کم فاصلہ رہ گیا مطلب دو کمانوں کا یہ

ہے کہ عرب کی عادت تھی کہ جب دو شخص باہم غایت درجہ کا اتفاق واتحاد کرنا چاہتے تو دونوں اپنی اپنی کمانیں لے کر ان کے چلّے یعنی تانت کو باہم ملاصق کر دیتے اور ملاصقت میں بھی بعض اجزا کے اعتبار سے کچھ فصل ضرور ہی رہتا ہے، پس اس محاورہ کی وجہ سے یہ کنایہ ہوگیا، قرب واتحاد سے، اور چوں کہ یہ محض اتفاق صوری کی علامت تھی تو اگر روحانی وقلبی اتفاق بھی ہو تو وہاں او ادنی بھی صادق آسکتا ہے۔

پس او ادنی کے بڑھا دینے میں اشارہ ہوگیا کہ مجاورت صوریہ کے علاوہ آپ میں اور جبریل علیہ السلام میں روحانی مناسبت بھی تھی جو مدار اعظم ہے معرفت تامہ اور حفظ صورت مدرکہ اور تمایز بین المشخصات الأصلیۃ والعارضیۃ کا، غرض یہ کہ ان کی تسکین سے آپ کو تسکین ہوئی اور افاقہ ہوا) پھر (افاقہ کے بعد) اللہ تعالیٰ نے (اس فرشتہ کے ذریعے سے) اپنے بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمانا تھی (جس کی تعیین بالتخصیص معلوم نہیں اور نہ معلوم ہونے کی حاجت اور کیا عجب ہے کہ معرفت جبریلیہ کے متعلق کچھ وحی ہو، یا اور کچھ ہو اور شاید اس وقت بھی وحی نازل فرمانا باوجود یہ کہ اصل مقصود اس وقت زیادہ معرفت کے لئے صورت اصلیہ جبریلیہ کا دکھانا ہے، اس لئے ہو کہ یہ معرفت میں اور زیادہ معین ہو، کیوں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کی وحی کو جو بوجہ ظہور صورت اصلیہ کے بالقطع بتوسط جبریل علیہ السلام ہے اور دوسرے اوقات کی وحی کو جو بواسطۂ صورت بشریہ ہے ایک شان پر دیکھیں گے تو مزید علی مزید یقین میں قوت ہوگی کہ دونوں حالتوں میں واسطۂ وحی حقیقت واحدہ ہے، جیسا کہ کسی شخص کے نغمہ اور طرز کلام سے خوب آگاہ ہوں تو اگر کبھی وہ متبدل صورت بھی بولتا ہے تو صاف پہچانا جاتا ہے۔

آگے اس دیکھنے کے متعلق ایک شبہ کا جواب ہے، وہ شبہ یہ ہے کہ رؤیت صورت اصلیہ جو مدار ہے معرفت تامہ کا اور جس کا اوپر اثبات کیا گیا ہے وہ مطلق رؤیت نہیں، بلکہ رؤیت صحیحہ ہے اور اس کا مدار ہے اصل مدرکہ یعنی قلب کے خطائی الادراک سے

محفوظ ہونے پر، ورنہ اگر اسی کے ادراک میں خطا ہے تو حواس جو کہ جواسیس قلب ہیں ان میں بھی خطا ہوگی، چناں چہ اسی بنا پر احساسات میں غلطی ہونا مشاہدہ کیا جاتا ہے، مجنون باوجود سلامت حس کے بعض اوقات پہچانے ہوئے لوگوں کو دوسرا شخص بتلانے لگتا ہے۔ پس آیا یہ رؤیت رؤیت صحیحہ تھی یا نہیں؟

آگے اس شبہ کا جواب ہے، یعنی وہ رؤیت صحیحہ تھی کہ اس دیکھنے کے وقت) قلب نے دیکھی ہوئی چیز (قوله، "في ما كذب الفواد مارای" چیز میں لما فی "الخازن" فيما رأى) میں غلطی نہیں کی (رہا یہ کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ قلب نے غلطی نہیں کی؟ سو بات یہ ہے کہ اگر مطلقاً ایسے احتمالات قابل التفات ہوا کریں تو حس سے بالکل امان ہی مرتفع ہو جاوے وھو باطل، بلکہ ان احتمالات کے لئے کوئی منشا معتد بہ ہونا ضروری ہے، چناں چہ احتمال خطائے قلبی کا منشا یہ ہونا چاہیے کہ وہ ادراک کرنے والا مختل العقل ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح العقل فطین ذکی صاحب فراست ہونا مشاہد اور ظاہر تھا، چوں کہ باوجود اس اثبات بلیغ کے پھر بھی معاندین جدال و خلاف سے باز نہ آتے تھے، اس لئے آگے بطور توبیخ و تعجیب کے ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تم نے ایسے شافی کافی بیان سے معرفت و رؤیت کا ثبوت سن لیا) تو کیا ان (پیغمبر) سے ان کی دیکھی (بھالی) ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو (یعنی مدرکات میں اسلم عن الخطأ حسیات ہیں تو غضب کی بات ہے کہ حسیات میں اختلاف کرتے ہو کہ جن میں احتمالات خطا بھی مرتفع ہو گئے، پھر یوں تو تمہارے حسیات میں بھی ہزاروں خدشے نکل سکتے ہیں) اور (اگر یہ مہمل خدشہ ہو کہ جس چیز کو ایک ہی بار دیکھا ہو تو اس کی پہچان کیسے ہو سکتی ہے؟ البتہ مکرر دیکھنے میں جب ہر بار ایک ہی سی چیز دیکھی جاوے اس وقت شناخت ہو سکتی ہے کہ یہ وہی چیز ہے جو پہلی بار دیکھی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ بات غلط ہے، کیوں کہ بعض اوقات کسی چیز کا ایسا پورا پتا معلوم ہوتا ہے کہ دیکھتے ہی فوراً پہچان ہو جاتی ہے۔

دوسرے اول بار میں بایں معنی پہچاننا ضروری نہیں کہ کسی کے اعلام یا کسی امارات و اعلام کی احتیاج نہ ہو، جیسا دوسری تیسری بار میں ہوتا ہے بلکہ بایں معنی معرفت حاصل ہو جاتی ہے کہ کسی صادق کے بتلانے سے یا قرائن وعلامات کے مجتمع ہونے سے اس کا علم ہو جائے اور پھر اس کی صورت ذہن میں محفوظ ومخزون رہے کہ بار دیگر محض انطباق صورت سے پہچان لیں، پس ممکن ہے کہ آپ کو علم ضروری یا استدلالی کے طور پر جس کے مقدمات کی تعیین ہم نہیں کر سکتے، یا اس وجہ سے کہ کئی بار آپ کو معائنہ صورت غیر اصلیہ کا ہو چکا تھا اور مشخصات اصلیہ کا آپ کے ذہن نے اخذ کر لیا تھا۔ غرض کسی طرح سے جبریل علیہ السلام کا پورا پتا معلوم ہوا اور اس سے پہچان ہو گئی ہو، یا اس وقت اعلام الٰہی سے آپ کو یقین ہو گیا ہو، پس دو وجہ سے یہ خدشہ باطل ہے۔

تیسرے علی سبیل التنز ل اگر شناخت کیلئے تکرار مشاہدہ ہی کی ضرورت ہے تو) انہوں نے (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے) اس فرشتہ کو ایک اور دفعہ بھی (صورت اصلیہ میں) دیکھا ہے (پس اب تو وہ تو ہم بھی مدفوع ہو گیا، تطابق صورتین سے پوری تعیین ہو گئی کہ ہاں! جبریل یہی ہیں۔ آگے اس دیکھنے کی جگہ بتلاتے ہیں کہ کہاں دیکھا؟ یعنی شب معراج میں دیکھا ہے) سدرۃ المنتہیٰ کے پاس (سدرہ کہتے ہیں بیری کے درخت کو اور منتہیٰ کے معنی ہیں انتہا کی جگہ۔

حدیثوں میں آیا ہے کہ یہ ایک درخت ہے بیری کا، ساتویں آسمان میں عالم بالا سے جو احکام وارزاق وغیرہ آتے ہیں، وہ اول سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں، پھر وہاں سے ملائکہ زمین پر لاتے ہیں۔ اسی طرح سے جو اعمال صعود کرتے ہیں وہ بھی سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں، پھر وہاں سے اوپر اٹھائے جاتے ہیں۔ دنیا میں اس کی مثال ڈاک خانہ کی سی سمجھیے کہ آمد و برآمد خطوط کی وہاں سے ہوتی ہے اور شاید اس تقیید میں اشارہ ہو تقویت اصالت صورت مرئیہ کی طرف، کیوں کہ فرشتوں کا اصل مسکن آسمان ہے اور عادت متعارفہ ہے کہ مسکن سے دور ہو کر تو کبھی اصلی صورت تبدیل وضع

وغیرہ سے کسی قدر بدل بھی جاتی ہے، لیکن اپنے اصل مسکن میں بالکل اصلی ہیئت پر استقرار ہوتا ہے، پس اصالت صورت کی زیادہ تقویت ہوگئی اور عند سدرۃ المنتہیٰ میں تو مکان رؤیت بتلایا گیا تھا، آگے اس مکان کا شرف بتلاتے ہیں کہ) اس (سدرۃ المنتہیٰ) کے قریب جنت الماویٰ ہے (ماویٰ کے معنی رہنے کی جگہ ہے، چوں کہ جنت نیک بندوں کے رہنے کی جگہ ہے، اس لئے جنت الماویٰ کہتے ہیں۔

حاصل یہ کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ ایسے ممتاز موقع پر ہے، اس میں اشارہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے بلند مقام پر پہنچنا دلیل ہے، آپ کے معزز و مکرم ہونے پر، اور قاعدہ ہے کہ ایسے مہمان عزیز سے سامان اکرام کا اخفا نہیں کیا جاتا اور جبریل علیہ السلام کی معیت آپ کے ساتھ اکرام کے لئے تھی، پس ان کی صورت اصلیہ میں احتجاب کا اصلا احتمال نہیں، پس اس سے بھی تاکید ہوگئی مرئی کے انکشاف و انجلائے تام کی طرف جس سے رؤیت کا تعلق زیادہ تام ہوگا۔ اب بعد تعیین مکان رؤیت کے رؤیت کا زمانہ بتلاتے ہیں کہ رؤیت کب ہوئی؟ پس فرماتے ہیں) کہ جب اس سدرۃ المنتہیٰ کو لپٹ رہی تھیں جو چیزیں لپٹ رہی تھیں

ایک روایت میں ہے کہ سونے کے پروانے تھے، یعنی صورت ایسی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ وہ فرشتے تھے، یعنی حقیقت ان کی یہ تھی اور ایک روایت میں ہے کہ ملائکہ نے حق تعالیٰ سے اجازت چاہی تھی کہ ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں، ان کو اجازت ہوگئی، وہ اس سدرہ پر جمع ہوگئے تھے۔ (الروایات کلھا فی الدر المنثور) اس میں بھی اشارہ ہوسکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز و مکرم ہونے کی طرف اور باقی وہی تقریر ہے جو تقیید سابق میں بیان کی گئی۔

اب ایک احتمال یہ ہوسکتا ہے کہ ایسی حیرت انگیز چیزیں دیکھ کر نگاہ چکرا جاتی ہے، پورے ادراک پر قدرت نہیں رہتی، پس ایسی حالت میں جبریل علیہ السلام کی صورت کا کیا ادراک ہوا ہوگا؟ جب یہ ادراک ثانی معتبر نہ ہوا تو پھر اس خدشۂ مذکورہ کا

جو جواب (لقد راہ نزلہ اخری) سے دیا گیا ہے وہ کافی نہ ہوا۔

اس احتمال کے دفع کے لئے فرماتے ہیں کہ آپ ان عجائب کو دیکھ کر ذرا نہیں چکرائے اور اصلا متحیر نہیں ہوئے، چناں چہ جن چیزوں کی رؤیت کا حکم تھا ان کی طرف نظر کرنے سے آپ کی) نگاہ نہ تو ہٹی (بلکہ ان چیزوں کو خوب دیکھا) اور (جن چیزوں کے دیکھنے کا حکم جب تک نہ ہوا) نہ (ان کی طرف دیکھنے کو آپ کی نگاہ) بڑھی (یعنی قبل اذن نہیں دیکھا۔ (کذا فی المدارک فی الفرق بین زاغ و طغی) یہ دلیل ہے آپ کے غایت استقلال کی، کیوں کہ عجیب چیزوں سے حیرت میں آکر آدمی یہی دو حرکتیں کیا کرتا ہے: جن چیزوں کے دیکھنے کو کہا جاتا ہے ان کو تو دیکھتا نہیں اور جن کے لئے نہیں کہا گیا ان کو تکتا ہے۔

غرض اس میں انضباط نہیں ہوتا۔ آگے آپ کے استقلال کی قوت بیان کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ) انہوں نے (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے پروردگار (کی قدرت کے) بڑے بڑے عجائبات دیکھے (مگر ہر چیز کے دیکھنے میں آپ کی یہی شان رہی (مازاغ البصر وما طغیٰ) وہ عجائبات احادیث معراج میں آئے ہیں: انبیا علیہم السلام کو دیکھنا، ارواح کو دیکھنا، جنت وغیرہ کو دیکھنا، پس ثابت ہوا کہ آپ میں غایت استقلال ہے، پس حیرت کا احتمال نہیں، پس خدشہ کا جو جواب (لقد راہ نزلہ اُخری) میں مذکور تھا وہ سالم رہا۔

غرض تمام تر تقریر سے رؤیت و معرفت جبریلیہ کے متعلق شبہات مندفع ہوکر امر رسالت مقرر و محقق ہو گیا جو کہ مقصود مقام تھا۔ رہا یہ کہ یہ سب اس وقت کافی ہے کہ جب کوئی شخص دعوائے رؤیت کو مان لے، پس اس کی کیا دلیل ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس کی دلیل آپ کے خوارق ہیں، جن میں اعظم قرآن، جن سے آپ کا صدق متیقن ہے، ورنہ ایسا خدشہ تو ہر مدعی رؤیت شیء من الأنبیاء پر ہو سکتا ہے۔

رہا یہ کہ جب جبریل علیہ السلام غیر اصلی صورت میں آتے تھے اس وقت کیسے

پہچان لیتے تھے؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو قبل رؤیت صورت اصلیہ کے بھی آپ کو خاص طریقہ سے اس کی معرفت حاصل تھی، جس کی تقریر فاستوی کی تفسیر سے پہلے گزر چکی ہے اور بعد صورت اصلیہ دیکھنے کے تو اور زیادہ معرفت ہوگئی اور راز اس کا یہ ہے کہ فرشتے کا صورت بدل لینا ایسا ہے جیسا انسان لباس بدل لیتا ہے، تو جو شخص حقیقت کا ادراک کر لیتا ہے تبدیل لباس اس کے لئے مانع ادراک و معرفت نہیں ہوتا۔ رہا یہ کہ جب اول بار آپ بے ہوش ہوگئے تھے تو اس وقت تو حیرت ہوگئی اور جس شبہ کے جواب میں ماذاغ فرمایا ہے وہ شبہ اس رؤیت اولی میں ہو جاوے گا۔

جواب یہ ہے کہ مطلق مغلوبیت مانع ادراک نہیں، بلکہ جو مغلوبیت قبل ادراک ہو وہ مانع ہے اور جو مغلوبیت بعد الادراک ہو وہ مانع نہیں، چناں چہ کوئی قوی البصر آفتاب پر خوب نظر جما کر دیر تک دیکھے تو گو اخیر میں اس کی آنکھیں کام نہ دیں گی، لیکن اس کام نہ دینے سے پہلے وہ اس کے قرص اور اشعہ کا خوب ادراک کر چکا ہے، پس ممکن ہے کہ آپ کی بے ہوشی ادراک سے زمانا متاخر ہو پس ادراک کا وقوع ہو جائے گا بخلاف تجلی ربانی سے موسیٰ علیہ السلام کا بے ہوش ہو جانا کہ وہاں غشی موسوی تجلی ربانی سے صرف ذاتا متاخر تھی اور زمانا دونوں مقترن تھے، پس ادراک تجلی کا لازم نہیں آتا۔ یہ شبہ تجلی موسوی کا ایک فاضل نے کلمہ ''لما'' کی وجہ سے مجھ پر کیا تھا کہ وہ موضوع ہے ترتب کے لئے کہ مستلزم ہے تأخر کو، اور یہ تفاوت بے ہوشی و ہوش کا بوجہ اس کے ہے کہ بشر ناسوت میں تحمل کم رکھتا ہے اور ملکوت میں زیادہ۔

فائدہ: اور ان آیات کی تفسیر بعض مفسرین نے رؤیت الٰہیہ کے ساتھ کی ہے، مگر مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے رؤیت جبریلیہ کے ساتھ تفسیر ان آیات کی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، **واذا جاء نهر الله بطل نهر معقل**، اور حدیث شریک مروی بخاری سے جو شبہ پڑتا ہے کہ یہ آیات محمول ہوں قرب و تدلی حق تعالیٰ پر، سو نووی نے نقل کیا ہے شریک حافظ نہیں ہے۔ **انتهى التفسير**

بعض الفوائد متعلقة برؤية

جبریل علیہ السلام المذکورۃ فی الآیات

فائدہ اولیٰ: جبریل علیہ السلام جو کہ واسطہ فی الوحی ہیں ان کی معرفت اور رؤیت میں جو شبہات ہو سکتے تھے جن کا اثر ثبوت وصحت وحی پر واقع ہوتا اس کا اندفاغ بابلغ وجوہ ان آیات میں فرمادیا گیا، جیسے کہ تقریر تفسیر سے واضح ہو چکا ہے۔

فائدہ ثانیہ: آیت فاستویٰ کی تفسیر سے اور اس تفسیر کے ذیل میں جو حدیث مذکور ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ رؤیت جبریل سے بے ہوش ہو گئے تھے، اس پر تین سوال ہو سکتے ہیں:

ایک یہ کہ آپ اکمل ہو کر کامل سے کیسے متاثر ہو گئے؟

دوسرے یہ کہ جب سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ان کو دیکھا اس وقت بے ہوش کیوں نہیں ہوئے جیسے (مازاغ البصر وما طغیٰ) سے معلوم ہوتا ہے؟

تیسرے جب آپ رؤیت جبریلیہ کی تاب نہ لا سکے تو تجلی حق کے کیسے متحمل ہوئے ہوں گے؟ ان سب سوالوں کا جواب یہ ہے کہ رؤیت جبریلیہ اولیٰ عالم ناسوت میں ہوئی تھی اور اس عالم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر آثار جسد کے آثار روح پر غالب ہیں، چناں چہ آپ کو بھوک لگتی تھی، پیاس لگتی تھی، آپ بیمار ہوتے تھے اور جسد انوار ملکوتیہ کا تحمل نہیں کر سکتا اور رؤیت جبریلیہ ثانیہ اور رؤیت حق تعالیٰ اس عالم میں واقع ہوئی اور اس عالم میں آپ پر آثار روح کے غالب ہیں اور ان آثار میں آپ حضرت جبریل علیہ السلام سے بھی اکمل ہیں، اس لئے آپ ان انوار کے متحمل ہو گئے کہ جبریل علیہ السلام بھی متحمل نہ ہو سکتے تھے (یہی وجہ ہے کہ جبریل علیہ السلام نے اپنے خاص مقام سے آگے بڑھنے سے عذر فرمایا کہ اگر آگے بڑھوں تو جل جاؤں،

جیسا اصل رسالہ کے واقعہ بستم میں مذکور ہوا) حتیٰ کہ تجلّی حق کے بھی متحمل ہو گئے تو رؤیت جبریلیہ کا تحمل تو کیا مشکل تھا! مولانا رومی نے ''مثنوی'' اخیر دفتر چہارم میں اس مضمون کو خوب ادا فرمایا ہے، جس کو مع کلید ''مثنوی'' کے بقدر ضرورت نقل کرتا ہوں۔

مصطفیٰ می گفت پیش جبریل — کہ چناں چہ صورت تست اے جلیل
مر مرا بنمای محسوس آشکار — تا بہ بینم من ترا نظارہ وار
گفت نتوانی وطاقت نبودت — حس ضعیف ست وتنک سخت آیدت
گفت بنما تا بہ بیند ایں جسد — تاچہ حد حس نازکست وبے مدد
چوں کہ کرد الحاح بنمود اندکے — ہیبتے کہ کہ شود زان مند کے
شہپرے بگرفتہ شرق و غرب را — از مہابت گشتہ بیہش مصطفیٰ
چوں زبیم وترس بے ہوشش بدید — جبریل آمد در آغوشش کشید
اندر احمد آں حسے کہ غارب ست — خفتہ ایں دم زیر خاک یثرب ست
واں عظیم الخلق او کو صفدر ست — بے تغیر مقعد صدق اندر ست
قابل تغییر اوصاف تن ست — روح باقی آفتاب روشن ست
اوست بے تغییر لا شرقیۃ — بے زتبدیلی کہ لا غربیۃ
آفتاب از ذرہ کے مدہوش شد — شمع از پروانہ کے بیہوش شد
جسم احمد را تعلق بد بداں — آن تغیر آنتن باشد بداں
ہمچو رنجوری وہمچون خواب ودرد — جاں ازیں اوصاف باشد پاک وفرد
چوں نتانم ور بگویم وصف جاں — زلزلہ افتد دریں کون و مکاں
نقش احمد زاں نظر بے ہوش گشت — بحر او از مہر کف پر جوش گشت
مہ ہمہ کف ست معطی نور پاش — ماہ را گر کف نباشد گو مباش
احمد ار بکشاید آں پر جلیل — تا ابد مدہوش ماند جبرئیل

چون گزشت احمد زسدرہ و مرصدش وزمقام جبرئیل واز حدش
گفت اوراہین پر اندر پیم گفت رو رد کہ حریف تو نیم
باز گفتا پیم آی ومایست گفت روزیں پس مرا دستور نیست
باز گفت او را بیا اے پردہ سوز من باوج خود نرفتم ہنوز
گفت بیروں زیں حدائے خوش فرمن گر زنم پرے بسوزد پر من

یعنی ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ جیسی آپ کی اصلی صورت ہے ایک مرتبہ ہم کو اسی طرح دکھلا دو تا کہ ہم اس کو آنکھوں سے دیکھ لیں۔ یہ سن کر جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ سے نہ ہو سکے گا اور اس کے دیکھنے کے متحمل نہ ہوں گے اور چوں کہ حس جسمانی کمزور اور نازک ہے، اس لئے آپ پر اس کا دیکھنا شاق ہوگا۔ آپ نے فرمایا: خیر دکھلاؤ تو سہی! جسم کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اس کی حس کس قدر کمزور اور ضعیف ہے! جب کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرار فرمایا! تو انہوں نے اپنی وہ ہیئت جس سے پہاڑ پارہ پارہ ہو جاوے کسی قدر دکھلا دی، یعنی ان کے پر مشرق و مغرب کو گھیرے ہوئے تھے۔ اس صورت کو دیکھ کر مارے خوف کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو گئے۔

پس جب کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کو خوف زدہ اور بے ہوش ہونے کو دیکھا تو انہوں نے اپنی صورت فوراً بدل دی اور آ کر آپ کو گود میں لے لیا۔ (آدمی کے اندر حس جسمانی ہے جو کہ کمزور ہے اور دوسری ایک عالی شان مخلوق ہے سو) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر (بھی یہ دونوں باتیں تھیں، چناں چہ) وہ حس جسمانی جو مشاہدہ صورت جبریل کی تاب نہ لا سکی اور از خود رفتہ ہو گئی، وہ تو اس وقت مدینہ میں زیر زمین سو رہی ہے اور وہ عظیم الشان مخلوق جو کہ نہایت بہادر ہے اور ایسی مہیب شکلوں سے متاثر نہیں ہوتی، وہ بلا تغیر کے مقعد صدق میں مقیم ہے (بے تغیر ہم نے اس لئے کہا کہ) ایسے تغیرات یعنی تغیرات ناسوتیہ کو قبول کرنے والے اوصاف جسمانیہ

ہوتے ہیں، نہ کہ روح جو کہ ایک روشن آفتاب اور ظلمات ناسوت سے منزہ ہے، وہ بے تغیر وتبدل ہے، اس لئے کہ نہ وہ شرقی ہے نہ غربی، کیوں کہ شرق وغرب عالم خلق سے ہیں اور ارواح عالم امر سے اور جب کہ روح احمدی آفتاب ہے تو شکل جبریلی جو کہ اس کے مقابلہ میں ایک ذرہ ہے اس سے کیوں کر بے ہوش ہوسکتی ہے؟ اور جب کہ وہ ایک شمع ہے تو پروانہ سے کیوں کر بے ہوش ہوسکتی ہے؟ اس لئے کہا جاوے گا: جسم احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بے ہوشی سے تعلق تھا نہ کہ روح کو، کیوں کہ تغیر ناسوتی جسم ہی کا حصہ ہے روح سے اسے کوئی واسطہ نہیں، جیسے کہ بیماری نیند وتکلیف وغیرہ کہ یہ سب جسم سے متعلق ہیں، روح ان اوصاف سے پاک صاف اور علیحدہ ہے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ میں روح کے اوصاف بیان نہیں کرسکتا اور اگر اس کے اوصاف عالیہ بیان کروں تو عالم میں ہل چل پڑ جائے، اس لئے کہ کوئی ان اوصاف کے سننے کی تاب نہیں لاسکتا۔ تو جسم احمد صلی اللہ علیہ وسلم اس نظر سے بے ہوش ہوا تھا نہ کہ روح۔ اور وجہ اس بے ہوشی کی یہ تھی کہ ان کا بحر روح محبت دست حق سبحانہ سے پر جوش ہوکر تصرف فی الجسم سے غافل ہوگیا تھا۔

(اس پر اگر کوئی شبہ کرے کہ حضرت حق کے ہاتھ کہاں ہیں جس کی محبت سے وہ بحر پر جوش ہوا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ) چاند سراپا ہاتھ ہے، اس لئے کہ جو کام وہ ہاتھ سے کرتا، مثلاً دینا اور نور پھیلانا سو وہ اپنی ذات سے کرتا ہے، پس ایسی حالت میں اگر اس کے متعارف ہاتھ نہ ہوتو نہ سہی، پس اسی طرح کف حق سبحانہ کو سمجھ لو۔

(اس مضمون کو ختم کرکے آگے وہم تفضیل جبریل علیہ السلام برآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دفع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صورت جبریل کو دیکھ کر بے ہوش ہوجانے کو دیکھ کر تم کو جبریل علیہ السلام کی آں حضرت پر فضیلت کا شبہ نہ ہونا چاہیے، کیوں کہ آپ تو ان کو دیکھ کر تھوڑی ہی دیر بے ہوش رہے تھے اور وہ بے ہوشی بھی جسمانی تھی نہ کہ روحانی، لیکن) اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے روحانی عظیم الشان پروں کو کھول دیں (اور اپنے قوی عروج روحانی کو ظاہر فرمائیں) تو جبریل علیہ السلام ابد تک بے ہوش رہیں اور کبھی ہوش نہ آئے (آپ کے پروں کی فوقیت جبریل علیہ السلام کے پروں پر اس واقعہ سے ظاہر ہوگی کہ) جب آپ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے اور جبریل علیہ السلام کے مقام اور ان کی حد سے تجاوز کیا (تو جبریل علیہ السلام اپنے مقام پر ٹھہر گئے، اس پر) آپ نے فرمایا کہ (جبریل کیوں ٹھہر گئے؟) میرے پیچھے پیچھے آؤ، اس پر انہوں نے جواب دیا کہ آپ ہی تشریف لے جائیں مجھے آگے اجازت نہیں ہے، آپ نے پھر فرمایا کہ میرے پیچھے چلے آؤ، اس کا بھی انہوں نے یہی جواب دیا کہ اب میں آپ کا ہم سفر نہیں ہوسکتا، آپ نے پھر فرمایا کہ میں ابھی اپنی اصلی بلندی پر نہیں پہنچا ہوں، چلے آؤ، اس پر انہوں نے عرض کیا کہ اگر میں اس حد سے آگے پروں کو حرکت دیتا ہوں تو فوراً میرے پر جل جاویں گے (بس اس سے تم سمجھ لو کہ دونوں کے پروں میں کیا نسبت ہے) انتھی المثنوی و شرحه الحبیبی۔

یہی مضمون اجمال کے ساتھ دفتر اول قبل سرخی زیافت تاویل رکیک میں لائے ہیں بقولہ:

چوں معلم بود عقلش زابتدا بعد ازاں شد عقل شاگردے ورا
عقل چوں جبریل گوید احمدا گریکے گامے زنم سوزد مرا
تو مرا بگذار ازیں پس پیش راں حد من ایں بود اے سلطان جاں

رسالہ تخریج احادیث دفتر اول میں "خصائص کبری" سے یہ حدیث ان اشعار کے ذیل میں مذکور ہے: فی الخصائص الکبری فی حدیث طویل فی حدیث المعراج بروایۃ ابن أبی حاتم: ثم انطلق بی، حتی انتھی الی الشجرۃ، فغشیتنی سحابۃ، فیھا من کل لون، فرفضنی جبریل، و خررت ساجد اللہ تعالیٰ، الحدیث اور اس واقعہ کے تتمہ کا جس میں خوف احتراق آیا ہے پتا اشعار مثنوی کے قبل مذکور ہے۔

فصل دوم

در تحقیق سر معراج بر منہاج حقیقت وطریقت

از وعظ ''الرفع والوضع'' کہ اس حقیقت سے بھی اصل مقصود طریقت ہے، یعنی اس حقیقت کی تحقیق سے متبع کو کیا سبق لینا چاہیے، جیسے کمالات وصفات حق سے تخلق کا مضمون بزرگوں نے لکھا ہے، اس میں کمال معراجی سے تخلق ہے جس میں عمل ہے اطلاق آیت (لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ) (احزاب:۲۱) پر۔

وھذا تقریرہ!

مقصود یہ ہے کہ معراج سے کیا سبق ہم کو حاصل کرنا چاہیے تو سمجھئے کہ معراج کی حقیقت کیا ہے؟ لوگ معراج اس کو سمجھتے ہیں کہ حضور زمین سے آسمان پر تشریف لے گئے تو خوب سمجھ لیجئے کہ یہ عروج آسمانی حقیقت معراج نہیں، بلکہ صورت معراج ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ صورت آپ کے کمالات میں سے نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ حقیقت معراج اسی صورت پر موقوف نہیں بلکہ اس کا تحقق دوسری صورتوں سے بھی ہوسکتا تھا گو جو صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے متحقق ہوئی ہے وہ سب سے افضل واکمل ہے اور آپ معراج کی حقیقت وصورت دونوں کے جامع ہیں۔

اور یہاں سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عروج صوری یعنی عروج آسمانی کا انکار کرتے ہیں اور اس معراج کو منامی یا کشفی بتلاتے ہیں۔ سو یہ بالکل نصوص کے خلاف ہے بلکہ احادیث مشہورہ سے آپ کا آسمانوں پر تشریف لے جانا ثابت ہے۔ اور بیت المقدس تک تشریف لے جانا تو نص قرآنی سے ثابت ہے جس کا انکار بلا تاویل کفر ہے اور بتاویل، بدعت۔

ان منکرین معراج آسمانی کے پاس کچھ دلائل تو عقلی ہیں، کچھ نقلی۔ عقلی دلائل تو

یہ ہیں کہ اس سے افلاک میں خرق والتیام لازم آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فلاسفہ کے پاس فرق والتیام کے امتناع پر کوئی دلیل نہیں اور جب وہ دلائل پیش کریں گے اس وقت ان شاء اللہ ہم ان سب کا لغو و باطل ہونا ظاہر کر دیں گے۔ چناں چہ متکلمین اس سے فارغ ہو چکے ہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جس طرح حضور کی معراج کا قصہ احادیث میں آتا ہے کہ آپ اتنے جلدی سیر سماوات سے فارغ ہو کر واپس آ گئے کہ صبح بھی نہ ہونے پائی تھی۔ یہ محالات سے ہے کہ مکہ سے بیت المقدس تک اور پھر وہاں سے ساتویں آسمان تک آپ سیر کر آئیں اور یہ سارا قصہ ایک رات کے تھوڑے سے حصہ میں ہو جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس میں استحالہ کی کیا بات ہے؟ ہاں استبعاد ہو سکتا ہے۔ سو وہ بھی بطور الزام کے اس طرح مدفوع ہے کہ تمہارے نزدیک زمانہ حرکت فلک الافلاک کا نام ہے۔ چناں چہ رات اور دن کا آنا، طلوع و غروب کا ہونا یہ سب حرکت فلک سے مرتبط ہے، اگر حرکت فلک موقوف ہو جائے تو جو وقت موجود ہوگا وہی رہے گا، اگر رات موجود ہوگی رات ہی رہے گی دن موجود ہوگا دن ہی رہے گا تو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ نے اس رات حرکت فلک کو تھوڑی دیر کے لئے موقوف کر دیا ہو اور اس میں کچھ تعجب نہیں، معزز مہمان کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے دنیا میں بھی یہ قاعدہ ہے کہ جب بادشاہ کی سواری نکلتی ہے تو سڑک پر دوسروں کا چلنا بند کر دیا جاتا ہے۔

ہم جب حیدر آباد گئے تو ایک دن دیکھا کہ پولیس کے سپاہی لوگوں کو سڑک پر چلنے سے روک رہے ہیں، اس وقت سڑک پر سناٹا چھایا ہوا تھا، معلوم ہوا کہ نواب صاحب کی سواری نکلنے والی ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے حضور کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے آسمان اور چاند سورج سب کی حرکت کو اس رات کچھ دیر کے لئے بند کر دیا ہو کہ جو چیز جہاں ہے وہیں رہے، پس آفتاب جس جگہ تھا اسی جگہ رہا اور ستارے جہاں تھے وہیں رہے، کوئی بھی اپنی جگہ سے ہلنے نہ پایا۔ اس میں کیا استبعاد ہے؟

جب حضور معراج سے فارغ ہو گئے، پھر فلک کو حرکت کی اجازت ہو گئی تو اب ظاہر

ہے کہ حرکت فلک جس جگہ سے موقوف ہوئی تھی وہیں سے شروع ہوگئی تو آپ کی سیر میں چاہے کتنا ہی وقت صرف ہوا ہو مگر دنیا والوں کے اعتبار سے سارا قصہ ایک ہی رات میں ہوا، کیوں کہ حرکت زمانہ اس وقت موقوف ہو چکی تھی، اب اگر کوئی دوام حرکت فلک کا دعویٰ کرے تو وہ اس کے لزوم کو ثابت کرے، ان شاء اللہ ایک دلیل بھی قائم نہ کر سکے گا۔

دوسرا عاشقانہ جواب اس اشکال کا مولانا نظامی نے دیا ہے:

تن او کہ صافی تراز جان ماست اگر آمد وشد بیک دم رواست

یعنی یہ بات سب کو معلوم ہے کہ خیال انسانی ذرا سی دیر میں بہت دور پہنچ جاتا ہے۔ چناں چہ آپ اس وقت عرش کا تصور کیجئے تو ایک منٹ سے بھی کم میں عرش پر خیال پہنچ جائے گا۔ خیال کی حرکت بہت سریع ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خیال روح کی ایک قوت ہے اور روح نہایت لطیف چیز ہے، وہ مادیات کی طرح کثیف نہیں، اس لئے اس کی سیر میں کوئی حاجب و مانع نہیں ہوتا تو مولانا نظامی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک تو ہمارے خیال سے بھی پاکیزہ تر ہے۔ جب خیال ذرا سی دیر میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے تو آپ کا جسم اطہر زمین سے آسمان تک اور وہاں سے عرش تک ذرا سی دیر میں ہو آئے تو اس میں تعجب کی بات کیا ہے؟

ایک دلیل عقلی فلاسفہ جدید پیش کیا کرتے ہیں کہ ہوا کے طبقہ سے اوپر جو خلا وفضا ہے اس میں ہوا نہ ہونے کے سبب کوئی متنفس زندہ نہیں رہ سکتا تو آپ اس میں سے اگر گزرتے، زندہ کیسے رہتے؟ مگر انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ بعد تسلیم اس استلزام کے یہ اس وقت ہے جب متنفس کو اس میں کچھ مکث بھی ہو، چناں چہ آگ کے اندر سے اگر جلدی جلدی ہاتھ کو نکالا جائے تو آگ کا اثر نہیں ہوتا، پس آپ اگر نہایت سرعت کے ساتھ اس خلا میں سے گزر جائیں تو وہ عدم تنفس میں موثر نہ ہوگا۔

اور دلیل نقلی ان منکرین کے پاس حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ: واللہ مافقد جسد محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی لیلۃ الاسراء

کہ بخدا! شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مفقود یعنی غائب نہیں ہوا۔ اس کا جواب بعض بزرگوں نے تو یہ دیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کہاں تھیں (نیز اس وقت ان کی عمر بہت کم تھی، شاید چار پانچ سال کی ہوں اور اگر معراج سن ۵ نبوت میں ہوئی ہو جیسا کہ زہری کا قول ہے تو وہ اسی سال پیدا ہوئی ہوں گی۔ جامع (اس لئے اجلۂ صحابہ کی روایت اس واقعہ میں ان کی روایت سے مقدم ہے مگر اس کا حاصل بظاہر یہ ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بے تحقیق ایک بات فرمادی، ہم حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر یہ گمان نہیں کر سکتے، نہ ہی کسی صاحب ادب کو ایسی جرأت ہو سکتی ہے۔

یہ مانا کہ وہ اس وقت حضور کے گھر میں موجود نہ تھیں اور کمسن بھی تھیں مگر جو بات وہ فرما رہی ہیں وہ تو عقل و بلوغ کے زمانے میں ان سے صادر ہوئی ہے اور ایسے وقت میں وہ بدون تحقیق کے کوئی بات نہیں فرما سکتیں، یقیناً تحقیق کے بعد فرما رہی ہیں، ہاں! ممکن ہے کہ کسی دوسرے واقعہ کی نسبت فرماتی ہوں، کیوں کہ معراج میں تعدد ہے تو پھر کچھ بھی مضر نہیں۔ میرے ذہن میں اس کا جو جواب آیا ہے وہ بہت لطیف ہے، وہ یہ کہ فقدان کے دو معنی ہیں، ایک تو چیز کا اپنی جگہ سے گم ہو جانا، ہٹ جانا، دوسرے تلاش کرنا، چناں چہ دوسرے معنی میں فقدان کا استعمال نص میں بھی آیا ہے:

(قالوا و اقبلو علیهم ماذا تفقدون) (یہ معنی مجاز مرسل ہیں اطلاقاً للملزوم علی الازم، کیوں کہ عادتاً فقدان کے لئے طلب لازم ہیں، اسی بنا پر بعض تفاسیر میں اس کی تفسیر تطلبون سے کی ہے، والتفصیل فی حاشیة وعظ "الرفع والوضع") یعنی برادران یوسف علیہ السلام نے متوجہ ہو کر ندا کرنے والوں سے کہا تم لوگ کس چیز کو تلاش کرتے ہو؟ یہاں فقدان کے معنی طلب ہی کے زیادہ ظاہر ہیں۔

پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کا مطلب صاف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر تک گھر سے غائب نہیں رہے کہ آپ کی تلاش کی جاتی۔ یہ مطلب نہیں

کہ آپ ساری رات میں اپنے گھر سے جدا ہی نہیں ہوئے، وہیں رہے تاکہ اس سے معراج منامی یا کشفی پر استدلال کیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ گھر سے جدا تو ہوئے مگر زیادہ دیر نہیں لگی جس میں گھر والوں کو پریشانی ہوئی ہو اور تلاش کی نوبت آئی ہو۔ غرض اس میں شک نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی اور آپ اس جسم سے آسمانوں پر تشریف لے گئے، اس کا انکار ہرگز نہیں ہوسکتا اور یقیناً یہ صورت عروج حضور کا بڑا کمال ہے مگر معراج کو ایسی صورت میں منحصر نہ سمجھنا چاہیے اور نہ محض عروج آسمانی کے ساتھ حقیقت معراج کو مخصوص کرنا چاہیے، بلکہ اس کی حقیقت اس عروج کے علاوہ دوسری چیز ہے اور وہ قرب الٰہی ہے۔

جس کی ایک صورت یہ بھی تھی جو حضور کو پیش آئی ہے اور یہ اکمل صورت ہے مگر اس صورت کے علاوہ ایک دوسری صورت سے بھی اس حقیقت کا تحقق ہوسکتا ہے، کیوں کہ قرب الٰہی جو حقیقت معراج ہے کسی خاص صورت میں منحصر نہیں۔ پس سمجھنا چاہیے کہ قرب الٰہی کبھی بصورت عروج ہوتا ہے اور کبھی بصورت نزول اور کبھی دونوں طرح مجتمع ہوجاتا ہے، چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج عروجی اور نزولی دونوں ہوئی ہیں، اس لئے کہ قرب الٰہی جیسا کہ بوقت عروج آپ کو حاصل ہوا ہے نزول کے وقت بھی حاصل تھا، بلکہ یہ قرب پہلے سے زیادہ تھا جیسا عنقریب آتا ہے اور بعض انبیاء کو صرف عروجی معراج ہوئی ہے، جیسا کہ ادریس علیہ السلام کے متعلق **(ورفعنہ مکانا علیا)** (مریم:۵۷) کی تفسیر میں بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ زندہ دنیا سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں، اسی کو ایک عارف نے کہا ہے:

بمیر اے دوست پیش از مرگ اگرمی زندگی خواہی
کہ ادریس از چنیں مردن بہشتی گشت پیش ازما

پھر اس کے بعد ان کو نزولی معراج نہیں ہوئی اور جیسا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی طرح معراج ہوئی ہے اور اس کے بعد ابھی تک نزول نہیں ہوا مگر آخر زمانہ میں

نزولی ہوگا۔ اور یونس علیہ السلام کو نزولی معراج ہوئی ہے۔ اس کو مولانا رومی نے سمجھا ہے، واقعی بڑے محقق ہیں۔ بیان اس کا یہ ہے کہ مولانا نے ''مثنوی'' دفتر سوم میں ایک مقام پر حدیث: **لا تفضلونی علی یونس بن متی** کی تفسیر میں لکھا ہے:

گفت پیغمبر کہ معراج مرا نیست از معراج یونس اجتبا

آن من بالا وآن او بنشیب زاں کہ قرب حق برون ست از حسیب

قرب تر پائیں بہ بالا رفتن ست قرب حق از حبس ہستی رستن ست

اس تفسیر میں اشارہ اس طرف ہے کہ حدیث عام ہے، جس میں وہ سب امور داخل ہیں جن میں تفضیل سے وہم تنقیص ہوسکتا ہے۔

پس مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ جن باتوں میں تم کو میری فضیلت اور یونس علیہ السلام کے نقص کا شبہ ہو اس میں مجھ کو یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو جن میں قصہ معراج بھی داخل ہے کہ حضور تو ساتوں آسمانوں پر تشریف لے گئے آپ کو اس طرح معراج ہوئی اور یونس علیہ السلام عرصہ تک مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ ظاہر بینوں کو ان کی یہ حالت ناقص معلوم ہوتی ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ ان کی یہ حالت ناقص نہ تھی، بلکہ یہ یونس علیہ السلام کی معراج تھی جو بصورت نزول واقع ہوئی۔

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کو یونس علیہ السلام کی معراج پر فضیلت نہ دو (یعنی ایسی فضیلت جس سے وہم ان کے نقص کا ہو) اور یہ مت سمجھو کہ معراج صرف حضور ہی کو ہوئی ہے، یونس علیہ السلام کو نہیں ہوئی ایسا نہیں ہے، بلکہ ان کو بھی ہوئی۔ مچھلی کے پیٹ میں ان کا جانا یہ بھی معراج ہی تھی کیوں کہ معراج کی حقیقت ہے قرب حق اور وہ دونوں جگہ موجود ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرب حق اور صورت سے ہوا، عروجاً بھی اور نزولاً بھی اور یونس علیہ السلام کو قرب حق اور صورت سے حاصل ہوا کہ دریا میں غرق ہوئے اور مچھلی کے پیٹ میں رہے، جس کا قصہ مشہور ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا اور فرمایا کہ ایمان لے آؤ! ورنہ اتنی مدت میں

عذاب نازل ہوگا۔ جب وہ مدت قریب آئی تو آپ اس خیال سے کہ یہاں عذاب نازل ہوگا وہاں سے چل پڑے مگر حق تعالیٰ سے صریح اذن نہیں لیا۔ اور یہاں یہ قصہ ہوا کہ جب وہ تاریخ آئی، عذاب کی آمد شروع ہوئی، یہ آثار دیکھ کر لوگ گھبرائے اور ایمان پر آمادہ ہوئے اور یونس علیہ السلام کو تلاش کیا کہ ان کے ہاتھ پر ایمان لاویں، یہ نہ ملے تو انہوں نے کہا کہ اگر یونس علیہ السلام نہیں ہیں تو کیا ہوا؟ ان پر اور حق تعالیٰ پر ایمان لانا تو ممکن ہے، چناں چہ ایمان لے آئے اور عذاب ٹل گیا۔ یونس علیہ السلام لوگوں سے اس بستی کا حال پوچھتے رہتے تھے، جب کسی نے عذاب کی خبر نہ سنائی اور پورا واقعہ معلوم نہ ہوا تو آپ کو خیال ہوا کہ اب اگر واپس بستی میں جاؤں گا تو وہ لوگ جھٹلائیں گے کہ تمہارے قول کے موافق عذاب تو نہ آیا، اس شرمندگی کی وجہ سے واپس نہ ہوئے، بڑھے چلے گئے، راستے میں دریا پڑا اور آپ کشتی میں سوار ہوئے چلتے چلتے وہ کشتی چکر کھانے لگی، ملاح نے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ اس کشتی میں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا سوار ہے۔ اس وقت یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں بھائی! میں اپنے آقا سے بدون پوچھے بھاگ آیا ہوں، مجھے دریا میں ڈال دو، لوگوں نے ان کی صورت سے نیکی اور بزرگی کے آثار دیکھ کر اس کلام میں شبہ کیا بالآخر قرعہ اندازی ہوئی، جس میں یونس علیہ السلام ہی کا نام نکلا، چناں چہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں (**فساھم فکان من المدحضین**)۔ (صافات:۱۴۱) یونس علیہ السلام نے قرعہ اندازی کی تو وہی ہارے، پس لوگوں نے ان کو دریا میں ڈال دیا، وہاں ایک بہت بڑی مچھلی تھی، اس نے بحکم حق آپ کو نگل لیا اور قعر دریا میں پہنچی، چالیس دن اس کے پیٹ میں رہے مگر ہضم نہیں ہوئے حق تعالیٰ نے حفاظت فرمائی۔ مولانا اس کو معراج قرار دے کر فرماتے ہیں:

قرب نے بالا و پستی رفتن است ۔۔۔ قرب حق از حبس ہستی رستن است

یعنی حق تعالیٰ کے قرب کی حقیقت مکانی ارتفاع نہیں، بلکہ یہ ہے کہ بندہ اپنی ہستی کی قید سے چھوٹ جائے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ زہر کھالے یہ تو بڑا استا قرب

ہے، جو ایک پیسے کے سنکھیے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ سو یہ قید ہستی سے چھوٹنا نہیں، بلکہ اس میں تو قید ہستی کے موجود ہونے کی دلیل ہے، کیوں کہ خود کشی حرام ہے اور خلاف مرضی حق پر پیش قدمی کرنا قید ہستی یعنی دعوی وزعم استقلال ہستی کی علامت ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دعوی ہستی کو چھوڑ دے، اپنے کمالات سے نظر اٹھ جائے، اپنے ارادہ کو ارادۂ حق میں فنا کر دے۔ بس یہ ہے قرب کی حقیقت جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے اوپر نظر نہ رہے۔ حاصل یہ کہ تم خود ہی قرب حق سے اپنے حاجب ہو، اس کو مرتفع کرو۔

اس کو عارف فرماتے ہیں:

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز

اور اس کو حضرت شاہ بو علی قلندر فرماتے ہیں:

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

بلکہ ہمہ تن مشاہدۂ حق میں فنا ہو جائے کہ نہ اپنے کان کو اپنا کان سمجھے، نہ اپنی آنکھ کو اپنی آنکھ سمجھے، بس وہ حال ہو جائے **بی یبصر وبی یسمع** حضرت بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ نے حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا، عرض کیا: یارب، **دلنی الی قرب الطریق الیک** اے اللہ! مجھے اپنے تک پہنچنے کا نزدیک تر راستہ بتلا دیجئے۔ جواب میں ارشاد ہوا: **یا أبا یزید دع نفسک وتعال** یعنی اے بایزید! بس اپنے نفس کو چھوڑ دو اور چلے آؤ (یعنی اتباع نفس کو)۔ سبحان اللہ۔ کیا نزدیک راستہ بتلایا گیا ہے! اور یہی مراد ہے صوفیہ کے اس قول میں کہ مرید کو چاہیے کہ شیخ کے ہاتھ میں اپنے آپ کو ایسا سپرد کر دے **کالمیت فی یدالغسال**، یعنی جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ وہ جس طرف چاہتا ہے اس کو پلٹ لیتا ہے وہ کچھ نہیں کہتا، اسی طرح مرید کو ہونا چاہیے کہ شیخ کے ارادے میں اپنی رائے واختیار اور قصد کو فنا کر دے اور وہ اگر جگا دے تو جاگے، سلا دے تو سو رہے، نفلوں کا حکم کرے تو نفلیں پڑھے، منع کر دے تو چھوڑ دے، بشرطیکہ وہ خلاف شرع کا امر نہ کرے، اگر شیخ کامل ہے تو وہ ایسا کرنے ہی کیوں لگا؟ اور اگر ناقص ہے تو ایسے شیخ ہی کو سلام کرنا چاہیے۔

جب مرید شیخ کے ہاتھ میں اپنے کو اس طرح سپرد کردیتا ہے تو پھر اس کو خدا تعالیٰ کے بھی یہی تسلیم نصیب ہو جائے گی، اور ایک وہ وقت آئے گا کہ یہ آسانی کے ساتھ اپنے ارادہ واختیار کو ارادۂ خداوندی میں فنا کردے، یہی ہے قرب حق اور یہی قرب حق حقیقت ہے، معراج کی۔ اور ظاہر ہے کہ قرب حق تمام انبیاء علیہم السلام کو حاصل تھا تو حقیقی معراج سب کو حاصل تھی، گو بعض کو صوری نہ ہوئی ہو اور ادریس علیہ السلام کو تو ایک قول پر صوری بھی ہوئی ہے۔ اور مولانا رومی کی تحقیق کے موافق یونس علیہ السلام کو نزولی معراج ہوئی ہے، پس ان کو اس طرح قرب ہوا کہ اوپر سے نیچے بلائے گئے اور حضور کو اس طرح قرب ہوا کہ نیچے سے اوپر بلائے گئے اور یہ ضروری نہیں کہ معراج بصورت نزول ناقص ہوا کرے تاکہ اس بنا پر معراج یونسی علیہ السلام کو معراج محمدی سے مفضول کہا جاوے، گو دوسرے دلائل سے آپ کی معراج سب معراجوں سے افضل ہے مگر محض نزول کو ناقص ماننا اس کی بنا نہیں ہے۔

بلکہ صوفیہ کا تو مقولہ ہے کہ عروج سے نزول اُفضل ہے، چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج میں ایک تو آپ کی حالت عروجی تھی جبکہ آپ نیچے سے اوپر کو جارہے تھے اور ایک حالت نزولی تھی جب کہ آپ اوپر سے نیچے کو آرہے تھے۔

صوفیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نزولی حالت آپ کی پہلی حالت سے اکمل تھی اور اس سے یہ مت سمجھنا کہ میں یونس علیہ السلام کے نزول کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عروج پر ترجیح دے رہا ہوں، ہرگز نہیں، بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ حضور کو جو بھی نزول اور کبھی عروج ہوا ہے تو ان دونوں میں آپ کے عروج سے آپ کا نزول افضل تھا، باقی آپ کا عروج دوسرے دلائل سے ایسا اکمل ہے کہ وہ دوسروں کے نزول سے بھی افضل ہے مگر اس سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ نزول فی نفسہ نقص نہیں، غرض حضور کی معراج عروجی تو کامل ہے اور آپ کی معراج نزولی اکمل ہے۔

سو ان میں فرق کامل اکمل کا ہے ناقص کامل کا نہیں، کیوں کہ آپ کی جو حالت

بھی ہے وہ کمال سے خالی نہیں، گو بعض حالتیں بعض سے زیادہ کامل ہوں مگر ناقص کوئی نہیں۔ اور آپ کی معراج نزولی کا معراج عروجی سے افضل ہونا صرف صوفیوں کے قول ہی سے ثابت نہیں بلکہ اس پر دلائل موجود ہیں۔

ایک دلیل: تو یہ ہے کہ معراج کی غایت حق تعالیٰ نے رؤیت آیات بیان فرمائی ہیں، چناں چہ سورۂ نجم میں تو فرمایا ہے (لقد رای من ایت ربه الکبری) (نجم: ۸۱) اور سورۂ اسرا میں فرمایا ہے: (لنریه من ایتنا) اور ظاہر ہے کہ حضور کو آیات دکھلانے سے دو فائدے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ کی معرفت زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ آپ خود دیکھ کر دوسروں کو بتلا دیں۔

خلاصہ یہ کہ معراج سے دو مقصود تھے: ایک یہ کہ رؤیت آیات وازدیاد علوم سے آپ کی تکمیل ہو، دوسرے یہ کہ ان علوم سے آپ دوسروں کی تکمیل کریں۔ پہلا فائدہ لازمی ہے اور دوسرا فائدہ متعدی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو وقت فائدہ متعدیہ کے ظہور کا ہوگا وہ فائدہ لازمہ کے وقت سے افضل ہوگا کیونکہ بعثت رسول سے اصل مقصد افادۂ خلائق ہی ہے نیز دوسروں کی تکمیل سے خود رسول کے درجاتِ میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فائدہ متعدیہ کا ظہور بعد نزول کے ہوا تو نزول کا عروج سے افضل ہونا ثابت ہو گیا۔

دوسری دلیل: یہ آیت ہے (وللاخرۃ خیر لک من الاولی) (ضحیٰ: ۴)

اس کا بیان یہ ہے کہ ایک مرتبہ کچھ دنوں نزول وحی میں توقف ہو گیا اور کفار نے طعن کیا تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رنج وغم کا اثر ہوا اور آپ پر حالت قبض طاری ہو گئی تو بعد میں حق تعالیٰ نے آپ کو تسلی فرمائی اور سورۂ ضحیٰ نازل ہوئی۔ جس میں اول ان آیات قدرت کی قسم کھائی گئی ہے جن کو اس حالت سے خاص مناسبت ہے، فرماتے ہیں (والضحی، والیل اذا سجیٰ، ما ودعک ربک وما قلی) (ضحیٰ: ۱، ۳) قسم ہے دن کی اور رات کی جب کہ وہ قرار پکڑ لے۔ اس جگہ رات اور دن کی قسم بہت ہی مناسب ہے، کیوں کہ دن مشابہ ہے حالت بسط کے اور رات مشابہ ہے

حالت قبض کے، وجہ تشبیہ ایک تو یہ ہے کہ حالت بسط میں انوار کا توارد ہوتا ہے، اور دن بھی محل نور ہے اور حالت قبض میں وہ انوار نہیں رہتے تو وہ رات کے مشابہ ہے۔

دوسری یہ کہ جس طرح دن میں کاروبار زیادہ ہوتے ہیں اسی طرح حالت بسط میں سالک سے کام زیادہ ہوتا ہے اور حالت قبض میں کسی کام کو جی نہیں چاہتا، نہ نماز میں دل لگتا ہے، نہ ذکر میں، نہ تلاوت میں، تو قبض میں کام کم ہو جاتا ہے، وہ رات کے مشابہ ہے کہ اس میں بھی کاروبار بند ہو جاتے ہیں، حق تعالیٰ نے اس جگہ رات اور دن کی قسم سے مقام کی یعنی جواب قسم (ما ودعک ربک وما قلی) کی حقیقت بتلا دی جس کا حاصل یہ ہے کہ سالک ان دونوں حالتوں کا آنا ایسا ہے جیسے لیل ونہار کا تعاقب، بس جس طرح دن کے بعد رات آجانا غیر مقبول ہونے کی علامت نہیں، اسی طرح بسط کے بعد کہ توارد وحی ہے قبض کا آنا کہ توقف وحی ہے، غیر مقبول ہونے کی علامت نہیں، بلکہ جس طرح ہم نے عالم میں لیل ونہار کا اختلاف حکمت کے لئے رکھا ہے، یوں ہی سالک پر بسط وقبض کا تعاقب حکمت کے لئے مقرر کیا ہے، پس قبض سے پریشان نہ ہونا چاہیے۔

نیز اس میں قبض کی ایک حکمت کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ جس طرح دن میں اگرچہ کاروبار زیادہ ہوتا ہے مگر مخلوق کی راحت وآرام کے واسطے رات کا آنا بھی ضروری ہے، اگر رات نہ آوے تو کاروبار کا تعب زائل نہ ہو سکے گا، راحت وآرام کے لئے دن موضوع نہیں اس کے واسطے رات ہی کا وقت مناسب ہے۔

اسی طرح گو بسط میں سالک سے کام زیادہ ہوتا ہے مگر اس کام کے دوام کے لئے قبض کی بھی ضرورت ہے۔ اگر ہمیشہ بسط ہی رہے تو ایک نہ ایک دن کام کرتے کرتے اکتا جائے گا، اس لئے ہم قبض کی حالت مسلط کر دیتے ہیں تا کہ یہ زیادہ کام نہ کرے، تھوڑے ہی پر اکتفا کرے اور قدرے آرام مل جائے، پھر قبض رفع ہونے کے بعد جو بسط آئے گا تو اس کو پہلے سے زیادہ نشاط عمل میں ہوگا، اسی طرح پر قبض وبسط کے تعاقب سے یہ ہمیشہ کام کرتا رہے گا۔ اسی کو عارف فرماتے ہیں۔

از دست ہجر یار شکایت نے کنم گر نیست غیبتے نہ دہد لذتے حضور

اس معنی خیز قسم کے بعد جواب ارشاد فرماتے ہیں (ما ودعک ربک وما قلیٰ) (ضحیٰ:۳) آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ وہ آپ سے ناراض ہے۔ آپ بے فکر رہیں، اس میں تسلی تو ہوگئی، مگر یہاں ایک شبہ آپ کو ہوسکتا تھا، وہ یہ کہ گو قبض بسط لیل ونہار کی طرح متعاقب ہیں اور قبض سے مجھے کچھ تنزل نہیں ہوا مگر بظاہر بسط اس سے افضل ہے، کیوں کہ موافق للطبع ہے، اس میں کام بھی زیادہ ہوتا ہے، توجہ بھی اس میں عالم بالا کی طرف زیادہ رہتی ہے تو بسط میں ترقی زیادہ ہوتی ہوگی، گو قبض میں بھی خود قبض کے سبب سے تنزل نہ ہوتا ہو، مگر ترقی بھی تو بسط کے برابر نہیں ہوتی ہوگی۔ آگے اس شبہ کا جواب دیتے ہیں (وللاخرة خير لک من الاولیٰ) (ضحیٰ:۴) یعنی کل حالة آخرة لک خير من الحالة الأولى یعنی آپ کی ہر پچھلی حالت ہر پہلی حالت سے افضل ہے، اس لئے زمانۂ قبض کی حالت آپ کی اس بسط کی حالت سے افضل تھی جو اس سے پہلی تھی اور جب وہ پہلی حالت سے افضل تھی تو اس میں بھی ترقی بند نہیں ہوئی بلکہ برابر آپ کو ترقی ہو رہی ہے اور یہ جواب ایسا ہے جیسا کہ واقعۂ تحویل قبلہ میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ (وما كان الله ليضيع ايمانكم) جب بیت المقدس سے پھر کعبہ کی طرف قبلہ محول کیا گیا تو بعض صحابہ کو شبہ ہوا کہ جتنے دنوں ہم نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی ہے شاید ان میں ثواب کم ملا ہوگا، کیوں کہ تحویل سے معلوم ہوا ہے کہ اصلی قبلہ تو کعبہ تھا اور وہ قبلہ عارضی تھا اور اصلی قبلہ اور عارضی میں فرق ضرور ہے تو جو نمازیں عارضی قبلہ کی طرف ہم نے پڑھی ہیں ان میں کم ثواب ہوا ہوگا۔ حق تعالیٰ نے اس شبہ کا جواب دیا کہ ہم ایسے نہیں ہیں کہ تمہاری طاعات سابقہ کا ثواب کم کردیں یا ضائع کردیں۔ کیوں کہ تم نے تو بہرحال ہمارے حکم کی اطاعت کی ہے تم کو تو عارضی واصلی ہونا معلوم نہ تھا، اس لئے ثواب بھی تم کو کم نہیں ملا، بلکہ ان نمازوں میں بھی پورا ہی ثواب ملا ہے۔

اسی طرح حضور کو ارشاد ہوا کہ قبض وبسط ہماری طرف سے ہے اور آپ کے فعل کو اس میں کچھ دخل نہیں تو آپ کو حالت قبض میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے، ترقی میں کمی نہیں، خصوصاً جب کہ ہم نے آپ کو (قل رب زدنی علما) (طٰہٰ:۱۱۴) کی تعلیم دی ہے (اور ہماری یہ دعا تعلیم کرنا علامت اجابت ہے) تو آپ کو ہر وقت ترقی ہوتی رہتی ہے اور آپ کی ہر پچھلی حالت پہلی حالت سے افضل ہوتی ہے۔ پس جس بسط کے بعد قبض آیا ہے یہ قبض پہلے بسط سے افضل ہے، اور اس قبض کے بعد جو بسط آئے گا وہ اس قبض سے افضل ہوگا اور حضور کی تو بڑی شان ہے! حضرات صوفیہ نے ہر عارف کے متعلق یہی فرمایا ہے کہ عارف کی ہر حالت آئندہ ہر حالت گزشتہ سے افضل ہوتی ہے، کیوں کہ وہ ہر دم ترقی کرتا رہتا ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں!

سیر زاہد ہرر مہے یک روزہ راہ سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ

غرض جب عارف کو ہر دم ترقی ہوتی رہتی ہے تو اس قبض سے پریشان نہ ہونا چاہیے، بلکہ اس حالت کو نزول پر محمول کرنا چاہیے اور یہ سمجھ لے کہ یہ نزول پہلے عروج سے افضل ہے اور اس کے بعد جو عروج ہوگا، یعنی بسط وہ اس نزول سے افضل ہوگا۔

تو اب واقعہ معراج سے جو سبق ہم کو حاصل ہوا وہ دو باتیں ہیں: ایک یہ کہ معراج کی حقیقت قرب الٰہی ہے اور یہ سب انبیاء کو حاصل ہے۔ تو یہ کہنا چاہیے کہ معراج صرف حضور ہی کو ہوئی ہے اور کسی نبی کو نہیں ہوئی، نہیں! بلکہ معراج سب کو ہوئی ہے، ہاں! اجمالاً اس کہنے کا مضائقہ نہیں کہ حضور کی معراج اوروں کی معراج سے افضل واکمل ہے، وہ بھی اس طرح سے کہا جاوے جس میں دوسرے انبیاء کی معراج کی تنقیص نہ ہو، بلکہ صرف حضور کی افضلیت واکملیت کا بیان ہو اور معراج ہی کی کچھ تخصیص نہیں، مطلقاً تمام احوال ومقامات انبیاء میں تفصیلی فضیلت جب تک منصوص نہ ہو بیان نہ کرنا چاہیے، جیسا عام لوگوں کی عادت ہے اور غضب ہے کہ بعض مصنفین بھی جن پر معقول کا غلبہ ہے اس مرض میں مبتلا ہیں، میرا تو ایسی باتوں سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے، مثلاً

معراج ہی کے بارے میں اجمالاً یہ کہنے کا مضائقہ نہیں کہ حضور کی معراج دیگر انبیاء کی معراج سے افضل واکمل ہے، کیوں کہ آپ سید الانبیاء ہیں، آپ کو حق تعالیٰ سے جس درجہ قرب ہے وہ سب کے قرب سے بڑھا ہوا ہے اور معراج کی حقیقت قرب ہی ہے اور تفصیل کر کے یوں مت کہو کہ حضور کی معراج یونس علیہ السلام کی معراج سے اس لئے افضل ہے کہ آپ نیچے سے اوپر بلائے گئے اور وہ اوپر سے نیچے بلائے گئے، کیوں کہ میں بتلا چکا ہوں کہ نزول بنفسہ وجہ نقص نہیں، بلکہ نزول تو ہر صاحب عروج کا اس کے عروج سے افضل ہوتا ہے، گو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یونس علیہ السلام کا نزول حضور کے عروج سے افضل ہو مگر تاہم یہ تو معلوم ہو گیا کہ نزول فی نفسہ سبب نقص نہیں۔ اور اگر نزول کو علی الاطلاق نقص کہا جاوے تو نعوذ باللہ! آپ حق تعالیٰ کے لئے بھی نقص کو ثابت کریں گے، کیوں کہ وہاں بھی نزول ثابت ہے۔

حدیث میں ہے ینزل ربنا تبارک و تعالیٰ کل لیلة الی السماء الدنیا (ای یتوجه علی الخلق، فسمی توجهه الی الحوادث نزولا، ومقتضاه أن یصح اطلاق العروج علی توجهه تعالیٰ علی ذاته وصفاته، ولعل ذلک هو المأخذ لتسمیة الصوفیة توجه السالک الی الله تعالیٰ وصفاته عروجا وتوجهه الی الخلق نزولاً۔ واللہ اعلم (جامع) پس نہ عروج علی الاطلاق افضل ہوا نہ نزول، بلکہ جس کو جو عطا ہو جائے وہی افضل ہے۔

ایک سبق تو یہ ہوا اور اس مقام پر چند تنبیہات ہیں:

اوّل: اوپر سے نیچے آنے کو جو معراج نزولی کہا گیا ہے نہ صرف مکان کے اعتبار سے، بلکہ حقیقت نزول کے اعتبار سے، مگر اتفاق سے وہ حقیقت اس صورت کیساتھ مقرون ہو گئی۔

دوم: کسی نبی یا ولی کے کسی عروج کو جو اس کے کسی نزول سے افضل کہا گیا ہے اس سے اس کلیہ میں شبہ نہ کیا جاوے کہ نزول افضل ہوتا ہے کیوں کہ عروج کا افضل ہونا باعتبار بعض خصوصیات مقصودہ کے ہوتا ہے۔

سوم: یونس علیہ السلام کا نیچے جانا نزول کہا گیا ہے اور نزول کی افضلیت باعتبار توجہ الی الخلق للافادہ کے قرار دی گئی ہے سو اس وقت یہ افادہ کہاں تھا؟ جواب یہ ہے کہ ایک وجہ نزول کے افضل ہونے کی غلبہ انکسار وافتقار بھی ہے سو یہ حاصل تھی اور قبض کا انفع ہونا بسط سے اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے

دوسرا سبق اس واقعہ معراج سے سالکین کو یہ حاصل ہوا کہ وہ جو اپنے حالات کا فیصلہ خود کرلیا کرتے ہیں، یہ انکی غلطی ہے، مثلاً پہلے ذکر میں جی لگتا تھا خطرات نہ آتے تھے انوار کی کثرت تھی اسی کو وہ افضل حالت سمجھتے ہیں۔

پھر خطرات آنے لگے انوار میں کمی ہوگئی تو اب سمجھتے ہیں کہ ہم مردود ہوگئے خبر بھی ہے کہ وہ عروج کی حالت تھی اور یہ نزول کی حالت ہے، اور معراج کی حقیقت آپ کو معلوم ہوچکی ہے کہ معراج کبھی عروج سے ہوتی ہے کبھی نزول سے ہوتی ہے اور دونوں حالتیں مقبول ہیں پھر تم نزول کو اَدْوَن کیوں سمجھتے ہو؟ بس! سالک کی تو یہ حالت ہونا چاہیے۔

تو بندگی چوگدایاں بشرط مزد مکن که خواجہ خود روش بندہ پروری داند

چاہے قبض ہو یا بسط ہر حال میں خدا سے راضی رہے اور اپنے لئے کوئی حالت تجویز نہ کرے۔ اگر قبض کسی معصیت کی وجہ سے نہ ہو تو پھر اس کو نزول پر محمول کرنا چاہیے جو کہ صوفیہ کے نزدیک عروج سے افضل ہے، مگر اپنے لئے تجویز اس کو بھی نہ کرے، بلکہ جب بسط عطا ہو تو اسی میں خوش رہے، حق تعالیٰ نے قبض وبسط ونزول وعروج تمہاری مصلحت کے لئے عطا فرمایا ہے، وہی مصلحت کو خوب جانتے ہیں۔ ایک عارف فرماتے ہیں:

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خنداں است بعندلیب چہ فرمودۂ کہ نالاں است

ہاں! احتیاطاً کثرت استغفار قبض کی حالت میں کرلینی چاہیے، ممکن ہے کہ یہ قبض کسی ظاہری یا باطنی گناہ سے آیا ہو تو استغفار سے اس کا تدارک ہوجاوے گا:

ہر چہ برتو آید از ظلمات و غم آن زبیبا کی و گستاخی ست ہم
غم چو بینی زود استغفار کن غم بامر خالق آمد کارکن

خلاصہ سارے بیان کا یہ ہوا کہ واقعہ معراج سے ہماری دو غلطیوں کا ازالہ ہوا: ایک تو یہ کہ ہم لوگ مقامات انبیاء میں کلام کرتے ہیں، سو ہم کو ایسا نہ کرنا چاہیے تم کبھی اپنے قیاس سے یہ نہ کہو کہ فلاں نبی کا یہ مقام تھا اور یہ مقام دوسرے نبی کو حاصل نہ تھا، تم کو انبیا کے مقامات کی کیا خبر! جو تم یہ فیصلہ کرنے چلے ہو، اس کی وہی مثال ہے کہ لومڑی شیروں کا فیصلہ کرے اور اس کا ضمیمہ یہ بھی ہے کہ اولیاء کے مقامات میں بھی گفتگو نہ کرو۔

کیوں کہ انبیا کی طرح اولیاء کے مقامات بھی مختلف ہوتے ہیں، آج کل لوگ اس مرض میں بہت مبتلا ہیں، ایک کہتا ہے کہ میرے پیر کا تہجد کبھی ناغہ نہیں ہوتا۔ جاڑے ہوں یا گرمی، سفر ہو یا حضر ہمیشہ اپنے معمولات کو بخوبی پورا کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے کے پیر میں یہ کمال نہیں، اس کے معمولات کبھی ناغہ بھی ہو جاتے ہیں، تو وہ کہتا ہے کہ میرے حضرت کو خدا کی طرف ایسی توجہ دائم رہتی ہے کہ اس میں کبھی فرق نہیں آتا کہ ان کو معمولات ظاہری سے معمولات قلبیہ کا زیادہ اہتمام ہے۔

غرض کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے، یہ سب خرافات ہے، بس جس سے جس کو نفع ہو رہا ہو، اس سے لگا لپٹا رہے، تم کو تفضیل کے لئے کس نے کہا ہے؟ سالکین کو مقامات اولیا میں بھی کلام نہ کرنا چاہیے۔

دوسرا سبق یہ حاصل ہوا کہ سالک اپنے کسی غیر اختیاری حال کو برا نہ سمجھے، بشرطیکہ شریعت پر مستقیم ہو، شریعت پر استقامت کے ساتھ جو حال بھی پیش آئے اس پر راضی رہے اور سب کو عروج و نزول پر محمول کرتا رہے، یعنی کوئی حال عروج ہے کوئی نزول ہے اور دونوں نعمت ہیں۔ اھ ملخصاً

فصل سوم

در قصیدہ انوریہ فی مدح خیر البریہ

(مترجمہ مولوی حفظ الرحمٰن سیوہاری رحمہ اللہ)

تبارک من أسری وأعلی بعبده الی المسجد الأقصی الی الأفق الأعلی

(وفی نسخة: الملأ الأعلی)

بالاتر ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کوایک رات میں سیر کرائی مسجد اقصیٰ و افق اعلیٰ تک اور بلند مرتبہ عطا فرمایا۔

الی سبع أطباق الی سدرة کذا الی رفرف ابهی الی نزلة أخری

(وفی نسخة: الی جنة المأوی)

اور سیر سبع سموات تک اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور وہاں سے مقام رفرف تک جو مزین تھا قرب باری سے اور پہنچایا مرتبۂ نزول باری تک۔

وسوی له من حفلة ملکیة یشهد من آیات نعمته الکبری

اور مرتب کیا اس ذات اقدس کے لئے ایک فرشتوں کا جلوس تا کہ آپ خدائے قدوس کے نعمت عظمیٰ کے عظیم الشان نشانیوں کا مشاہدہ کریں۔

براق یساوی خطوه مد طرفه اتیح له واختیر فی ذلک المسری

اور اس ذات انور کی سیاحت کے لئے وہ براق منتخب و پسند فرمایا جس کی سبک رفتاری اس کی حد نظر تک تھی۔

وأبدی له طی الزمان فعاقه رویدا عن الأحوال حتاه ما أجری

زمانہ کی رفتار اور اس کے تغیرات تک کو کچھ دیر کے لئے آپ کے واسطے روک دیا گیا، اس لئے زمانہ ابتدائے سیاحت و انتہائے سیاحت میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوا۔

هنا موطن فوق الزمان ثباته علی حالة لیست به غیر تتری

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، اس بارگاہ اعلیٰ میں زمانہ سے بھی بلند تر مقام ہے،

جہاں حوادثات کو نیہ واختلافات کا قطعی گزر نہیں۔

وکانت بجبریل الأمین سفارة الی قاب قوسین استوی ثم اقصی

حضرت جبریل علیہ السلام کی سفارت قاب قوسین ہی تک رہی، اس لئے آگے وہ نہ چل سکے۔

اذا خلف السبع الطباق ورائه وصادف ما اولی لرتبته المولی

جب کہ اس ذات انور نے سبع سماوات کو پیچھے چھوڑ دیا اور اس جگہ پہنچا جس کو خدائے قدوس نے آپ کے لئے مخصوص فرمایا تھا۔

نعم طائر القدس المنیع بشاوه خوافیه تطوی موطن السر أو أخفی

کیوں نہ ہو جب بارگاہ قدس کا طائر پرواز کرتا ہے تو اپنے شہ پروں کے ذریعہ تمام مقامات خفیہ وسریہ کو طے کر جاتا ہے جہاں کسی کا گزر نہیں۔

وکان عیانا یقظة لا یشوبه منام ولا قد کان من عالم الرؤیا

اور آپ کا یہ مشاہدہ بیداری میں تھا، اس میں نیند وعالم رؤیا کو قطعاً کوئی دخل نہیں۔

قد التمس الصدیق ثم فلم یجد وصحح عن شدّاد البیهقی کذا

(دیکھو) شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے ''بیہقی'' میں روایت ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو تلاش کیا تو بستر پر نہ پایا۔

رأی ربه لما دنا بفؤاده ومنه سری للعین ما زاغ لا یطغی

جب آپ کو قرب حاصل ہوا تو رب ذوالجلال کی رؤیت نصیب ہوئی، جس کی ابتداء قلب سے ہوئی اور پھر وہاں سے آنکھوں میں سرایت کر کے مازاغ البصر وما طغی کا مصداق بن گئی۔

رأی نوره أنی یراه مؤمل وأوحی الیه عند ذلک بما أوحی

بے شک آپ نے نور خداوندی کو دیکھا اور اس کی کنہ اور حقیقت کو کہاں کوئی امیدوار دیکھ سکتا ہے! اس وقت خدا نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو اسے منظور تھا۔

بحثنا فآل أبحث اثبات رؤیة لحضرته صلی علیه کما یرضی

ہم نے رؤیت باری پر بحث کی اور خلاصۂ بحث یہ ہے کہ حضرت حق جل وعلا کی رؤیت آپ کو ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ پر درود بھیجے اپنی مرضی کے مطابق:

وسلم تسلیما کثیرا مبارکا کما بالتحیات العلی ربه حیّی

اور ہزاروں آپ پر سلام برکت نازل فرمائے، جس طرح معراج میں آپ نے حق جل وعلا پر سلام کے تحائف بھیجے۔

کما اختاره البحر ابن عم لبینا واحمد من بین الأئمة قد قوی

ہم نے رؤیت باری میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی پیروی کی ہے، جو امت کے بہت بڑے عالم ہیں اور جب کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تحقیق کی تقویت کردی۔

فقال اذا ما المروزی استبانه رآه رای المولی فسبحان من أسری

امام مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے جب مسئلہ رؤیت کو پوچھا تو امام برابر ہاں دیکھا، ہاں دیکھا فرماتے رہے، پاک ہے وہ ذات جس نے شب کو سیر کرائی۔

رواه أبو ذر بأن قدر أيته وأنی أراه لیس للنفی بل ثنیا

ابوذر غفاری نے روایت کیا ہے کہ آپ کو رؤیت باری ہوئی۔ پھر ان کی أنی أراہ روایت کرنا بر سبیل احتیاط ہے۔

نعم رؤية الرب الجليل حقيقة يقال لها رئويا بألسنة الدنيا

ہاں! خداوند جلیل کی رؤیت ایک ایسی حقیقت ہے جس کو دنیا میں رویا کے ساتھ تعبیر کیا جائے گا۔

ولا فمرأى جبريل عوادة وليس بديعا شكله كان أو أوفى

ورنہ یہ کہنا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو یہ تو کوئی عجیب بات نہ ہوئی، آپ ان کو بارہا دیکھتے تھے، نہ یہ کہنا کہ ان کو اصلی شکل میں دیکھا، کوئی نادر امر ہے۔

وذلک فی التنزيل من نظم نجمه اذا مارعی الراعی ومغزاه قد وفی

قرآن مجید میں سورۂ نجم کی تفسیر و نظم و ترتیب اسی طرح قائم رہ سکتی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اگر اس کی آیات کا پورا پورا حق ادا کیا جائے۔

وكان ببعض ذكر جبريل فانسری الی كلمه والطول فی البحث قد عنی

ہاں! بعض آیات میں ذکر حضرت جبریل علیہ السلام ہی کا تھا جو تمام کی طرف سرایت کر گیا، اسی لئے کلام طویل ہوا اور بحث نے مشقت میں ڈال دیا۔ (وفی نسخة: فاسترى)

وكان الى الأقصى سرى ثم بعده عروجا بجسم أن من حضرة أخرى

آپ کا مسجد اقصیٰ تک جانا اسرا کہلایا اور اس کے بعد آپ نے جسد اطہر کیساتھ عروج فرمایا، ہاں! اس جسم پاک نے بوقت عروج اس بارگاہ کے مناسب اوصاف اختیار کر لئے۔

عروجا الى أن ظللته ضبابة ويغشى من الأنوار اياه ما يغشى

(وفی نسخة: جللته)

آپ ملأ اعلیٰ کو تشریف لے گئے، وہاں آپ کو انوار و تجلیات کے ابر نے ڈھانپ لیا۔

ويسمع للأقلام ثم صريفها ويشهد عينا ماله الرب قد سوى

آپ اس مقام پر قلموں کے چلنے کی آواز کو سنتے تھے اور آپ کی چشم مبارک اس چیز کو دیکھتی تھی جو آپ کے لئے خدائے قدوس نے تیار کی تھی۔

ومن عض فيه من هنات تفلسف على جرف هار يقارف أن يردى

جو شخص ایسے امور میں فلسفہ کی رسوائیوں کو دخل دیتا ہے وہ ایسی ڈھانگ کے کنارہ کھڑا ہے جو عنقریب ورطۂ ہلاکت میں گرانے والی ہے۔

كمن كان من أولاد ماجوج فادعى نبوة بالغى والبغى والعدوى

اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اولاد ماجوج سے ہے اور جس نے اپنی بغاوت و تمرد و سرکشی سے نبوت کا دعویٰ کیا۔

ومن يتبع فى الدين أهواء نفسه على كفره فليعبد اللات والعزى

(وفی نسخة: على زيغه)

جو شخص دین میں بھی اپنے کفر و زیغ سے خواہشات نفسانیہ کا مطیع ہو وہ لات وعزیٰ کا پرستار ہے، خدا کا پجاری نہیں ہو سکتا۔

تمت القصيدة الكريمة وبتمامها تمت الضميمة

ولله المحامد العظيمة وعلى رسوله صلوات جسيمه

❀❀❀

کثرۃ الأزواج لصاحب المعراج

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الأسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الأسرار التی منہا والجلی اعنی بہ

مَوْلَانَا مُحَمَّدْ اَشْرَفْ عَلِی التّھَانَوِی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت ازواج پر مخالفین جو اعتراضات پیش کرتے ہیں ان کا التزامی جواب تو بکثرت دیا جا چکا ہے مگر تحقیقی جواب بہت کم دیا گیا ہے۔ اس رسالہ میں ایسے اعتراضات کے مکمل و مدلل جوابات تحریر فرما کر تحقیقی جواب سے بھی معترضین کا منہ بند کر دیا گیا ہے۔

کثرۃ الازواج لصاحب المعراج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد وصلاۃ، من جملہ اعتراضات مخالفین اسلام کے ایک اعتراض حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرتِ ازواج پر بھی ہے جس کا مدعیانِ ملت کو تو کچھ بھی حق نہیں، اس لئے کہ ان میں جو اہل کتاب ہیں وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے کثرت ازواج سے انکار نہیں کر سکتے اور جو اہل کتاب نہیں وہ بھی اپنے مقتداؤں کے لئے اس کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کا حاصل جواب الزامی ہے، باقی اس کے تحقیقی جواب بھی علمائے اسلام کے کلام (نمونہ کے لئے ملاحظہ ہو، ''مصالح عقلیہ'' حصہ دوم: ۵۰ تا ۵۵ اور ملاحظہ ہو اخبار ''مہاجر'' بابت ۱۴ ستمبر ۲۹ء) میں بلکہ دوسری اقوام اہل انصاف کے کلام میں بھی کافی شافی موجود ہیں اور بارہا نظر سے گزرے، مگر کبھی ان کی تکمیل یا تفصیل کا خیال نہیں ہوا۔

اتفاق وقت ہے کہ ان دنوں ایک اسلامی جریدہ میں اس کے متعلق مضمون نظر پڑا، بے ساختہ جی چاہا کہ اس کو مکمل و مفصل کر دیا جائے۔ چوں کہ بنا اس خیال کی جریدہ مذکورہ کا مضمون تھا اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کو اس مقصود کے لئے بمنزلہ متن قرار دے کر اول اس کو قدرے ضروری ترمیم کے ساتھ نقل کیا جائے تا کہ یہ نقل اس مضمون کی شکر گزاری بھی ہو جائے، پھر اس کی تفصیل کو بطور اس کی شرح کے قرار دے کر اس سے اس کو مکمل کر دیا جائے تا کہ شہادت بمنزلہ مشاہدہ بن جائے۔ اس شرح کا اصل عنصر خود حضرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی روایات ہوں گی اور شاید کچھ حصہ دوسرے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات بھی ہو جائیں۔ وہ مضمون جریدہ کا یہ ہے۔

● ...آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا سب سے پہلا اور سب سے آخری مقصد
● ...آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسوۂ حسنہ اور حیات طیبہ کے دو پہلو
● ...عالم انسانیت کے لئے شمع ہدایت اور راہِ نجات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دو پہلو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا سب سے پہلا اور سب سے آخری یہی مقصد تھا کہ آپ دنیا کو ورطۂ ہلاکت اور گردابِ بلا سے نکالنے کے لئے ایک عظیم الشان قانونِ الٰہی پہنچا دیں، جو من کل الوجوہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ کا کفیل ہو، جس کے بعد تا قیام قیامت کسی دوسرے قانون کی ضرورت نہ رہے۔

لیکن اس غرض کی انجام دہی کے لئے صرف یہی کافی نہ تھا کہ اس قانون الٰہی کی دفعات محض زبان سے پڑھ کر دنیا کی گم گشتہ راہ اور آوارہ دشتِ جہالت قوم کو سنادی جائیں، بلکہ اس مہتم بالشان مقصد میں فائز ہونے کے لئے ضروری تھا کہ خالق کائنات کا پیغام لانے والا سب سے پہلے اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو اس قانون کا پابند بناتا اور اس تعلیم کی صداقت کے ثبوت میں ایک عملی اور زندہ تصویر پیش کرتا۔

محض الفاظ وکلمات یا اوراق چنداں مؤثر اور نتیجہ خیز نہیں ہوسکتے، عملی قوت کے اندر ایک ایسی کشش موجود ہے جو انسانوں کو اپنی طرف مائل کرسکتی ہے۔ چناں چہ سرورِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا وہ عملی پہلو ہی تھا جس نے دنیا میں آنحضور کو (کامل) کامیابی دی۔ آپ نے ﴿لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ﴾ (احزاب:۲۱) کے ارشاد کی تکمیل میں اپنی زندگی کے ہر پہلو کو منشائے الٰہی کے مطابق ڈھال کر دنیا کو اسی راستہ پر گامزن ہونے کی دعوت دی۔

آپ کا قول اور فعل دو مختلف چیزیں نہ تھیں جو زبان مبارک سے فرماتے تھے وہی عمل میں پیش فرماتے اور جو کہتے وہی کرتے تھے۔

انسانی زندگی کے دو پہلو

ہر انسان کی زندگی کے دو پہلو ہوا کرتے ہیں۔ کسی کی عملی حالت کا اندازہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان دونوں رخوں کو بے نقاب کیا جائے، ورنہ اس کے متعلق کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی امید کرنا امر لاحاصل ہوا کرتا ہے۔

وہ دو پہلو یہ ہیں: ایک بیرونی زندگی۔ یہ زندگانی کا وہ حصہ ہے جو انسان لوگوں کے سامنے بسر کرتا ہے، اس حصہ کے متعلق ہر انسان کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لئے بکثرت شواہد دستیاب ہو سکتے ہیں۔

دوسرا پہلو انسانی زندگی کا وہ ہے جسے خانگی زندگی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ حیات انسانی کا وہ اہم حصہ ہے جس سے ایک انسان کی اخلاقی حالت کا صحیح پتہ چل سکتا ہے۔ ہر فرد گھر کی چہار دیواری کے حالات، خانہ داری کے نشیب و فراز، اہلیہ کے تعلقات اور دیگر راز و نیاز کی باتوں کو پردۂ راز میں رکھنا چاہتا ہے، کس وجہ سے؟ اس لئے کہ وہ انسانی کمزوریوں کا نقشہ پیش کرنے سے خائف ہے اور اس کی زندگانی کا یہ پہلو افراط و تفریط کا ایک کمزور مجموعہ ہوا کرتا ہے۔

پس ایسی صورت میں دنیا کے ہر انسان کی صحیح زندگی کا اندازہ کرنے کے لئے جو سب سے بہتر کسوٹی ہو سکتی ہے وہ یہی کہ اس کے خانگی حالات بھی دنیا کے سامنے اسی آب و تاب کے ساتھ پیش ہو سکیں جس طرح اس کی پبلک لائف عوام کے روبرو موجود ہو۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ

بس یہی وجوہ تھیں کہ دنیا کے انسان کامل، اللہ کے برگزیدہ رسول، نبیوں کے سردار اور کائنات عالم کے مختار (یعنی منتخب) صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر ہر لمحہ بتمام و کمال دنیا کے روبرو پیش کیا گیا۔ آپ کی پبلک لائف اور پرائیویٹ لائف دونوں زندگیوں کے حالات دنیا کو معلوم ہوئے، تاکہ عاشقان حق کے قلوب پر آپ کی عظمت و

صداقت کا سکہ جم جائے، عاشقان صادقین اپنی زندگی کے لمحوں کو اس الٰہی سانچے میں ڈھال سکیں اور آنے والی نسلیں آپ کی عملی زندگی کو اپنا دستور العمل بنا سکیں۔

دُنیا کا کوئی مذہب آپ کی نظیر پیش نہیں کرسکتا

چنانچہ آپ کی زندگی کے تمام حالات من وعن ایسی زبردست تحقیق وصحت کے ساتھ دنیا کے سامنے آئے کہ جس کی نظیر دنیا کا کوئی مذہب، کوئی قوم پیش نہیں کرسکتی۔ انبیائے سابقین میں سے بھی کسی کی زندگی کے حالات اس تفصیل وتدقیق کے ساتھ دنیا کے سامنے نہیں آئے کہ انسانی زندگی ہر الجھن اور شعبۂ حیات کے ہر مسئلہ میں ان سے سبق حاصل کرسکے اور یہ صرف پیغمبر آخرالزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ ہی تھا بلکہ آپ کی شان کا زیادہ کمال تھا۔

صل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیرونی زندگی اور خانگی زندگی کے عمل کو سرانجام دینے کے لئے خدا تعالیٰ نے خاص خاص وسائل اور اسباب مہیا کردیئے۔ چنانچہ ایسی دو جماعتیں پیدا ہوگئیں جنہوں نے اس ضروری فرض کو ایسی خوش اسلوبی اور احتیاط کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچایا کہ دنیا کے عقلا دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ پہلی جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تھی اور دوسری حضرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی۔

جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم

پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عشاق ومعتقدین کی ایسی جماعت ملی جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں ملنی دشوار ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شمع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر پروانہ وار اپنے تن من کو نثار کرنے پر ہر دم صرف آمادہ ہی نہ تھے بلکہ ایسی مسعود اور مبارک گھڑی کے انتظار میں ان کی آنکھیں تھک جاتی تھیں، انہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات دنیا ومافیہا سے زیادہ عزیز تھی، آپ کے ہر قول

وہر فعل کی اتباع کو اپنے لئے دین و دنیا میں کامیابی کی کلید سمجھتے تھے، آپ کی تقلید اور پیروی میں مرمٹنا ان کا مقصد حیات تھا۔ چنانچہ یہ اولوالعزم جماعت آپ کی پبلک لائف و بیرونی زندگی کے حالات کے لئے بطور شاہد تیار ہوگئی۔

ان کی بدولت آپ کی ہر حرکت و سکون، آپ کی نشست و برخاست، رفتار و گفتار، آپ کا کھانا پینا، ہنسا مسکرانا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا، عہد و مواعید، جنگ و صلح، امن و امان، دوستوں سے تعلقات، غیروں کے ساتھ طرز عمل، کفار سے معاملات، مسلمانوں کی نگہداشت وغیرہ وغیرہ غرض کہ آپ کی حیات طیبہ کے ہر ہر لمحہ اور ہر ہر گھڑی کا تفصیل وار مکمل مرقع تیار ہوگیا۔ پھر امت نے اس جماعت سے آپ کے تفصیلی حالات قلم بند کرنے اور ان کو تا قیام قیامت پوری صحت وصفائی کے ساتھ مامون ومحفوظ رکھنے کے لئے انتہائی تدقیق سے کام لے کر اس سے اپنی زندگی کے ہر شعبہ کو درست کیا۔ اور یہی چیز آپ کی راست بازی، پاک دامنی اور عملی جدوجہد کی بین دلیل اور دنیا کے سامنے آپ کی پبلک لائف کا خاکہ بن کر پیش ہوئی۔

اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت مقدس نے صرف آپ کی پبلک زندگی کو بالتفصیل دنیا کے سامنے پیش کیا، لیکن خانگی حالات کا نہایت ضروری حصہ دنیا کے روبرو پیش ہونا بھی باقی رہ گیا تھا، جس کے بغیر آپ کی سیرت ادھوری اور نامکمل رہنے کا اندیشہ تھا اور مخالفین کو اعتراضات کی گنجائش باقی۔ اس کام کے لئے ایک ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو تنہائی کے اوقات میں آپ کی رفیق ہوتی، جو راتوں کی تاریکیوں میں آپ کا ساتھ دیتی۔ چنانچہ ازواج مطہرات نے اس سلسلہ میں وہ خدمات انجام دیں جو خداوند کریم کو اپنے محبوب پاک کے اس شعبۂ زندگی کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے مناسب معلوم ہوئیں۔ اس مبارک جماعت کی بدولت

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہ مخفی اور ضروری ذخیرہ دستیاب ہوا جس نے آپ کی عظمت اور صداقت پر چار چاند لگا دیئے۔ اور حقیقت میں شہنشاہِ کونین کے لئے تعددِ ازدواج کا سب سے بڑا موجب یہی ضرورت تھی۔ کس کو کیا معلوم ہوتا کہ اللہ کے سچے مرسل اور توحید کے علم بردار اوقاتِ تنہائی کن مشاغل میں گزارتے ہیں؟ خلوت کی گھڑیاں کن کاموں میں بسر ہوتی ہیں؟

رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جب کہ اس عالم الغیب کے سوا کوئی دوسرا دیکھنے والا نہیں ہوتا کیا کچھ عمل میں آتا ہے؟ جس وقت طالبانِ استراحت خواب غفلت میں سرشار، بستروں میں بے خبر پڑے ہوتے ہیں نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم بستر سے محروم اور عیش و خواب سے مہجور ہیں۔ جب دنیا پر ہو کا سماں چھایا ہوتا ہے اس وقت وہ اپنے غم کدہ میں پڑے امت کے لئے متفکر اور اس کی رستگاری کے لئے علاج کے متلاشی ہوتے اور بارگاہِ خداوندی میں سربسجود ہو کر اس کے بخشوانے کی درخواست فرماتے۔ رات کے پچھلے پہر جب کہ مقدس اور لاہوتی وقت شروع ہوتا ہے تو اس وقت وہ کیسے گڑگڑا کر بارگاہِ صمدیت میں سجدۂ نیاز بجالاتے ہیں اور خدائے قدوس کی کیا کیا تمہید و تقدیس کرتے ہیں؟ کن کن الفاظ میں اپنی عبودیت اور انکسار کا اظہار فرماتے ہیں اور کیسے اس بارگاہِ لم یزلی میں تمام شب کھڑے کھڑے پاؤں ورم کر جاتے ہیں کہ جس کا خود خداوند کریم بھی اس طرح تذکرہ فرماتا ہے:

﴿یآ یھا المزمل ٥ قم الیل الا قلیلا٥﴾ الآیہ (مزمل:۱،۲)

یہی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی پرائیویٹ لائف کا ایک اہم حصہ ہے، جو اندھیری رات کی گھڑیوں میں گزرتا تھا اور جس کے اسرار کو ازواج مطہرات نے دنیا کے سامنے ایک قلم روشن کر دیا، آپ کی پرائیویٹ لائف کے ہر پوشیدہ اور مخفی امر سے پردہ اٹھایا، خلوت و جلوت میں راز و نیاز کی مخفی سے مخفی باتیں پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیں۔ شمع نبوت کے پروانوں نے محبوب کی ہر چھوٹی سے چھوٹی ادا کی تلاش

کی، حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازوں پر دستک دی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی اور نجی زندگی کے متعلق استفسارات اور چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ کے متعلق تفصیلی حالات بہم پہنچا کر دنیا کے سامنے آپ کی خانگی زندگی کو ایک شاہراہ عمل کی صورت میں پیش کر دیا۔ اللھم صل علی محمد و علی آل محمد.

آپ نے زیادہ نکاح کیوں کئے؟

یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پبلک لائف پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کثیرہ بطور شاہد تیار ہو گئی تھی، لیکن خانگی زندگی کے حالات کا بھی زبردست شہادت کے ساتھ دنیا کے سامنے بے نقاب ہونا ضروری تھا۔ چونکہ یہ ایک نہایت نازک معاملہ تھا اس لئے واقعات کے صحت کے متعلق کافی ثبوت و شواہد کے پیش کئے جانے کی سخت ضرورت تھی، اس لئے سوائے ازواج مطہرات کے اور کسی کا کام نہ ہو سکتا کہ خانگی زندگی پر بطور شاہد پیش ہو سکے، کیوں کہ بیوی جس قدر شوہر کی محرم راز اور اس کی طبیعت اور فطرت سے واقف ہو سکتی ہے کوئی دوسرا شخص ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ پس اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے متعدد نکاح کرنے کی ضرورت تھی تا کہ آپ کی خانگی زندگی کے متعلق تمام حالات نہایت وثوق کے ساتھ دنیا کے سامنے آ جائیں اور آپ کی خانگی زندگی کے ہر شعبہ کو امت اپنے لئے مشعل ہدایت بنا سکے۔

آپ نے دس نکاح کیوں کئے؟

یعنی بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ امت کی جان اور قوم کی روح رواں تھی اور دینی و دنیاوی ترقی کی شاہراہ تھی اس لئے اس کا من وعن متعدد ثقہ شواہد کی شہادت کے ساتھ دنیا کے سامنے آنا ضروری تھا، معاملہ کی نزاکت کے لحاظ سے شواہد کی بھی کثرت

ضروری ہے۔ تو ایسی صورت میں جب کہ مخفی حالات کا ظاہر ہونا عورتوں کے بغیر ناممکن تھا دس بیویوں کی گواہی تیار کی گئی (کہ جمع کثرت کا ابتدائی درجہ ہے) تا کہ تمام معاملات کی حیثیت کما حقہ واضح ہو سکے اور جب بیویوں کی وہ تعداد خداوند جل وعلا کے منشا کے مطابق جو اس شہادت کے لئے کافی ہو سکتی تھی پوری ہوگئی اور مزید شواہد کی ضرورت نہ رہی تو خدا تعالیٰ نے آپ کو اور بیویاں نکاح میں لانے سے منع فرمادیا اور اس کے ساتھ ہی موجودہ بیویوں میں سے کسی کو طلاق دے کر دوسری کو بیاہ لانے سے بھی منع فرمایا گیا، کیوں کہ شواہد کی تعداد مکمل ہو چکی تھی۔

(وهذا على قول في آية ﴿لا يحل لك النسآء من بعد﴾ الآية كما في "الكبير")

ایک اہم نکتہ

اگر نعوذ باللہ پیغمبر اسلام کو ان متعدد بیویوں سے تمتع یا حظ نفس ہی مقصود ہوتا تو پھر کیوں آپ اس حکم کی تکمیل کرتے؟ ایک عیش پرست انسان کب ایسی سخت پابندی کو قبول کر سکتا ہے جو اس کی نفسانی خواہشات کے سخت خلاف ہو؟ مگر بین حقیقت تو یہ تھی کہ وہاں نہایت ارفع واعلیٰ مقصود پیش نظر تھا۔ اگر آپ کا عندیہ وہی ہوتا جو مخالفین بتلاتے ہیں تو کیوں آپ عہدِ شباب میں بیوہ اور اپنے سے زائد العمر خاتون سے نکاح کرتے اور عہد شباب میں (اسی ایک پر) قانع رہتے؟ (خصوص جب کہ سردارانِ قریش زمانہ قیام مکہ میں کہ شباب یا قربِ شباب کا زمانہ تھا اور ازواج کی کثرت بھی نہ ہوئی تھی آپ کی خدمت میں بواسطہ عقبہ بن ربیعہ عرض گزار ہوئے کہ اگر آپ کو بیبیوں کی خواہش ہو تو آپ قریش کی دس لڑکیاں پسند فرمالیں، ہم ان سے آپ کا نکاح کردیں گے۔ آپ نے ان کی درخواست رد فرما کر "حٰمٓ فصلت" کی تلاوت تبلیغ کے لئے شروع فرمادی۔ عقبہ اپنا سا منہ لے کر واپس ہو گیا۔

(كذا في "روح المعاني" في تفسير أوائل "حٰمٓ فصلت" عن البيهقي)

(اگر آپ کو ان نکاحوں میں حظِ نفس غالب ہوتا تو آپ ان کی دل جوئی کی کوئی مناسب صورت تجویز کر کے اچھی سے اچھی لڑکیاں اپنے نکاح میں لے آتے۔) جب کہ آپ نے باقی تمام نکاح پچاس برس سے متجاوز عمر میں کیے اور وہ بھی ایک کے سوا تمام بیوگان سے (تو اس وسوسہ کی گنجائش بھی نہیں رہتی)۔ اس سلسلہ میں یہاں ایک غیر مسلم کی شہادت پیش کرتے ہیں، مسٹر باسورتھ سمتھ اپنی کتاب ''محمد اینڈ محمدن ازم'' کے صفحہ ۳۶ پر لکھتے ہیں۔ آپ کی قریباً تمام شادیاں بیوگان سے ہوئیں، جو نہ تو اپنے حسن و جمال کی خاطر مشہور تھیں اور نہ ہی دولت مندی کے لحاظ سے، بلکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا الخ۔ لہٰذا ان تمام واقعات کے بعد یہ امر آفتابِ نصف النہار کی طرح روشن ہو گیا کہ تعددِ ازدواج سے آپ کا مقصد ہرگز ہرگز حظِ نفس نہ تھا، بلکہ اس ذریعہ سے اپنی قوم اور اپنی امت کو اسوۂ حسنہ اور پرائیویٹ لائف میں طرزِ عمل سے آگاہ کرنا مقصود تھا۔

آپ کی زندگی کا ہر لمحہ خواہ وہ صحابہ میں بسر ہوتا یا گھر کی چاردیواری کے اندر، عدل و انصاف، عفت و پاک دامنی، تقویٰ و پرہیز گاری کی زندہ مثال تھا۔ آپ کا وجود، ہدایت و نورانیت کا مجسمہ تھا۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے آپ کے ہر طرزِ عمل کو لوگوں کے لئے مدارِ نجات ٹھہرایا اور آپ کی پبلک زندگی اور پرائیویٹ لائف کو تا قیام قیامت عاشقان صمدیت اور طالبانِ حقیقت کے لئے بے نقاب کر دیا کہ وہ اس پر عمل کر کے عاقبت کو سدھاریں۔

اللھم صل علی محمد و علیٰ آل محمد.

مضمون جریدہ کا ختم ہوا، آگے وہ روایات ہیں جو مضمون بالا کی شرح کے طور پر ہیں۔ چونکہ اس میں زیادہ روایات حضرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی ہوں گی اس لئے اول ان کے اسمائے مبارکہ لکھتا ہوں، پھر ان کی روایات بہ ترتیب لکھی جائیں گی، پھر دوسرے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات، اور ان روایات کا احاطہ مقصود نہیں محض بطور نمونہ کے ذکر کی جائیں گی، لیکن نمونہ کی مقدار بھی کافی ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور نام اس کا ''کثرۃ الازواج لصاحب المعراج'' تجویز کیا گیا ہے۔

اسمائے مبارکہ حضرات ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن

جو بوقت وفات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں۔ (بخاری، ابوداؤد، نسائی)

۱۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ۲۔حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

۳۔حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ۴۔حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

۵۔حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ۶۔حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

۷۔حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا ۸۔حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

۹۔حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا و حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کی منکوحات میں ہیں مگر ان دونوں کی وفات آپ کے سامنے ہوگئی تھی، دوسرے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ تعددِ ازواج کا بھی نہ تھا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا نکاح سے دو ہی مہینہ بعد وفات فرماگئیں اور ان سے روایات بھی کم ہیں۔ آگے ان کی مرویات آتی ہیں۔

نوٹ: ۱۔جس حدیث میں کسی کتاب کا نام نہ ہو وہ ''مسند احمد'' سے منقول ہوگی اور جو دوسری کتاب سے ہوگی وہاں اس کا نام ہوگا۔

۲۔اختصار کے لئے صرف حدیث کے ترجمہ پر اکتفا کیا گیا، شاید کسی مصلحت سے کہیں الفاظ بھی نقل کردیئے جائیں۔ ترجمہ بھی پوری حدیث کا ضروری نہیں، صرف ضروری حصہ لکھا جائے گا۔

۳۔حدیث کے متعلق ضروری موقع پر ضروری فوائد بھی مختصر مختصر لکھے جائیں گے۔

۴۔ان روایات میں تین قسم کے مضمون ہوں گے۔

الف: عورتوں کے مخفی حالات یا ان کے ساتھ مخفی معاملات کے متعلق احکام جن پر عورتیں آسانی سے مطلع ہوسکتی ہیں اور دوسری صحابیات سے جو ایسے احکام کے متعلق

روایات منقول ہیں گو عرب میں عجم کا سا تکلف نہ تھا اور اس لئے ضرورت کے وقت ایسے سوالات بھی کر لیتی تھیں مگر تاہم مردوں کی طرح بے تکلف بھی نہ تھیں، اس لئے ان روایات میں قلتِ عدد ضرور ہے اور قلت عدد کے سبب قلتِ کفایت بھی ہے، پھر اس پر بھی تتبع وتامل کے بعد بہ استثنائے شاذ جو کہ غیر کافی اور کالمعدوم ہے زیادہ تر ان میں بھی ازواج کا توسط ہے، خواہ اس طرح کہ ازواج کے ذریعہ سے سوال کیا یا اس طرح کہ ازواج مطہرات کے گھر جا کر ان بیبیوں نے سوال کیا۔ اگر ازواج نہ ہوتیں ان کو اس کا موقع کہاں ملتا، خواہ اس طرح کہ آپ نے غایت حیا سے لطافت کے ساتھ جواب دیا اور سائلہ نہ سمجھی، ازواج نے اس کی تکمیل وتوضیح کر دی ان سب اجزا کے یہ قرائن ہیں:

حدیث: ایک عورت کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کثرت سے خون جاری ہوتا تھا۔ اس کے لئے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا، الحدیث۔ (مالک وابوداؤد ودارمی)

حدیث: حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھ کو استحاضہ کثرت سے آتا تھا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فتویٰ پوچھنے آئی۔ میں نے آپ کو اپنی بہن زینب بنت جحش کے گھر میں پایا، الحدیث۔ (احمد وابوداؤد وترمذی)

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل حیض کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے بتلا دیا۔ اس کے بعد فرمایا: کہ ایک پھریری مشک آلود لے کر اس سے پاکی حاصل کرلو۔ اس نے پوچھا: کیسے پاکی حاصل کروں؟ فرمایا: بس پاکی حاصل کرلو۔ اس نے کہا: کیسے پاکی حاصل کروں؟ آپ نے (تعجب سے) فرمایا: سبحان اللہ! (اور کیسے بتلاؤں، موٹی بات ہے) اس سے پاکی حاصل کرلو۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) میں نے اس کو اپنی طرف کھینچ لیا اور اس سے کہا کہ جہاں خون کا اثر تھا تلاش کر کے اس پھریری کو اس جگہ رکھ لو۔ (یہ سب حدیثیں ''مشکاۃ'' میں ہیں)۔

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ سائلہ انصاریہ تھی اور اسی روایت میں ہے کہ اس کے بار بار پوچھنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم شرما گئے اور منہ پھیر لیا، میں نے اس کو اپنی طرف کھینچ لیا اور ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ انصار کی عورتیں بہت اچھی ہیں کہ دین کی بات سمجھنے میں ان کو حیا مانع نہیں ہوتی۔ (از جمع الفوائد)

ب: عورتوں کے ساتھ معاشرت کا طریقہ

ج: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ عبادات وعادات جو خلوت کے وقت واقع ہوتی تھیں۔ اور آسانی کے لئے اس کا بھی التزام ان شاء اللہ کیا جائے گا کہ روایات کے بعد ان مضامین سہ گانہ میں سے جو مضمون اس روایت کا مدلول ہوگا ان حروف الف، ب، ج سے اس پر تنبیہ کر دی جائے گی۔

اگر مدلول میں تعدد ہوگا حرف میں بھی تعدد ہوگا۔ اور گو ان سب کی تبلیغ قولی بھی ہوسکتی تھی جو امکان کے ساتھ بواسطہ رجال صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقع بھی ہوئی مگر جو اثر فعل میں اور جو انکشاف حکم کا وقوع جزئی میں ہوتا ہے وہ قول کلی میں نہیں ہوتا۔

۵۔ لطیفہ: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ تو تعددِ ازواج کا زمانہ ہی نہ تھا۔ اس لئے یہ لطیفہ ان کے بعد کے عددِ ازدواج کے متعلق ہے۔ یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے بعد کی ازواج کا عدد دس ہے۔ اس میں تین لطیفے ہیں: ایک یہ کہ یہ عدد جمع کثرت کا اقل ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت میں بھی جس کا آپ کو حق تھا قلت کا لحاظ رکھا، یہ ہے رعایت تعدیل کی۔ دوسرے: ضرورت تھی مصالح مذکورہ کے لئے شاہدوں کے عدد میں تواتر کی، سو بعض اقوال پر اس عدد سے تواتر بھی حاصل ہو جاتا ہے کما فی ''النخبۃ'' تیسرے: زمانہ تعددِ ازواج کا قیام مدینہ کا زمانہ ہے اور وہ دس سال ہیں۔ گویا سالوں کے عدد کا اوسط ازداج کے عدد کے اوسط کے برابر ہے۔

جیسا ایک بار میرے ذہن میں آیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف تریسٹھ سال کی ہے اور آپ نے حجۃ الوداع میں جن اونٹوں کی قربانی اپنے دست

مبارک سے کی وہ بھی تریسٹھ ہیں۔ گو ہر سال کے مقابلہ میں ایک اونٹ کی قربانی ہوئی، بقیہ قربانی کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے انتظام کر کے سو پوری کر دی گئیں۔ یا جیسے ایک عالم سے سنا تھا کہ آیت ﴿انک میت﴾ تیئسویں پارہ کے اخیر میں ہے اور آپ کی وفات بھی زمانہ نبوت سے تیئیسویں سال کے اخر میں ہے۔ یا جیسا ''اتقان'' میں نوع خامس وستون میں بعض کا قول آپ کی عمر شریف کے متعلق نقل کیا ہے کہ سورۂ منافقین کا عدد تریسٹھ ہے اور اس میں یہ آیت ہے: ﴿ولن یؤخر اللہ نفسًا اذا جآء اجلھا﴾ اور آپ کی عمر شریف بھی تریسٹھ سال ہے۔

نوٹ: چوں کہ یہ روایات شہادات ہیں جیسا لطیفہ بالا میں اس طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے اور شہادت کی وقعت میں شاہد کی عظمت کو خاص اثر ہے، اس لئے ان روایات سے پہلے ان شواہد یعنی حضرات ازواج مطہرات کے نہایت مختصر فضائل مذکور ہوتے ہیں کلیاً سب کے اور جزئیاً بعض کے اور جن بعض کے جزئیا منقول نہیں مدح کلی اس سے مغنی ہے۔

فضائل کلیہ حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

اوّل قرآن مجید سے پھر احادیث سے

آیات: ا۔ حق تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت پر استدلال میں ارشاد فرمایا: (یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ) گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ ضروریات سے ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز آپ کے لائق اور مناسب ہی دی گئی ہے۔ پس جب آپ ستھرے ہیں تو ضرور اس مقدمہ ضروریہ کے اعتبار سے آپ کی بیبیاں بھی ستھری ہیں۔

فائدہ: استدلال کے عام الفاظ سب ازواج مطہرات کو شامل ہیں، خواہ طیب

کے کچھ ہی معنی ہوں مگر ہر حال میں حضرات ازواج کا پاک ہونا ثابت ہوا۔

۲۔ارشاد فرمایا حق تعالیٰ نے: اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے) گھر والو! (یعنی اے بیبیو) تم سے (معصیت ونافرمانی کی) آلودگی کو دور کر رکھے اور تم کو (ظاہراً وباطناً، عقیدتاً وعملاً وخلقاً) بالکل پاک صاف رکھے۔

فائدہ: اس کے سیاق وسباق میں خطاب ازواج کو ہونا یقینی دلیل ہے کہ یہاں اہل بیت کا مصداق ازواج مطہرات ہیں۔ کما فی "الدر المنثور" عن ابن عباس: نزلت فی نساء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم خاصۃً وعن عکرمۃ: من شاء باھلتہ انھا نزلت فی أزواج النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم وعنہ ایضاً: لیس بالذی تذھبون الیہ، انما ھو نساء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم. باقی تذکیر ضمیر کی باعتبار لفظ اہل کے ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ: ﴿قال لاھلہ امکثوآ﴾.

باقی اہل عبا کا اس کا مصداق ہونا اس کی مفصل بحث بہ ذیل اس آیت کے ''بیان القرآن'' میں ہے اور گو یہ ارادہ تشریعی ہے اسی لئے اس سے عصمت پر استدلال صحیح نہیں اور ارادہ تشریعی سب مکلفین میں مشترک ہے، لیکن کلی مشکک کے طور پر زیادہ اعتنا خاص فضیلت پر ضرور دال ہوگا۔

۳۔فرمایا اللہ تعالیٰ نے: اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ کے بعد آپ کی بیبیوں سے کبھی بھی نکاح کرو، یہ خدا کے نزدیک بڑی بھاری (معصیت کی) بات ہے۔ (اور جس طرح یہ نکاح ناجائز ہے ایسے ہی اس کا زبان سے ذکر کرنا یا دل میں ارادہ کرنا سب گناہ ہے سو) اگر تم (اس کے متعلق) کسی چیز کو (زبان سے) ظاہر کروگے یا (اس کے ارادہ کو دل میں) پوشیدہ رکھوگے تو اللہ تعالیٰ (کو دونوں کی خبر ہوگی، کیوں کہ وہ) ہر چیز کو خوب جانتے ہیں (پس تم کو اس پر سزا دیں گے)۔

فائدہ: اس سے حضرات ازواج مطہرات کی کتنی بڑی عظمت ثابت ہوتی ہے کہ ان کو کسی امتی کا بدرجۂ زوجیت تابع بنانا جائز نہیں رکھا گیا۔

۴۔ارشاد فرمایا حق تعالیٰ نے کہ آپ کی بیبیاں مؤمنین کی مائیں ہیں۔

فائدہ: ازواج کا امہات ہونا باعتبار تعظیم کے ہے اور اسی تعظیم کی بناء پر ان کی تحریم کا حکم کیا گیا، کیوں کہ تعظیم کی ایک نوع تحریم بھی ہے۔

۵۔حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور تم (اے پیغمبر کی بیبیو) اپنے گھروں میں قرار سے رہو۔

فائدہ: اور ایک جگہ فرمایا: جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر (کھڑے ہوکر وہاں) سے مانگا کرو۔ یہ حکم پردہ کے متعلق ایک درجہ میں گو عام ہے مگر پھر بھی ازواج مطہرات کو اس خطاب کے ساتھ خاص کرنا حسب تصریح محققین اس بنا پر ہے کہ دوسری بیبیوں کے لئے وجہ اور کفین کا چھپانا واجب لغیرہ ہے اور حضرات ازواج کے لئے واجب لعینہ، اور احتجاب خود دلیلِ عظمت ہے، تو احتجاب خاص دلیل ہوگی خاص درجہ کی عظمت کی۔

اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ ازواج مطہرات کو تمام مؤمنین ماں سمجھتے تھے، نیز ان سے نکاح کسی وقت حلال نہ تھا جیسا ۳،۴ میں مذکور ہوا۔ ایسی حالت میں حجاب کا حکم بہ نسبت خوف وقوع فتنہ کے عظمت کے ساتھ معلل ہونا اقرب ہے، اس لئے وجہ و کفین بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ اس عدم استثنا کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سورۂ نور میں جہاں عام مؤمنات کو پردہ کا حکم ہے وہاں ﴿الا ما ظهر منها﴾ بڑھایا ہے اور سورۂ احزاب میں جہاں حضرات ازواج مطہرات کو حکم ہے وہاں نہیں بڑھایا گیا۔ اور لفظ وقوع سے جواب ہوگیا اس شبہ کا کہ ﴿فيطمع الذي في قلبه مرض﴾ سے تو فتنہ سے معلل ہونا معلوم ہوتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ مریض القلب کے میلان سے جو کہ داعی ہے مانع اقویٰ ہے یعنی تحریم موبد وامومیت۔

احادیث: ۱۔ "ترمذی" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں سے فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو تمہارے معاملہ کی بہت فکر ہے (یعنی میرے بعد تمہارے بسر کی کیا صورت ہوگی) اور تمہاری خدمت پر کوئی شخص ثابت قدم نہ رہے گا بجز صابرین صدیقین کے (یعنی کامل العمل وکامل العلم لوگوں کے)۔

فائدہ: فکر کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے ان کے لئے کسی سرمایہ کا جو ضروریات یومیہ کے لئے کافی ہو اہتمام نہیں فرمایا تھا، کیوں کہ آپ کی برکت وصحبت سے حضرات ازواج مطہرات کا مذاق بھی کامل توکل کا تھا۔ اسی واسطے ان سے کہیں منقول نہیں کہ ان کو یہ فکر ہوئی ہو یا حضور اقدس سے اس کی درخواست کی ہو اور اپنے لئے فکر کرنا گو توکل کامل کے خلاف ہے مگر کسی متوکل کی راحت کی فکر کرنا عین اطاعت ہے۔ پس حضرات ازواج مطہرات کا خود اپنی فکر میں پڑنا جیسا ان کے کمال کے خلاف ہوتا حضور اقدس کا ان کے لئے فکر کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عین کمال ہے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرات ازواج کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کس قدر وقعت تھی اور آپ کی نظر میں بجز کامل مقبولین کے کسی کی وقعت نہیں ہوسکتی۔ اس سے حضرات ازواج کی فضیلت ظاہر ہے۔

۲۔ مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا تھا (کہ خواہ اسی حالت قناعت میں میرے پاس رہو یا طلاق لے لو) ہم نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو) اختیار کیا الحدیث۔ (جمع الفوائد عن السنۃ الا مالکا)

فائدہ: اس میں تصریح ہے کہ حضرات ازواج مطہرات نے بمقابلہ متاع دنیا کے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آخرت کو اختیار کیا اور آیات تخییر میں ان اختیار کرنے والیوں کو:......... الف: محسنات یعنی نیک کردار فرمایا ہے۔

ب: اور ان کے لئے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

ج: ان کو قانتات وعاملۂ صالحات یعنی فرماں بردار و نیکوکار فرمایا ہے۔

د: اور ان کے لئے اجر مضاعف ورزق کریم کا وعدہ فرمایا ہے۔

ہ: ان کو متقی فرمایا۔

و: ﴿لستن کاحد من النسآء﴾ میں اور سب عورتوں سے افضل فرمایا۔

۳۔ حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی فلاں بی بی کی وفات ہوگئی۔ وہ (غایت تاثر سے)

سجدہ میں گر گئے۔ ان سے کہا گیا: آپ ایسے وقت میں سجدہ کرتے ہیں (حالانکہ ظاہرا کوئی موقع سجدہ کا نہیں) انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی بڑی نشانی (یعنی حادثہ عظیمہ) دیکھو تو (حق تعالیٰ کی عظمت کے سامنے تذلل اختیار کرنے کے لئے) سجدہ کرو۔ (کیوں کہ حوادث حق تعالیٰ کی عظمت کے استحضار اور اپنی پستی کے اظہار کو مقتضی ہیں) اور کون سی نشانی بڑی ہوگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے فوت ہو جانے سے۔ (مشکوٰۃ عن ابی داؤد والترمذی)

فائدہ: حاشیہ میں جو اس کی تقریر کی ہے مقصود میں اس کے کافی ہونے کی وجہ سے اس کو نقل کئے دیتا ہوں وہ یہ ہے: کیوں کہ حضرات ازواج مطہرات میں ایک فضیلت صحابی ہونے کی ہے، دوسری خاص فضیلت ہے زوجیت کی، جو کسی صحابی کو بھی حاصل نہیں۔ نیز ان کے فوت ہو جانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص احوال کے وہ خاص علوم فوت ہو جاتے ہیں جو صرف ان ہی کو معلوم ہیں الخ۔ (اور گو روایت کرنے کے بعد وہ علوم دوسروں تک بھی پہنچ جاتے ہیں مگر پھر بھی جس قدر انکشاف اسرار کا ان کو حاصل ہے وہ دوسروں کو ہو نہیں سکتا اور حاجت کے وقت ان سے انتفاع ممکن ہے، یہ تمکن من الانتفاع جس کے لئے روایت کافی نہیں ان ہی کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔

آگے حضرات ازواج کے فضائل جزئیہ منقول ہوئے ہیں، اول قرآن سے پھر احادیث سے پھر کتب اسماء الرجال سے۔

آیات: ۱۔ حق تعالیٰ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے متعلق جب کہ ان کو حضرت زید سے نکاح کرنے میں پس وپیش تھا ارشاد فرمایا: کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان دار عورت کو گنجائش نہیں الآیۃ۔

فائدہ: اس میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے صاحب ایمان ہونے کی شہادت صریح ہے، اس سے بڑھ کر کیا شہادت ہوگی کہ حق تعالیٰ کسی کے ایمان کی شہادت دیں۔

۲۔ اسی قصہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب زید کا اس سے (یعنی زینب سے)

ی بھر گیا (یعنی طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی تو) ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا (خواہ امراً و قولاً، خواہ فعلاً و احداثاً، دونوں قول ہیں)۔

فائدہ: اور ہر حال میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ ان کے نکاح کا اللہ تعالیٰ نے کس درجہ اہتمام فرمایا۔

۳۔ بعض ازواج کو مخاطب کر کے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اگر پیغمبر تم عورتوں کو طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دے دے گا، جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرماں برداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں ہوں گی الآیۃ۔

فائدہ: جن واقعات میں مقامی آیتیں نازل ہوئی ہیں ان کے متعلق روایات کے جمع کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت میں خطاب ان بیبیوں کو ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا۔ (کذا فی بیان القرآن) اور لفظ خیر جو کہ افعل التفضیل ہے اپنی اصلی وضع سے، جس سے عدول کا کوئی موجب نہیں اس پر صیغۂ دال ہوا کہ جن ازواج کے نام لئے گئے ہیں یہ سب ان اوصاف سے متصف ہیں۔ اس سے زیادہ کیا فضیلت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی شہادت سے ان حضرات کے لئے یہ اوصاف کمال ثابت ہوں اور دوسری آیت سے یعنی ﴿لستن کاحد من النسآء﴾ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ان اوصاف میں غیر ازواج سے افضل تھیں۔ پس غیر ازواج کو ان سے افضل فرمانا تحقیقاً و حالاً نہیں ہے بلکہ تقدیراً و مآلاً ہے یعنی اگر آپ ان کو طلاق دے دیتے تو اس وقت اللہ تعالیٰ دوسری بیبیوں کو ان سے بہتر بنا دیتے۔

احادیث عن کنز العمال

ہر چند مقتضا مقام کا یہ تھا کہ ذکر فضائل میں ان ہی بیبیوں کی تخصیص کی جائے جن سے اس رسالہ میں روایات منقول ہیں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی کوئی روایت

رسالہ میں منقول نہیں جیسا دیباچہ میں ان سب اجزاء کی طرف اشارہ بھی ہے، مگر دل نے گوارا نہیں کیا کہ جو بی بی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اول رفیق اور اول محبوب اور اسبق الی الاسلام ہوں ان کی فضیلت ذکر نہ کی جائے، اس واسطے تبرکا اول ان کی فضیلت مذکور ہوتی ہے پھر اوروں کی مگر سب مختصر مختصر۔

ا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بہترین نساء عالم ہیں۔ ۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت دوسری عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت بقیہ کھانوں پر۔

۳۔ چار بہنیں یعنی میمونہ اور ام فضل اور سلمی اور ان کی اخیافی بہن اسماء بنت عمیس سب (کامل) مؤمنین ہیں۔ ۴۔ مجھے حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا: حفصہ سے رجعت کر لیجئے، وہ بڑی روزہ رکھنے والی، بڑی شب بیداری کرنے والی ہیں اور وہ آپ کی بی بی ہوں گی جنت میں۔ ۵۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان [حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا] سے نکاح کا پیام دیا اور انہوں نے عذر کیا کہ میری طبیعت میں رشک ہے، سوتوں کے ساتھ نباہ نہ ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ) تم نے جو رشک کا ذکر کیا ہے (سو میں دعا کروں گا) اللہ تعالیٰ اس کو تم سے زائل کر دیں گے۔

فائدہ: یہ کمال کا بڑا درجہ ہے کہ طبیعت تابع شریعت کی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ کمال عطا فرمایا۔

۶۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے حضور نے فرمایا: تم ایک نبی کی بیٹی ہو (یعنی حضرت ہارون علیہ السلام کی) اور ایک نبی تمہارے چچا ہیں (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام) اور ایک نبی کے نکاح میں ہو (یعنی میرے)۔

فائدہ: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کچھ طعن کر دیا تھا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے حفصہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

۷۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لائے اور وہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: یہ بڑی اواہ (یعنی) رقیق القلب ہیں۔

فائدہ: یہ وہ صفت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدح میں فرمایا ہے: ﴿ان ابراھیم لاواہ﴾ الآیۃ.

اسماء الرجال

محدثین نے ان سب ازواج کے اسمائے مبارکہ پر جو بوقت وفات نبوی زندہ تھیں وہ علامت بنائی ہے جس کا مدلول یہ ہے کہ اصولِ ستہ میں ان سے روایت کی گئی ہے، صرف حضرت سودہ کے نام پر بخاری وابوداؤ د ونسائی کی علامت ہے اور ظاہر ہے کہ محدثین نے رواۃ میں کیسی کیسی سخت شرطیں لگائی ہیں تو محدثین کے اجماع سے یہ حضرات ان سب شرائط میں کامل ہیں اور اس باب میں اس اجماع سے بڑھ کر کون دلیل ہوگی اب ان حضرات مقدسات کی مرویاتِ موعودہ نقل کی جاتی ہیں۔

ومن اللہ التوفیق فی کل مقصود و طریق

مرویاتِ سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا

حدیث ۱: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے تھے: میں تمہاری خوشی اور ناراضی معلوم کر لیتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا: کس طرح؟ آپ نے فرمایا کہ جب تم ناراض ہوتی ہو تو یا محمد! کہتی ہو اور جب خوش ہوتی ہو تو یا رسول اللہ! کہتی ہو۔ (ب)

فائدہ: اور شیخین کی ایک روایت میں ہے کہ خوشی میں لا ورب محمد کے صیغہ سے قسم کھاتی ہو اور ناراضی میں لا ورب ابراہیم سے۔ اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ بی بی کا شوہر سے ناز میں روٹھ جانا یہ مضر عقیدت نہیں اور دوسروں کو ایسا کرنا خلافِ ادب اور مضر ہے اور روایتوں کا اختلاف اوقات کے اختلاف پر محمول ہے۔

حدیث ۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب (قصۂ افک میں) میرا

عذر (براءت) آسمان سے نازل ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو خبر دی۔ میں نے کہا کہ میں خدائے عزوجل کی حمد کرتی ہوں آپ کی حمد نہیں کرتی۔ (ب)

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ ان کے والدین نے آپ کے شکریہ کی فرمائش کی تھی، اس پر انہوں نے یہ جواب دیا۔ اس سے بھی وہی اوپر والا مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔

حدیث ۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل جنابت کرتے تھے۔ (الف)

فائدہ: یہاں ایک برتن سے ایک وقت میں پانی لے کر میاں بی بی کے غسل کرنے کا جواز ثابت ہوا۔ اس سے حیا کی حد ثابت ہوتی ہے کہ باہم میاں بی بی میں نہ اتنا تکلف ہونا چاہئے کہ بدن کے جس حصہ کے چھپانے میں تنگی ہے اس کو ایک دوسرے سے چھپانے کی کوشش کرے اور نہ اتنی بے حجابی ہونا چاہئے کہ جس حصہ کا چھپانا آسانی سے ممکن ہے جیسے عورتِ غلیظہ خواہ مخواہ اس کو ظاہر کیا جائے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے: ولا یتجردا تجرد العیرین. کذا فی "جمع الفوائد" عن البزار. اور "مسند" کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ میں نے کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ نہیں دیکھی۔

حدیث ۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو (تہجد کی) نماز پڑھنے کے لئے اٹھتے تھے تو اپنی نماز کو دو ہلکی رکعتوں سے شروع فرماتے تھے۔ (ج)

فائدہ: اس سے آپ کا شب کو عبادت میں مشغول ہونا اور اس کا ایک ادب معلوم ہوا۔

حدیث ۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (سفر حج میں) قافلے ہمارے پاس کو گزرتے تھے اور ہم احرام باندھے ہوئے تھے، جب وہ ہمارے برابر کو آتے (یعنی برابر آنے کے قریب ہوتے) تو ہم اپنا چادر سر پر سے چہرہ کے سامنے لٹکا لیتے اور جب وہ آگے گزر جاتے تو پھر چہرہ کھول لیتے۔ (الف و ب)

فائدہ: چہرہ کے سامنے کا مطلب یہ ہے کہ چہرہ سے علیحدہ رکھتے، کیوں کہ احرام میں عورت کو چہرہ سے کپڑا فاصلہ سے رکھنا چاہئے، جیسے آج کل جالی دار پنکھا بیچ میں رکھتے ہیں۔اور اس حدیث سے رعایت بی بی کی ثابت ہوئی کہ اگر جنگل ہو جہاں کوئی سامنے نہ ہو وہاں اتنا مبالغہ کرنا کہ مثلاً گاڑی کا پردہ نہ کھولنے دیں، یہ غلو ہے، اتنا کافی ہے کہ جب کسی کا سامنے ہونے کا احتمال ہو پردہ چھوڑ دیں، جب سامنے نہ رہے اٹھا دیں۔

حدیث ۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوٹھری میں نماز پڑھ رہے تھے اور دروازہ بند تھا (یعنی زنجیر لگی تھی) میں آئی (اور آپ کو معلوم ہو گیا) آپ نے چل کر میرے لئے دروازہ کھول دیا، پھر اپنی جگہ لوٹ گئے اور انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا (اس لئے آپ کو گھومنے کی ضرورت نہیں ہوئی)۔ (ب وج)

فائدہ: اس سے آپ کا ایسی تنہائی میں کہ دروازہ بھی بند تھا عبادت میں مشغول ہونا اور بی بی کی اتنی مراعات کرنا کہ نماز میں ان کی راحت کا خیال کیا کہ ان کو انتظار میں کھڑے ہونے کی تکلیف نہ ہو ثابت ہوا۔اور چوں کہ آپ کا حجرہ شریفہ نہایت ہی مختصر تھا اس لئے چلنے سے مراد ایک دو قدم اٹھانا ہے، متعارف چلنا نہیں۔اور چوں کہ آپ فرائض مسجد ہی میں پڑھتے تھے یہ نماز نفل تھی، نفل میں بہ ضرورت اتنی گنجائش ہے۔

حدیث ۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری وقت میں) میں آپ کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے تھی، یا فرمایا کہ اپنی گود میں لئے ہوئے تھی، آپ نے طشت منگایا، (جس میں پانی تھا، جس کو آپ اپنے چہرے پر پھیرتے تھے) سو آپ میری ہی گود میں ڈھیلے ہو گئے اور مجھ کو خبر بھی نہیں ہوئی۔(ب)

فائدہ: اس سے بی بی کے حقوق کا اندازہ ہو سکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مشروع تعلق مخلوق کا تعلق مع اللہ کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے جب کہ اس میں نہ معصیت ہو نہ غلو ہو۔

حدیث ۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(مسجد میں) اعتکاف فرماتے تھے اور مسجد سے اپنا سر مبارک میری طرف (حجرہ میں) نکال دیتے تھے، میں آپ کا سر دھوتی تھی اور میں حالتِ حیض میں ہوتی تھی۔ (الف)

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ مسجد سے سر باہر نکال دینے سے اعتکاف میں خلل نہیں آتا اور معلوم ہوا کہ حائضہ سے ایسی خدمت لینا جائز ہے۔

حدیث ۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے نماز پڑھا کرتے تھے اور چادر کا ایک پلہ آپ (کے بدن مبارک) پر ہوتا تھا اور دوسرا پلہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ہوتا تھا۔ (الف)

فائدہ: اس سے بھی وہی مسئلہ ثابت ہوا جو حدیث نمبر ۷ سے ثابت ہوتا ہے۔

حدیث ۱۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں سے ان کی حالت حیض میں ازار سے اوپر بدن سے بدن ملا لیتے تھے۔ (الف)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ایسی حالت میں بی بی سے معانقہ وملامست تقدس کے خلاف نہیں، البتہ ناف سے زانو تک ہاتھ وغیرہ لگانا جائز نہیں، ازار سے اوپر کا یہی مطلب ہے۔

حدیث ۱۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب کو (نماز میں طویل) قیام فرماتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے دونوں قدم (مبارک) پھٹ جاتے تھے۔ (اور ایک روایت میں ہے کہ دونوں قدم مبارک ورم کر گئے اور یہ پھٹنا شدتِ ورم ہی سے تھا) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ ایسی محنت (شاقہ) کیوں کرتے ہیں یا رسول اللہ! حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سب اگلے پچھلے قصور معاف فرما دیئے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں (یعنی ایسی عبادت صرف مغفرت ہی کے لئے تھوڑا ہی ہوتی ہے، نعمت پر شکر کے لئے بھی ہوتی ہے۔ سو جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنا بڑا انعام فرمایا، میں اس کے شکر کے لئے اس عبادت کو بجا لاتا ہوں) پھر جب (بڑھاپے سے) آپ کا گوشت (ڈھیلا ہونے سے) زیادہ ہو گیا (اور زیادہ قیام پر قدرت نہ رہی) تو آپ بیٹھ

کر پڑھنے لگے، پھر جب رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے تو کھڑے ہو جاتے، پھر قرأت کر کے رکوع میں چلے جاتے (بخاری) ''قسطلانی'' میں ہے کہ ہشام کی روایت میں ہے کہ تیس چالیس آیتیں پڑھ کر رکوع میں جاتے الحدیث۔ (ج)

فائدہ

وللہ در القائل:

ظَلَمْتُ سُنَّۃَ مِنْ اَحْیَا الظَّلَامَ اِلٰی   اَنِ اشْتَکَتْ قَدَمَاہُ الضَّرُّ مِنْ وَرَمٖ

حدیث ۱۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کسی امر پر ناخوش ہو کر زجر کے لئے) قسم کھائی تھی کہ ایک مہینہ تک اپنی بیبیوں کے پاس نہ آئیں گے۔ وہ فرماتی ہیں کہ آپ انتیس روز تک اسی حالت میں رہے۔ پھر جس بی بی سے اول آپ نے ابتدا فرمائی وہ میں تھی۔ (یعنی سب سے اول میرے پاس تشریف لائے۔ حساب سے ان ہی کا دن ہوگا) میں نے آپ سے عرض کیا کہ کیا آپ نے ایک مہینہ کے لئے قسم نہیں کھائی تھی اور میں نے انتیس دن گنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ مہینہ انتیس ہی کا تھا۔ (ب)

فائدہ: بیبیوں کے ساتھ باوجود محبت کے تادیب بھی ضروری ہے۔

حدیث ۱۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشا کے بعد (مراد اخیر شب ہے) گیارہ رکعت پڑھتے تھے (یہ تہجد و وتر کی نماز تھی) پھر جب صبح ہو جاتی تھی تو دو رکعت خفیف پڑھتے تھے (یہ صبح کی سنتیں ہیں اور اس سے معلوم ہوا کہ تہجد کی رکعتیں طویل ہوتی ہیں)۔ پھر (ذرا راحت لینے کے لئے) اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ رہتے تھے یہاں تک کہ مؤذن آ کر نماز کی اطلاع کرتے تھے۔ (ج)

حدیث ۱۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بیمار ہو گئے تو آپ نے اپنی بیبیوں سے اس کی اجازت چاہی کہ میرے گھر میں آپ کی تیمارداری کی جائے، ان سب نے

اجازت دے دی۔الحدیث (ب)

فائدہ: اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیبیوں کے پاس رہنے میں عدل فرماتے تھے، اگرچہ ایک قول میں آپ پر عدل واجب نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ اگر شوہر ایک کی باری میں دوسری کے گھر رہنا چاہے تو باری والی سے اجازت حاصل کرے۔ تیسرے یہ کہ بی بی کو بھی مناسب ہے کہ ایسے امور میں شوہر کی راحت کی رعایت کرے۔

حدیث ۱۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو جنبی ہوتے تھے، پھر روزہ رکھ لیتے تھے۔ (الف)

فائدہ: مطلب یہ کہ غسل جنابت کرنا صبح صادق سے پہلے ضروری نہیں، یہ ضروری ہے کہ نماز اپنے وقت پر ہو جائے۔

حدیث ۱۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب میں (تہجد کی) نماز پڑھتے تھے، جب نماز سے فارغ ہوتے تھے لیٹ رہتے۔ اگر میں جاگتی ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے اور اگر میں سوتی ہوتی تو سو جاتے، یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں مؤذن حاضر ہوتا۔ (ب وج)

فائدہ: کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آنکھ لگ جاتی۔

حدیث ۱۷: ابوسلمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رمضان میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز (تہجد) کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اکثر احوال میں تہجد و وتر) گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے نہ رمضان میں نہ غیر رمضان میں۔ (اول) چار رکعت پڑھتے تھے، ان کی خوبی اور طول کا کچھ حال نہ پوچھو (یعنی بہت ہی طویل اور بہت ہی کامل ہوتی تھیں) پھر (اور) چار پڑھتے، ان کی خوبی اور طول کا بھی کچھ حال نہ پوچھو۔ (یہ تو تہجد ہو گیا) پھر تین رکعت (وتر) پڑھتے تھے (اور رمضان میں تراویح اس سے الگ ہے اس کے متعلق سوال نہ تھا)۔

وہ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ سے سوال کیا: آپ وتر سے پہلے سو رہتے ہیں؟ (پھر اٹھ کر بدون وضو کئے ہوئے وتر پڑھ لیتے ہیں) آپ نے فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں اور قلب نہیں سوتا (یعنی اتنا ہوش رہتا ہے کہ وضو باقی ہے یا نہیں، جیسے اونگھ کی حالت ہوتی ہے، اس لئے سونے سے میرا وضو نہیں ٹوٹتا)۔(ج)

فائدہ: میں نے جو اکثر احوال کی قید لگائی، وجہ یہ ہے کہ بعض روایات میں اس سے زیادہ رکعات بھی آئی ہیں، چنانچہ مسلم کی ایک روایت میں تیرہ رکعت آئی ہیں۔ کذا فی المشکاۃ

حدیث ۱۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب حالت جنابت میں سونے کا ارادہ فرماتے تھے تو نماز کا سا وضو کر لیتے تھے۔(ج)

فائدہ: ایسا کرنا مستحب ہے۔

حدیث ۱۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بعد طوافِ افاضہ کے معمولی ایام ہو گئے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا: کیا یہ ہم کو (جانے سے) روکے گی؟ میں نے عرض کیا کہ یہ طوافِ افاضہ کر چکی ہیں۔ آپ نے فرمایا: تو پھر چلی چلے، یا یہ فرمایا کہ تو پھر نہ روکے گی۔ (کیوں کہ اس صورت میں صرف وداع باقی ہے، جو مسجد میں کیا جاتا ہے اور وہ حائضہ کو معاف ہے۔ باقی رمی جمار یہ منیٰ میں مسجد سے خارج ہوتا ہے)۔(الف)

حدیث ۲۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے اور ان کو مقام سرف میں مکہ میں داخل ہونے سے پہلے معمولی ایام ہو گئے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ حاجی جو کچھ مناسک ادا کرتا ہے تم سب ادا کر لو، مگر اتنی بات ہے کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرنا۔ (کیوں کہ ایسی حالت میں طواف جائز نہیں) وہ فرماتی ہیں کہ جب ہم منیٰ میں پہنچے تو میرے پاس گائے کا گوشت لایا گیا۔

میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ کہنے والوں نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں کی طرف سے گائے کی قربانی فرمائی تھی۔(الف وب)

فائدہ: اس سے نہ یہ لازم آتا ہے کہ سات سے زیادہ کی طرف سے کی ہو اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ بلا اطلاع کسی کی طرف سے قربانی کرنے سے واجب قربانی ادا ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے جن بیبیوں کی طرف سے آپ نے قربانی کی ہے ان پر واجب ہی نہ ہو، یا اگر واجب ہو آپ نے ان کو اطلاع فرما دی ہو۔

حدیث ۲۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روزہ دار ہونے کی حالت میں ان کی تقبیل فرما لیتے تھے۔ تقبیل بوسہ گرفتن (الف)

حدیث ۲۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ مسابقت فرمائی، (یعنی ان سے فرمایا کہ میرے ساتھ دوڑو اور آگے نکل جانے کی کوشش کرو) میں آپ کے ساتھ دوڑی اور آگے نکل گئی (یہ زمانہ ان کے لڑکپن کا تھا) پھر ایک مدت تک اپنی حالت پر رہے یہاں تک کہ جب مجھ پر گوشت چڑھ گیا (جیسا لڑکپن کے بعد ہوتا ہے) پھر میرے ساتھ مسابقت فرمائی، سو آپ آگے بڑھ گئے۔ پھر آپ نے فرمایا: یہ اس کے بدلہ میں ہے (یعنی پہلے تم آگے نکل گئی تھیں اب ہم آگے بڑھ گئے) اور اس کے متصل ہی روایت میں ہے کہ وہ اس وقت لڑکی تھیں اور آپ کے ساتھ سفر میں تھیں اور آپ نے اصحاب سے فرما دیا تھا کہ اس جگہ سے ہٹ جاؤ۔ پس یہ سوال بھی نہیں ہوتا کہ دولت خانہ میں اتنا صحن کہاں تھا اور نہ یہ سوال ہوتا ہے کہ سب کا سامنا ہوا ہوگا۔ (ب)

فائدہ: اب صرف ایک سوال رہا کہ ظاہراً یہ عمل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ متانت سے بعید تھا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو متانت و امثالہا کا مدار عرف پر ہے چنانچہ اُصولیین نے آیت: ﴿فلا تقل لهمآ أف﴾ کے تحت میں تصریح کی ہے کہ اگر کسی جگہ عرفاً تافیف موجب تعظیم ہو تو وہاں منہی عنہ نہ ہوگی اور عرب میں غایت سادگی کے غلبہ سے ایسے امور کا خلاف متانت ہونا ثابت نہیں۔ دوسرے کسی مصلحت سے ایسے امور کئے جائیں وہ مصلحت متانت کی کمی کا تدارک ہو سکتی ہے اور یہاں

مصلحتیں متعدد ہوسکتی ہیں، مثلاً: دل جوئی و اظہار شفقت، ریاضت کی عادت، حفظ صحت، دعویٰ نبوت کے صدق پر شہادت۔ کیوں کہ کاذب مرائی ہرگز ایسے امر کو گوارا نہیں کرسکتا جس میں ذرا بھی سبکی کا شبہ ہو۔

حدیث ۲۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب (رمضان کا اخیر) عشرہ داخل ہوتا تھا تو آپ شب کو جاگتے تھے اور اپنے گھر والوں کو جگاتے تھے اور ازار باندھ لیتے تھے۔ (اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں: عبادت میں زیادہ مستعد ہوجانا اور ہم بستری چھوڑ دینا)۔ (ج)

حدیث ۲۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے اور میں آپ کے سامنے (لیٹی) ہوتی تھی۔ (ب و ج)

فائدہ: اس سے یہ مسئلہ بھی عملاً منکشف ہوگیا کہ عورت کے سامنے ہونے سے نماز میں نقصان نہیں آتا۔

حدیث ۲۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شریح نے پوچھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے اول کس چیز سے ابتدا فرماتے؟

انہوں نے فرمایا: مسواک سے۔ (ج)

فائدہ: معلوم ہوا گھر میں تشریف لاکر بھی زیادہ طاعات کا شغل رہتا تھا۔

حدیث ۲۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن متواتر گیہوں کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا یہاں تک کہ آخرت کا راستہ لیا۔ (ج)

فائدہ: ایسے حالات باہر والوں کو کیا معلوم ہوسکتے ہیں اور غالباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ظاہر نہ فرماتے اور ان کا معلوم ہونا اس لئے ضروری ہے کہ امت ایسے حالات میں صبر و رضا اختیار کرلے اور اس کو اپنے نبی کا اتباع سمجھے۔

حدیث ۲۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوتے تھے، پھر سو رہتے تھے اور پانی کو چھوتے بھی نہ تھے، یہاں تک کہ اس

کے بعد اٹھتے پھر غسل فرماتے۔ (ج)

فائدہ: یہ بھی جائز ہے اور اگر وضو کرلیا جائے تو زیادہ بہتر ہے، چنانچہ حدیث نمبر ۱۸ میں گزرا۔

حدیث ۲۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی کپڑے میں (بلا حائل) (دل علیه لفظ الحدیث: "فی الشعار الواحد") شب گزارتے تھے اور میں حالت حیض میں ہوتی تھی۔ پھر اگر آپ کو (یعنی آپ کے کپڑے کو) مجھ سے کوئی چیز (خون وغیرہ) لگ جاتی تو اس کو دھو لیتے اور (دھونے میں) اس سے آگے تجاوز نہ فرماتے۔ پھر اس (کپڑے) میں نماز پڑھ لیتے۔ (الف)

فائدہ: دوسری روایات میں ہے کہ ایسی حالت میں بی بی کو لنگی باندھ لینا چاہئے، تاکہ زانو اور ناف کے درمیان سے بدن مس نہ ہو۔ اور اس حدیث سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بدن پر بھی کپڑا ہوتا تھا، ورنہ اس کے کچھ معنی نہ ہوتے کہ آپ اس میں نماز پڑھ لیتے تھے اور اگر زوجین میں سے ایک بھی لنگی باندھے ہو کافی ہے، تو بلا حائل بدن کے اعلیٰ حصہ کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے جیسا حدیث نمبر ۱۰ میں گزرا۔

حدیث ۲۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم (سب بیبیوں) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (آیت تخییر کے نزول کے وقت بقصدِ تفویضِ طلاق) اختیار دیا تھا (خواہ آپ کے نکاح میں رہیں، خواہ اپنے نفس کو اختیار کریں جس سے طلاق واقع ہوجائے گی) ہم نے آپ ہی کو اختیار کرلیا تو آپ نے اس واقعہ تخییر کو ہم پر کچھ شمار نہیں کیا (یعنی اس کو طلاق نہیں قرار دیا)۔ (الف)

فائدہ: اس سے مسئلہ ثابت ہوا کہ اگر زوج بہ نیت تفویض طلاق کے زوجہ سے اختاری کہہ دے اور وہ اپنے نفس کو اختیار نہ کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

حدیث ۳۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا: مجھ کو مسجد میں سے چٹائی (اٹھا کر) دے دو۔ میں نے عرض کیا: میں حائضہ ہوں۔ فرمایا: تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں (تو) نہیں۔ (الف)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ مسجد میں حائض کو داخل ہونا جائز نہیں۔ تو اگر بدون داخل ہوئے صرف مسجد کو ہاتھ لگ جائے تو کچھ حرج نہیں، جیسا اگر بدون داخل ہونے مسجد کو پاؤں لگ جائے جب بھی کچھ حرج نہیں، جیسے مسجد سے باہر بیٹھ کر بیٹھے بیٹھے صرف پاؤں مسجد کو لگا دے تو کچھ حرج نہیں۔ اور اگر کوئی ہاتھ کے بل مسجد میں داخل ہو جائے وہ بھی جائز نہیں۔ غرض اصلی منہی عنہ دخول ہے نہ کہ لمس۔

حدیث ۳۱: غضیف بن الحارث کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ یہ بتلائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت اول شب میں کرتے تھے یا آخر شب میں؟ فرمایا کبھی اول شب میں آپ نے غسل فرمایا ہے، کبھی آخر شب میں۔ میں نے کہا: اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ مستحق حمد ہے، جس نے عمل میں وسعت فرمائی۔ پھر میں نے پوچھا: یہ بتلائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول شب میں وتر پڑھتے تھے یا آخر شب میں؟ انہوں نے فرمایا:

کبھی اوّل شب میں آپ نے وتر پڑھا ہے کبھی آخر شب میں۔ میں نے کہا: اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ مستحق حمد ہے، جس نے عمل میں وسعت فرمائی۔ پھر میں نے پوچھا: یہ بتلائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تہجد میں) قرآن مجید جہر سے پڑھتے تھے یا آہستہ پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ کبھی جہر سے پڑھا ہے کبھی آہستہ۔ میں نے کہا: اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ مستحق حمد ہے، جس نے عمل میں وسعت فرمائی۔ (ج)

حدیث ۳۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر جس پر آپ شب کو سوتے تھے چمڑے کا تھا، جس کے اندر پوستِ خرما بھرا ہوا تھا۔ (ج)

فائدہ: اللہ اکبر! سلطان دو عالم کا یہ بستر جس پر آج غریب سے غریب کو بیٹھنے سے تکلیف ہو۔

حدیث ۳۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات فرمائی میرے گھر میں اور میرے دن میں (یعنی وہ دن حساب سے میری باری

کاتھا) اور میرے پھیپھڑے اور سینہ کے درمیان میں (یعنی آپ کا سر مبارک میرے سینہ سے لگا ہوا تھا) اتنے میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر آ گئے اور ان کے پاس تازہ مسواک تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا۔ میں نے خیال کیا کہ آپ کو اس کی خواہش ہے۔ میں نے ان سے لے کر اس کو چبایا اور اس کو جھاڑ پونچھ کر آپ کو دے دی۔ آپ نے خوب اچھی طرح مسواک کی جیسے کبھی مسواک کرتے دیکھا تھا، پھر اس کو میری طرف بڑھایا، سو آپ کے ہاتھ سے گر گئی اور اسی حدیث میں ہے کہ پھر آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور دعا کی: اے اللہ! رفیق اعلیٰ میں ملا دے، رفیق اعلیٰ میں ملا دے اور آپ کی روح مبارک روانہ (آخرت) ہو گئی۔ (ب وج)

فائدہ: اسی قسم کا مضمون حدیث نمبر ے میں گزرا ہے۔

حدیث ۳۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرضِ وفات میں فرمایا: اے عائشہ! وہ سونا کیا ہوا؟ سو وہ آپ کے پاس حاضر کیا گیا، جو پانچ اور سات یا آٹھ یا نو دینار کے درمیان تھا۔ (یعنی پانچ سے کم نہ تھے اور نو سے زیادہ نہ تھے) آپ ان کو اپنے دست مبارک سے الٹ پلٹ کر رہے تھے اور فرماتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا (یعنی میرا) یہ خیال نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ایسے حال میں ملیں کہ یہ (دنانیر) ان کے پاس ہوں۔ (اے عائشہ!) ان کو خرچ کر دو۔ (ج)

فائدہ: اللہ اکبر! اعراض عن الدنیا کی کیا حد ہے۔

حدیث ۳۵: اسود کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں میں (تشریف لا کر) کیا کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: اپنے گھر والوں کی خدمت (یعنی کاروبار) میں (مشغول) رہتے تھے۔ (یعنی مخدوم و ممتاز بن کر نہیں بیٹھتے تھے، بلکہ گھر کے کام بھی کر لیتے تھے، مثلاً بکری کا دودھ نکال لیا، گھر میں جھاڑو دے لی، اپنی نعل مبارک سی لی۔ هکذا فی "شیم الحبیب" عن "الشمائل والشفاء" پس نفی ترفع و امتیاز کی ہے نہ کہ

دوسرے اعمال وعبادات کی، وہ تو ان عادات پر بھی غالب تھیں) (ج)

فائدہ: خلوت کے ایسے حالات بدون بیبیوں کے کس کو معلوم ہو سکتے ہیں اور اقتدا کے لئے معلوم ہونے کی سخت ضرورت ہے۔

حدیث ۳۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر ایک ایک مہینہ (کامل) گزر جاتا تھا جس میں آگ بھی نہ جلاتے تھے، (یعنی کھانا نہ پکتا تھا) بجز خرما اور پانی کے کچھ نہ ہوتا تھا، البتہ اگر کہیں سے گوشت آ گیا (تو اسکے پکانے کے لئے آگ جلانا پڑتی تھی) (ج)

فائدہ: یہ راز بجز بیبیوں کے کون جان سکتا ہے اور ضرورت اس کے جاننے کی دو وجہ سے ہے: ایک آپ کے زہد کا معلوم ہونا، دوسرے اس زہد میں آپ کا اتباع کرنا۔

حدیث ۳۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز پڑھتے رہتے تھے اور میں آپ کے سامنے آپ کے اور قبلہ کے درمیان میں بستر پر پڑی رہتی تھی، پھر جب آپ وتر پڑھنا چاہتے تو مجھ کو جگا دیا کرتے تھے۔ (ب وج)

فائدہ: جگانے کی غرض یہ تھی کہ یہ بھی تہجد وغیرہ پڑھ لیں اور چوں کہ رات تھوڑی رہ جاتی تھی اس لئے اس میں ان کی راحت کی بھی رعایت تھی۔

حدیث ۳۸: وکیع کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے مرض (وفات) میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ایک کنیسہ کا ذکر کیا، جو حبشہ میں انہوں نے دیکھا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس میں تصاویر تھیں۔ آپ نے اس کی مذمت فرمائی۔

فائدہ: مرض وفات کی حالت کی تبلیغ میں بیبیاں ہی واسطہ بن سکتی ہیں اور یہاں ایسے کنیسہ کے دیکھنے میں بھی بیبیوں کا دخل تھا جس پر یہ تبلیغ فرمائی۔

حدیث ۳۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسلِ جنابت کی کیفیت پوچھی گئی، انہوں نے تفصیل بتلا دی۔ (ج)

فائدہ: عادۃً غسل جنابت صرف بیبیوں کے سامنے ہوتا ہے۔

حدیث ۴۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث طویل میں روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجد بوجہ سو رہنے یا کسی ورد یا کسی مرض کے سبب ناغہ ہو جاتا تو آپ دن میں (بطور اس کی قضا کے) بارہ رکعت پڑھ لیتے تھے۔ (ج)

فائدہ: مردوں کو اس ناغہ کا پتہ بھی نہ لگتا۔

حدیث ۴۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال میں نکاح کیا اور شوال ہی میں میں آپ کی خدمت میں بھیجی گئی (مراد رخصت ہے) پھر (دیکھ لو کہ) آپ کی کون سی بی بی آپ کے نزدیک مجھ سے زیادہ صاحب نصیب تھی (جاہلیت کے لوگ شوال میں نکاح کرنے کو منحوس سمجھتے تھے، اس کا رد کرنا مقصود ہے) سو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو پسند کرتی تھیں کہ ان (کے تعلق) کی عورتیں شوال میں رخصت کی جائیں۔ (الف)

حدیث ۴۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا (جو ازواج مطہرات سے ہیں) ایک شب میں اپنی حاجت ضروری کے لئے پردہ نازل ہونے کے بعد باہر نکلیں (اس وقت تک گھروں میں پائخانے نہ بنے تھے) اور وہ ایک بلند قامت اور جسیم عورت تھیں۔ کہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مل گئے، ان کو پکار کر کہا: اے سودہ رضی اللہ عنہا! تم باہر نکلنے کے وقت ہم پر مخفی نہیں رہ سکتیں، ذرا دیکھ لیا کرو کیسی نکلتی ہو۔ وہ لوٹ آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں اور آپ رات کا کھانا نوش فرما رہے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو کی خبر دی اور آپ کے دست مبارک میں ایک ہڈی تھی، پس آپ پر وحی ہونے لگی، پھر وحی ختم ہوئی اور وہ ہڈی آپ کے ہاتھ ہی میں تھی پھر آپ نے فرمایا کہ حاجت ضروری کے لئے تم کو باہر نکلنے کی اجازت دے دی گئی۔ (الف)

فائدہ: معمولی عورت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو کہتے ہی کیوں۔ پس اس حکم

کے نازل ہونے میں زوجہ مطہرہ ہی کو دخل ہوا۔

حدیث ۴۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حبشی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (ہتھیاروں سے) کھیل رہے تھے۔ میں نے آپ کے کندھے کے اوپر سے (ان کا کھیل دیکھنے کے لئے) جھانکنے لگی۔ آپ نے اپنے کندھوں کو جھکا دیا، پس میں آپ کے کندھے کے اوپر سے دیکھتی رہی یہاں تک کہ میرا جی بھر گیا، پھر میں (گھر میں) لوٹ گئی۔ (ب)

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت کم عمر تھیں۔ اور عورت کا مرد کی طرف نظر کرنا جب کہ دیکھنا مقصود بھی نہ ہو اور کوئی فتنہ بھی مظنون نہ ہو مباح ہے۔ اور چوں کہ اس کے عکس میں فتنہ غالب ہے اس لئے بلا ضرورت شدیدہ جائز نہیں۔ اور یہ کھیل محض کھیل نہ تھا فن سپہ گری کی مشق ہے، جس کا کفار کے مقابلہ کی آمادگی کے لئے حکم ہے۔

حدیث ۴۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں (جب اول اول رخصت ہو کر آئی تو کم عمری کی وجہ سے) گڑیاں کھیلا کرتی تھی۔ (ان کا نام گڑیا تھا تصویر دار نہ تھی) اور میری سہیلیاں بھی میرے ساتھ کھیلا کرتیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (تشریف لاتے ہوئے) دیکھتیں تو چھپ جاتیں۔ آپ ان کو میرے پاس بھیج دیتے، پھر وہ میرے ساتھ کھیلنے لگتیں۔ (ب)

فائدہ: اس سے بیبیوں کے ساتھ حسن معاشرت کا اندازہ کر لیا جائے۔

حدیث ۴۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: مجھ کو کسی عورت پر اتنا رشک نہیں ہوا جس قدر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر ہوا، حالانکہ وہ میرے نکاح سے تین سال پہلے وفات پا چکی تھیں (یعنی جمع ہونا سبب رشک کا نہ تھا بلکہ) وجہ یہ تھی کہ میں آپ کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا کرتی تھی اور (من جملہ اس ذکر کے ایک ذکر یہ تھا کہ) آپ کو آپ کے پروردگار عز وجل نے یہ حکم دیا تھا کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ایک مجوف موتی کے گھر کی بشارت دیں جو جنت میں ہوگا اور (نیز) آپ (کبھی) بکری ذبح

فرماتے، پھر اس میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں میں بھیجا کرتے۔ (ب)

فائدہ: یہ رشک ظاہراً طبعی تھا جس پر کوئی ملامت نہیں، خصوص سوت کے رشتہ میں عورت فطرتاً مغلوب ہوجاتی ہے۔ اور اگر رشک عقلی تھا تب بھی ان کے ضرر کی تمنا نہ تھی، بلکہ اپنے نفع کی طالب تھیں، سو ایسا رشک محمود ہے، خصوص جب منشا اس کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی توجہ و عنایت کی حرص ہو اور یہاں کسی دوسرے منشا کا احتمال ہی نہیں، سب جانتے ہیں کہ یہاں نہ مال تھا نہ دولت تھی۔

حدیث ۴۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیریں چیز کو اور شہد کو پسند فرماتے تھے اور آپ کا معمول تھا کہ عصر کی نماز پڑھ کر سب بیبیوں کے یہاں دورہ فرماتے تھے اور ان کے پاس (تھوڑی دیر) تشریف رکھتے تھے۔ سو (ایک بار) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان کے پاس معمول سے زیادہ توقف فرمایا۔

میں نے (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے) اس کی تحقیق کی۔ مجھ سے یہ کہا گیا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی قوم کی ایک بی بی نے ان کے لئے ایک کپی شہد کی ہدیۃً بھیجی تھی، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سے (شربت بنا کر) پلایا تھا۔ میں نے کہا: واللہ! ہم آپ کے لئے کوئی بات بنائیں گے۔ میں نے اس کو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا (ابھی تک ان کے پاس تشریف نہ لائے تھے) اور یوں کہا کہ جب تمہارے پاس تشریف لائیں اور قریب ہو کر بیٹھیں تو یوں کہنا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نے مغافر نوش فرمایا ہے؟ (مغافر کسی بدبودار درخت کا گوند ہے) آپ یہی فرمائیں گے کہ نہیں۔ تب تم یہ کہنا کہ یہ بدبو کیسی ہے؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر (غایت نفاست و لطافت سے) یہ امر بہت گراں تھا کہ آپ سے بدبو محسوس ہو۔ پھر آپ یوں فرمائیں گے کہ مجھ کو حفصہ رضی اللہ عنہا نے شہد کا شربت پلایا تھا تو اس وقت یوں کہنا کہ شاید شہد کی مکھی عرفط پر (ایک درخت ہے) بیٹھ گئی ہوگی اور میں

بھی یہی کہوں گی اور صفیہ رضی اللہ عنہا! تم بھی یہی کہنا۔

جب آپ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) کہتی ہیں کہ واللہ! تمہارے ڈر سے اتنا تقاضا ہوا کہ آپ ابھی دروازہ ہی پر تھے قریب تھا کہ وہاں ہی سے (وہ بات) کہہ دوں۔ غرض جب آپ قریب تشریف لائے تو میں نے (حسب قرارداد) عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے مغافر نوش فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: یہ بو کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھ کو حفصہ نے شربت شہد کا پلایا تھا۔ میں نے کہا: شہد کی مکھی عرفط پر بیٹھ گئی ہوگی۔ پھر جب میرے پاس (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس) تشریف لائے میں نے بھی یہی بات کہی۔ پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے، انہوں نے بھی یہی کہا۔

پھر جب (دوسرے دورہ میں) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! شہد کا شربت پلاؤں؟ آپ نے فرمایا: مجھ کو حاجت نہیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا (تعجب سے) کہنے لگیں: سبحان اللہ! ہم نے شہد کو ممنوع بنا دیا۔ میں نے کہا: چپکی رہو (کبھی پتہ لگ جائے)

فائدہ۔۱: اگر ازدواج میں تعدد نہ ہوتا ایسے واقعہ کا تحقق ہی نہ ہوتا تو اس کے احکام ہی نہ معلوم ہوتے جواب معلوم ہوئے۔

فائدہ۔۲: اس قصہ کے ابتدائی حصہ سے ایک مسئلہ ثابت ہوا۔ وہ یہ کہ باری شب باشی میں ہوتی ہے، دن کی آمد و رفت میں باری واجب نہیں۔ چنانچہ باری حساب سے ایک ہی بی بی کی تھی مگر دن میں آپ سب بیبیوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ البتہ جس شخص کو شب میں فرصت نہیں اس کے لئے دن بمنزلہ شب کے ہے۔

فائدہ۔۳: ایک روایت میں شہد پلانے والی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں اور مشورہ کرنے والی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور اس

واقعہ میں سورۂ تحریم کی آیات کا نزول بھی مذکور ہے۔ کذا فی "جمع الفوائد" عن الشیخین. اگر اس کو تعددِ واقعہ پر محمول کر کے جمع کرنا ممکن ہو جمع کر دیا جائے، ورنہ شیخین کی روایت مقدم ہے۔ بہرحال اس وقت یہ بحث مطمح نظر نہیں، اس مقام میں جو مقصود ہے اس میں دونوں روایتیں برابر ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ دکھلانا اپنے گھر والوں سے، کہ کس قدر دل جوئی و نرمی اور ان کی معمولی کمزوریوں پر جس کا اثر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی تک ہو دین تک نہ پہنچے چشم پوشی فرمانا۔

رہا یہ کہ ازواج مطہرات سے ایسا امر کیوں صادر ہوا؟ وہ بشر تھیں اور معصوم نہ تھیں، پھر فعل بھی کوئی کبائر سے نہ تھا، پھر منشا بھی اس کا محض توجہ اقدس میں اوروں سے زیادہ اپنا حصہ لینا جس کا سبب حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا نہ کہ حب دنیا۔ اور گو اس عذر سے یہ فعل جائز نہ ہو جائے گا، ورنہ قرآن مجید میں اس پر عتاب ہی نہ ہوتا، لیکن اس درجہ کا ناجائز بھی نہیں ہے جس پر تشنیع شدید ہو سکے۔

پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اپنے ایسے واقعات پر بھی پردہ نہیں ڈالتیں، راوی سے خود ہی بیان کر رہی ہیں، جن کے متعلق جانتی ہیں کہ ان سے اس روایت کا سلسلہ آگے چلے گا اور قیامت تک چلتا رہے گا۔ یہ کتنی بڑی علامت ہے ان کے تواضع وصدق وخلوص کی، خصوص جب یہ قصد ہو کہ اس قصہ سے امت کو احکام معلوم ہوں گے چنانچہ ایک حکم کی طرف فائدہ حدیث کے شروع میں احقر نے بھی اشارہ کیا ہے یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی اور ازواج کی دل جوئی۔ چنانچہ حق تعالیٰ کے کلام میں اس کی تصریح بھی ہے: ﴿تبتغی مرضات ازواجک﴾

اور یہ بات کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس قصہ کے بیان سے یہی قصد تھا کہ احکام ظاہر ہوں، اس کا قرینہ ایک دوسری حدیث میں ہے، جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حبشیوں کی ورزش حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہو کر دیکھی، اس میں ان کا قول بھی ہے:

رایت رسول الله ﷺ یسترنی بردائه . الی قولها. فاقدروا قدر الجاریة الحدیثة السن الحریصة علی اللهو. کذا فی "مسند احمد" ایضًا.

یہ قول اس حکمت کے قصد میں صریح ہے۔ پس سازش اگرچہ نامناسب تھی مگر صدہا مصالح کی کلید تھی۔ پس غلبہ اس میں بھی حسنات ہی کو رہا۔ پس اس بنا پر یہ کہنا بہت برمحل ہوسکتا ہے:

خونِ شہیداں از آب اولیٰ تر است ایں خطا از صد صواب اولیٰ تر است

اور اسی واسطے میں قصداً اس حدیث کو لایا ہوں، تاکہ کسی شخص کو یہ شبہ نہ ہو کہ اپنے بزرگوں کے معتقد بنانے کے لئے فضائل فضائل منتخب کر لئے۔ سو میں نے دکھلا دیا کہ جن کو تم نقائص سمجھتے ہو، وہ بھی فضائل ہی کے افراد ہیں، ان کے ظاہر ہونے سے ہم نہیں شرماتے۔

حدیث ۴۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے افک کی طویل حدیث میں یہ جُز بھی ہے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو (جو کہ ازواج مطہرات میں سے ہیں) اللہ تعالیٰ نے ان کے دین کی بدولت (میری نسبت کچھ کہنے سے) محفوظ رکھا۔ سو انہوں نے بجز بھلائی کے کوئی بات (برائی کی) نہیں کہی۔ باقی ان کی بہن حمنہ، وہ ہلاکت میں ہوگئیں (یعنی ان کے منہ سے بھی کچھ نکل گیا)۔ (الف)

فائدہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم مبارک کی کیا برکت تھی کہ باوجود سوت ہونے کے اس موقع کو نکتہ چینی کے لئے غنیمت نہیں سمجھا، بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کی شہادت دی۔ یہ صریح دلیل ہے کہ حدیث بالا میں جو واقعہ ہے وہ عداوت سے نہ تھا اور نہ وہ کسی ضرر کے درجہ تک تھا، اس لئے ایسی غلطی ہوگئی۔ یہاں ضرر تھا، اس میں کیسی کچھ احتیاط فرمائی۔

اور اس سے یوں نہ سمجھا جائے کہ دوسری ازواج مطہرات نے کچھ کہا تھا، باقی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو صرف حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نام لیا تو بمقابلہ ان کی بہن کے، کہ وہ تو بہن کی طرف داری میں کچھ بولیں بھی مگر حضرت

زینب رضی اللہ عنہا کچھ نہیں بولیں، نہ کہ بمقابلہ دوسری ازواج کے۔ غایت یہ کہ دوسروں کے اقوال منقول نہیں، سو یہ کوئی مضر نہیں، بعض دفعہ رنج اور پریشانی یا تحیر وتوحش کے غلبہ میں آدمی ساکت رہ جاتا ہے۔

حدیث ۴۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب دس دن رمضان کے رہ جاتے تو اپنی کمر کس لیتے تھے اور اپنی بیبیوں سے الگ ہو جاتے تھے (یعنی ہمہ تن عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے)۔ (ج)

حدیث ۴۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عمر زیادہ ہوگئی تو انہوں نے اپنی باری کا دن مجھے دے دیا۔ سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں کے ساتھ میرا حصہ مع ان کے دن کے لگایا کرتے اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اول بی بی تھیں جن کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ نے نکاح کیا۔ (الف) (صرح به فی "زاد المعاد")

فائدہ: اس سے ایسی رعایت کا جواب بھی ثابت ہوا اور یاد رکھنا چاہئے کہ اس ہبہ سے رجوع کرنے کا بھی ہمیشہ حق حاصل رہتا ہے۔

حدیث ۵۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھلنی کبھی نہیں دیکھی اور نہ آپ نے چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کبھی کھائی جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا یہاں تک کہ وفات فرمائی۔ (عروہ کہتے ہیں کہ) میں نے پوچھا کہ آپ لوگ جو کو کیوں کر کھاتے تھے؟ بولیں کہ بس اف کر دیتے تھے (یعنی آٹے میں پھونک مار دی جو اڑنا تھا اڑ گیا جو رہ گیا کھالیا)۔ (ج)

فائدہ: اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد ظاہر ہوتا ہے۔

حدیث ۵۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاص اہتمام فرماتے تھے شعبان کے روزہ کا اور پیر اور جمعرات کے روزہ کا۔ (ج)

فائدہ: مردوں کو بعض اوقات ایسے امور کی اطلاع بھی نہیں ہوتی اور گھر کی بیبیوں سے ایسے امور مخفی نہیں رہتے۔ یہ مصلحت کثرتِ ازواج کی تھی کہ تعددِ روات سے روایت میں قوت ہوتی ہے۔

حدیث ۵۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا۔ آپ نے اپنی سب بیبیوں کو عمرہ کرایا اور مجھ کو چھوڑ دیا (یعنی مجھ کو عمرہ نہیں کرایا، کوئی عذر ہوگا)۔ میں اپنے دل میں رنجیدہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب بیبیوں کو عمرہ کرایا اور مجھ کو چھوڑ دیا؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے اپنی سب بیبیوں کو عمرہ کرایا اور مجھ کو چھوڑ دیا؟

آپ نے عبدالرحمٰن سے (یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں) فرمایا: اپنی بہن کے ساتھ (تنعیم) جاؤ، یہ عمرہ لے آوے، پھر ان کو بیت اللہ اور صفا مروہ کا طواف کرادو، پھر (احرام کھول کر) یہ اس کو ختم کر دیں، پھر ان کو میرے پاس پہنچا دو قبل اس کے کہ شب محصب میں گزاروں۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محصب میں صرف میری وجہ سے قیام فرمایا تھا۔ (ب)

فائدہ: اس سے دو مسئلے ثابت ہوئے: ایک یہ کہ ایسے امور میں ازواج میں برابری واجب نہیں۔ دوسرا یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گو سب بیبیوں سے زیادہ محبوب تھیں مگر پھر بھی آپ اس محبت میں مغلوب نہ تھے، ورنہ ممکن نہ تھا کہ اوروں کو عمرہ کراویں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہ کراویں۔

حدیث ۵۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی کسی بیٹی کا نکاح کرنا چاہتے تو ان کے پردہ کے پاس بیٹھتے اور فرماتے کہ فلاں مرد فلاں عورت کا (یعنی تمہارا) ذکر کرتا تھا (یعنی نکاح کا پیام دیتا تھا) اس عورت کا بھی نام لیتے تھے اور اس مرد کا بھی جو کہ ذکر کرتا تھا۔ پھر اگر وہ خاموش ہوگئی تو ان کا نکاح کر دیتے تھے اور اگر وہ ناپسند کرتیں تو چٹکی (فی الصراح۔ نقر انگشتک زدن) مار دیتیں۔

جب وہ اس طرح انگلی ماردیتیں توان کا نکاح نہیں کرتے تھے۔(الف)

فائدہ: عملی تعلیم کا قولی تعلیم سے زیادہ مؤثر ہونا ظاہر ہے اور اس عملی تعلیم پر باہر کے مردوں کا مطلع ہونا عادتاً دشوار ہے اور کراہت کی اس زمانہ میں یہ علامت ہوگی یا آپ نے خاص اس وقت یہ اصطلاح مقرر فرمادی ہوگی اور پردہ ڈال لینا اپنی یا بیٹی کے خجلت کے سبب تھا۔

حدیث ۵۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رمضان کے اخیر) عشرہ میں اس قدر محنت (عبادت میں) فرماتے تھے کہ دوسرے دنوں میں اتنی نہ فرماتے تھے۔ (حالانکہ اور دنوں میں بھی آپ کی مشقت عبادت میں متواتر ہے حتیٰ کہ قدم مبارک پھول جاتے اور پھٹ جاتے تو رمضان کے اس عشرہ میں مشقت کی کیا حالت ہوتی ہوگی؟)(ج)

فائدہ: چناں چہ اس حدیث کے ایک صفحہ کے بعد ہی ایک حدیث ہے جس میں تہجد میں آپ کے سجدہ کی مقدار پچاس آیتیں روایت کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ رکوع اور سجدہ متناسب ہوتے ہیں اور قیام رکوع وسجدہ سے بہت زیادہ ہوتا ہے، اگر مضاعف ہی رکھا جائے تو بقدر سو آیتوں کے ہوا تو اس طرح رکعت کتنی طویل ہوئی، یعنی اوسط مقدار دوسو آیتوں کے ہوئی۔ اور اسی طرح سے اس حدیث میں گیارہ رکعتیں آئی ہیں تو دو ہزار دوسو آیتوں کی قدر ہوئی تو سب رکعتیں قریب پندرہ پارہ کے ہوتی ہیں۔ کیوں کہ سورۂ بقرہ سے سورۂ کہف کے ختم تک چوالیس کی زیادتی کے ساتھ اتنی ہی آیتیں ہوتی ہیں۔

حدیث ۵۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تذکرہ فرمایا کہ رمضان میں عشرہ اخیرہ کا اعتکاف فرماویں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی آپ سے اجازت (اعتکاف کی) مانگی۔ آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ انہوں نے چھول داری لگانے کا حکم دیا، وہ لگادی گئی۔ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے

درخواست کی کہ ان کے لئے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا (یعنی) اجازت لے لی۔ انہوں نے بھی اپنی چھولداری لگانے کا حکم دیا، وہ لگا دی گئی۔ جب یہ قصہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دیکھا انہوں نے بھی اپنی چھولداری لگانے کا حکم دیا، وہ بھی لگا دی گئی۔ (یہ چھولداریاں مسجد کے قریب لگائی گئیں، کیوں کہ عورت کے اعتکاف کے لئے مسجد شرط نہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ چکے اور (مسجد سے) لوٹے تو یہ سب چھولداریاں دیکھیں۔ آپ نے پوچھا: یہ چھولداریاں کیسی ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا و حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی چھولداریاں ہیں۔ آپ نے (ان تینوں سے خطاب کر کے) فرمایا: کیا تم کو اس (عمل) سے خیر (یعنی اجر) مقصود ہے (یعنی نیت خالص اعتکاف کی نہیں بلکہ باہم تفاخر ہے) میں بھی اعتکاف نہیں کرتا۔ آپ نے (اعتکاف سے) رجوع فرمالیا۔ جب عید کر لی اس وقت شوال کے دس دن میں اعتکاف فرمایا (تا کہ اس کا بدل ہو جاوے اور اس وقت تک اعتکاف شروع نہیں ہوا تھا، سامان اعتکاف کا ہو رہا تھا)۔ (ب)

فائدہ: اس واقعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً یہ بتلا دیا کہ بی بی کے حقوق صرف نان و نفقہ ہی نہیں بلکہ اس کے دین کی اصلاح سب سے اہم حق ہے۔ اور یہ بھی بتلا دیا کہ اصلاح صرف قول سے کافی نہیں بلکہ بعض اوقات عملی اصلاح کی بھی حاجت ہوتی ہے۔ اور یہ بھی بتلا دیا کہ اگر اپنے متعلقین کی اصلاح کے لئے کچھ اپنی حالت میں بھی تبدیل کی ضرورت ہو اس کو اختیار کرنا چاہئے گو وہ تبدیل افضل سے فاضل ہی کی طرف ہو، جیسا رمضان کا اعتکاف شوال کے اعتکاف سے افضل تھا اور آپ نے اس کو ترک فرما دیا۔ اور یہ بھی بتلا دیا کہ باب تربیت میں تشخیص میں بھی اور تجویز میں بھی شیخ مطاع مطلق ہے، طالب کو اس سے حق مزاحمت نہیں پہنچتا، اس لئے ازواج مطہرات نے نہ تشخیص نیت میں کلام کیا کہ ہماری نیت محض ثواب کی ہے اور نہ

تجویز میں کہ اچھا اب ہم نیت درست کئے لیتے ہیں۔اور نیز بتلا دیا کہ دین میں کسی کی رعایت نہیں۔دیکھئے! ازواج اول تو سب محبوب ہوتی ہیں خصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کتنی محبوب تھیں مگر آپ نے اصلاح دین میں ان کی بھی ذرا رعایت نہیں فرمائی اور گو طرق اصلاح میں مساوات ضروری نہیں مگر یہ اعلیٰ درجہ کا عدل ہے کہ اس میں بھی برابری فرمائی اور متعدد ازواج والوں کو آپ نے یہ ایک بہت بڑا درس عطا فرما دیا۔

حدیث ۵۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس مقام سرف میں تشریف لائے اور مجھ کو خون آ گیا تھا۔آپ نے مجھ سے پوچھا: کیا تم کو خون آ گیا؟ میں نے عرض کیا: ہاں! یا رسول اللہ۔اور یہ بھی کہا کہ میں خیال کرتی ہوں کہ عورتیں صرف شر ہی کے لئے پیدا ہوئی ہیں (کہ اس حالت میں بہت سی طاعات سے محروم رہ جاتی ہیں) آپ نے فرمایا: نہیں، (یہ سمجھنا غلط ہے کہ مطلقاً طاعات سے محروم رہ جانا شر ہے، کیوں کہ شر منحصر ہے معصیت میں اور جو طاعات اس حالت میں ادا نہیں ہوسکتیں وہ مامور بہ نہیں ہیں، اس لئے ان کا ترک معصیت نہیں، پس شر لازم نہیں آیا۔اور محض خیر سے حرمان یہ شر نہیں، جیسے کسی کے ہاتھ پاؤں ماؤف ہیں اور وہ اس لئے جہاد نہیں کر سکتا تو اس حرمان کو شر نہیں کہا جائے گا اور یہ بھی فرمایا کہ) لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے جس میں اولادِ آدم کی عورتیں (بلا اختیار) مبتلا کر دی گئیں (اور یہ نقصان غیر اختیاری ہوا جس پر کوئی ملامت نہیں)۔(الف)

فائدہ: دیکھئے! غیر منکوحہ عورت کے ساتھ ایسی صاف مخاطبت کب ہو سکتی ہے۔ اگر ازواج نہ ہوتیں تو اتنا بڑا مسئلہ مبہمہ صاف نہ ہوتا۔

حدیث ۵۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے حضور اقدس کی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) بھیجا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک چادر میں (آرام فرماتے) تھے۔آپ نے (ان کی اجازت لینے

پر اندر آنے کی) ان کو اجازت دے دی۔ (یہ نص ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بے دھڑک نہیں چلی آئیں، بلکہ اجازت لے کر آئیں اور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس وقت بھی آپ اسی چادر میں لیٹے رہے، کیوں کہ یہ حالت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنے سے پہلے کی مذکور ہے) پس وہ اندر آگئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کی بیبیوں نے مجھ کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، آپ سے ابوقحافہ کی بیٹی (یعنی پوتی یعنی حضرت عائشہ بنت ابی بکر بن ابی قحافہ) کے مقدمہ میں عدل کی درخواست کرتی ہیں۔ (امورِ اختیاریہ میں تو عدل کا آپ سخت اہتمام فرماتے تھے، حدیثوں میں مصرح ہے۔ غالباً حضرات ازواج امورِ غیر اختیاریہ میں بھی عدل چاہتی ہوں گی، گو وہ ضروری نہیں، لیکن جی تو چاہتا ہی ہوگا کہ ہم سے بھی ویسے ہی محبت فرماویں۔ واللہ اعلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (جواب میں) فرمایا: اے پیاری بیٹی! کیا تم اس چیز سے محبت نہیں کرتی ہو جس سے میں محبت کروں؟ انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا: تو پھر ان سے محبت کرو۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت فرمایا۔ (جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت کا ذکر فرمانا قوی قرینہ ہے کہ یہ درخواست محبت ہی کے متعلق تھی تو حاصل جواب کا یہ ہوا کہ مجھ کو ان سے خاص محبت ہے، سو خود میرے تعلق والوں کو ان سے محبت کرنا چاہئے، نہ کہ مجھ کو محبت سے روکا جاوے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بس فاطمہ رضی اللہ عنہا (یہ سن کر) اٹھ کر چلی گئیں۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس) آئیں۔ انہوں نے ان سے سب بیان کیا، جو کچھ انہوں نے عرض کیا تھا اور جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (جواب میں) فرمایا۔ سب بولیں: تم نے تو ہمارا کچھ کام بھی نہ کیا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پھر جاؤ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بولیں: واللہ! میں آپ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے باب میں کبھی گفتگو نہ کروں گی۔

پھر سب ازواج نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو بھیجا انہوں نے جا کر

(اندر آنے کی) اجازت چاہی آپ نے ان کو اجازت دے دی، وہ اندر آ گئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھ کو آپ کے پاس آپ کی ازواج نے بھیجا ہے، آپ سے ابی قحافہ کی بیٹی (یعنی پوتی) کے بارہ میں عدل کی درخواست کرتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا میرے پیچھے پڑ گئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھنا شروع کیا کہ آپ مجھ کو ان (کو جواب دینے) کے مقدمہ میں کب اجازت دیتے ہیں۔ میں اسی حالت میں رہی (اور کچھ بولی نہیں) یہاں تک کہ (قرائن سے) میں نے پہچان لیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا انتقام لینا ناگوار نہ ہوگا۔ پھر جو میں حضرت زینب کے پیچھے لگی تو کچھ بھی دیر نہیں لگی کہ میں نے ان کو خاموش کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا، پھر ارشاد فرمایا کہ یہ (آخر تو) ابوبکر کی بیٹی ہے (جو فصاحت و بلاغت میں کامل ہیں تو اولاد میں باپ کا اثر ہونا عجیب نہیں)۔ (ب)

فائدہ: اس حدیث سے چند امور معاشرتِ ازواج کے متعلق ثابت ہوئے:

ایک یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ان معاملات میں کوئی خاص دخل نہیں دیا۔ تعددِ ازواج والے کو یہی چاہیے کہ ایسے خفیف قصوں میں دخل نہ دے، جب تک کہ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنے لگے۔

دوسرے یہ کہ آپ نے خود بھی کوئی قانونی جواب نہیں دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے گھر والوں کے ساتھ خالص ضابطہ کا برتاؤ کرنا مناسب نہیں، جیسا اجانب کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ اس سے دل شکنی ہوتی ہے۔

تیسرے یہ کہ بیبیوں کو شوہر پر کسی قدر دلیری کی گنجائش ہے۔ چوتھے یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں اس قدر مؤدب و مہذب تھیں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بدون اجازت لئے ہوئے اندر نہیں آئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بے تکلفی اور چیز ہے اور بدتمیزی اور چیز ہے یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن تعلیم کا ثمرہ ہے۔

یہ چوتھا امر معاشرت کے متعلق ثابت ہوا اور ایسی بے تکلفی کے ساتھ ایسی تعلیم کا جمع ہونا عجائب میں سے ہے۔

پانچواں امر یہ کہ عدل کے مواقع محدود ہیں، ہر ہر معاملہ میں عدل ضروری نہیں، ورنہ اول تو حضرات ازواج اس کی درخواست نہ کرتیں اور اگر کرتیں تو ان کو یہی جواب دے دیا جاتا کہ ہر امر میں عدل تو ہوتا ہے؟ اب آگے مواقع عدل کی تفصیل یہ مجتہد فیہ ہے، علما اس میں مختلف بھی ہیں اور سب سے زیادہ تشدید وتاکید اس باب میں مذہب حنفی میں ہے۔

چھٹا امر یہ معلوم ہوا کہ ایسے معمولی واقعات بزرگی کے خلاف نہیں، ورنہ حضور ہرگز تسامح نہ فرماتے۔

حدیث ۵۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ان سے ذکر کیا گیا کہ بعض لوگ پورا قرآن ایک رات میں ایک دفعہ یا دو دفعہ پڑھ لیتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ان لوگوں نے پڑھا بھی اور نہیں بھی پڑھا (یعنی الفاظ کی تو تلاوت کرلی مگر اس کا حق ادا نہیں کیا) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام رات کھڑی رہتی تھی اور آپ (نماز میں) سورۂ بقرہ اور آلِ عمران اور سورۂ نساء پڑھتے تھے، سو آپ کسی آیت پر جس میں خوف (کا مضمون) ہو نہیں گزرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور پناہ مانگتے تھے اور کسی ایسی آیت پر جس میں بشارت ہو نہیں گزرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور (اس کا) سوال کرتے تھے (یعنی ایسی آیتوں کے مضمون کا حق ادا کرنے میں اتنی دیر لگ جاتی تھی کہ تمام رات میں ایک منزل پڑھنے پاتے تھے)۔ (ج)

فائدہ: آپ کی عبادت کیساتھ بی بی صاحبہ کی کیسی عبادتِ شاقہ ثابت ہوتی ہے، تو دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شغل نکاح عیش وعشرت کیلئے نہ تھا بلکہ دینی مصالح کیلئے تھا۔

حدیث ۵۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ کو خبر نہیں ہوئی، یہاں تک کہ حضرتِ زینب میرے پاس بلا اجازت آپہنچیں اور وہ غضب ناک تھیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بولیں: بس آپ (لفظها: "أحسبک"،

فالاستفهام للتقریر) کے (میلان) کے لئے تو یہی کافی ہے کہ یہ ابوبکر کی بٹیا اپنے دونوں ہاتھوں کو آپ کے سامنے گردش دے (یعنی ان کے ہاتھوں کی حرکت کی ادا آپ کی کشش کے لئے کافی ہے) اس کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوئیں، میں نے ٹال دیا، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بھی خبر لو اور بدلہ لو۔ پھر میں بھی ان کی طرف متوجہ ہوئی، یہاں تک کہ میں نے ان کو دیکھا کہ ان کے منہ میں ان کا تھوک خشک ہو گیا کہ مجھ کو کچھ جواب نہ دے سکتی تھیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کا چہرہ (بشاشت سے) چمکتا تھا۔ (ب)

فائدہ: ظاہراً یہ قصہ حدیث نمبر ۵۷ کے مغایر ہے اور اس میں جو بلا اجازت چلا آنا مذکور ہے یا تو وہ وقت اذن عام کا ہوگا، ایسے وقت میں اجازت لینا ضروری نہیں اور یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خبر نہیں ہوئی، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت پر آ گئیں۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ بی بی کا ایسی بات شوہر کو کہہ دینا خلافِ ادب نہیں، کیوں کہ دلالت حال سے اس کو گوارا ہوتی ہے۔ اور بدلہ لینے کیلئے آپ کا اجازت دے دینا شاید اس لئے ہو کہ آپ کو یہ محسوس ہو گیا ہوگا کہ یہ بدلہ لینا چاہتی ہیں مگر میرے ادب سے خاموش ہیں اور بدلہ لینا مباح تھا اس لئے آپ نے مباح میں تنگی نہیں فرمائی۔

حدیث ۶۰: ابوسلمہ ابن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر کتنا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ کا مہر جو بیبیوں کے لئے ٹھہرایا گیا تھا بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا (پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ تم جانتے ہو نش کیا چیز ہے؟ میں نے کہا: نہیں (جانتا)۔

فرمایا: نصف اوقیہ ہوتا ہے، یہ سب ملا کر پانچ سو درہم ہوئے۔ پس یہ تھا مہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو بیبیوں کے لئے ٹھہرایا گیا تھا۔ (الف)

فائدہ: ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور درہم تقریباً ساڑھے چار آنہ کا ہوتا ہے اور پانچ سو درہم کے دو آنہ کم ایک سو سینتیس روپیہ ہوتے ہیں۔ اس سے مہر کی

مقدار معتدل ظاہر ہوئی، جو نہ اتنا کم ہے جس سے منکوحہ کی بے قدری ہو اور نہ اتنا زیادہ ہے کہ مرد کے تحمل سے خارج ہو۔ اور دنیا میں چوں کہ زیادہ حصہ غیر مال دار لوگوں کا ہے یہ مقدار ان ہی کے اعتبار سے معتدل ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حکم صرف قولاً دیتے شان داروں کو یہ شبہ باقی رہتا کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنے لئے گوارا نہ فرماتے۔ اب بار بار اس مقدار کو اختیار فرمانا اس شبہ کے لئے بالکل قاطع ہے اور یہ مقدار اکثر ازواج کے مہر کی ہے۔

حدیث ۶۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر ناخوش ہوگئے۔ حضرت صفیہ نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) کہا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کردو اور میرا دن (باری کا) تمہارا رہا۔ (یعنی جو دن میرے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے رہنے کا ہے اس دن میں تمہارے پاس تشریف رکھیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بہتر۔

اور انہوں نے ایک اوڑھنی زعفران کی رنگی ہوئی لے کر اس پر پانی چھڑکا تا کہ اس کی خوشبو مہک جاوے اور (اس کو اوڑھ کر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر جا بیٹھیں۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! الگ رہو، یہ تمہارا دن نہیں انہوں نے عرض کیا: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہیں عطا فرمائیں اور آپ کو سارے واقعہ کی خبر دی۔ آپ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے خوش ہوگئے۔ (ب)

فائدہ: ''درمختار'' میں ہے کہ متعدد بیبیوں میں شب باشی میں برابری واجب ہے حتیٰ کہ اگر شب کو ایک کے پاس تو مغرب ہی کے بعد آجاوے اور دوسری کے پاس عشا کے بعد آوے تو اس نے عدل کو ترک کردیا۔ اور ''ردالمحتار'' میں ''فتح'' سے منقول ہے کہ مستحب یہ ہے کہ سب بیبیوں میں برابری رکھے جمیع استمتاعات میں، جیسے: وطی اور تقبیل، انتہی۔

یہ دونوں مسئلے کہیں نصوص میں منقول نہیں دیکھے۔ پس اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم کا بھی معمول تھا تو آپ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو الگ رہنے کے لئے فرمانایا
تو اس بنا پر ہوگا کہ جس طرح وہ شب تھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی، اسی طرح وہ
وقت بھی معمول کے موافق حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ہوگا۔ اور اگر وہ وقت حضور کا
تھا تو گو آپ کو اس کی گنجائش تھی مگر آپ نے غایت احتیاط پر عمل فرمایا۔ اور اگر آپ پر
عدل واجب ہی نہ ہو جیسا بعض علماء کا قول ہے تو ہر حال میں یہ عمل احتیاط ہی پر مبنی ہے
اور احتیاط کی صورتوں میں یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال عدل ہے کہ ایسی محبوبہ
بی بی کی جائز رعایت بھی نہیں کی، خاص کر ایسے وقت میں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا
دیکھ بھی نہیں رہیں۔ حدیث نمبر ۷۰ بھی ملاحظہ کر لی جاوے۔

حدیث ۶۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے (یعنی بیبیوں کے) ان کپڑوں میں نماز نہ پڑھتے تھے جو بدن سے ملے رہتے تھے۔ (ج)

فائدہ: غالباً مراد اس سے ازار یعنی تہبند ہے اور یہ محض احتیاط ہے کہ شاید ایسے کپڑے کو کوئی رطوبت غیر طاہرہ لگ گئی ہو اور ایسا احتمال عورت کے لئے محلِ احتیاط نہیں، کیوں کہ اس کے لئے یہ احتیاط متعذر ہے، کیوں کہ اس کا تو وہ لباس ہی ہے اور مرد کو اس احتیاط میں کوئی دشواری نہیں اور یہ احتراز ہے ایسی چادر سے جو کپڑوں کے اوپر رہتی ہو، اس سے حضور احتیاط نہیں فرماتے تھے، کیوں کہ اس میں ایسا احتمال نہیں۔ اگر آپ کے پاس بیبیاں نہ ہوتیں تو آپ سے ایسا معمول منقول ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

حدیث ۶۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ہدیہ آیا جس میں یمانی منکوں کا ایک ہار تھا۔ آپ نے فرمایا: میں یہ ہار اس کو دوں گا جو میرے تمام گھر والوں میں مجھ کو زیادہ محبوب ہو۔ عورتیں کہنے لگیں: بس اس کو ابو قحافہ کی بیٹی (یعنی پوتی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں) لے اڑی۔ (یعنی ان کو ملے گا کیوں کہ ان کا محبوب ترین ہونا مشہور و معروف تھا) پھر آپ نے حضرت امامہ بنت زینب کو (جو آپ کی نواسی تھیں) بلایا اور اس کو ان کے گلے میں لٹکا دیا۔ (ب)

فائدہ: اس سے آپ کا معاملہ ازواج کے ساتھ بھی معلوم ہوا جس کو دیکھ کر عورتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے محبوب ترین ہونے کا گمان ہوا اور محبوب ترین ہونے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیبیوں کے درمیان محبت میں عدل واجب نہیں۔ پھر جو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دیا، یا تو اس لئے کہ اس صورت میں عدل فی المعاملات نہ ہوتا گو اکثر علماء کے قول پر آپ کے ذمہ واجب نہیں تھا مگر آپ کا عمل اس پر مثل واجب ہی کے تھا اور یا اس لئے کہ وہ ہار بچیوں کے مناسب تھا اور بچوں میں سب سے زیادہ محبوب حضرت امامہ تھیں۔ یہ سب فوائد اس حدیث سے ثابت ہوئے۔

حدیث ۶۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت جنابت میں سونے کا ارادہ فرماتے تو (سونے سے پہلے) نماز کا سا وضو فرما لیتے اور جب (اسی حالت میں) کھانے پینے کا ارادہ فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھ دھو لیتے، پھر اگر چاہتے تو کھا لیتے پی لیتے۔ (ج)

فائدہ: ظاہر ہے کہ جنابت کی حالت کا علم جیسا بی بی کو ہو سکتا ہے دوسروں کو نہیں ہو سکتا، پھر اس کے متعلق جو سنت فعلی ہو وہ بھی اسی طرح دوسروں کے ذریعہ سے معلوم نہیں ہو سکتی اور یہ سنت وضو سونے کے قبل مستحب ہے، موکد نہیں۔ چناں چہ ''مشکاۃ'' میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ جنبی ہوتے تھے پھر سو رہتے تھے، پھر جاگ جاتے پھر سو رہتے۔ (رواہ احمد)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اپنی اہل (یعنی بی بی) کی طرف (نفسانی) حاجت ہوتی تو ان سے مشغول ہوتے، پھر دوبارہ مشغول ہوتے اور (درمیان میں) پانی کو چھوتے بھی نہ تھے۔ (رواہ احمد)

اور ابوداؤد و ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ جنابت میں سو رہتے اور پانی کو چھوتے بھی نہ تھے۔ (نیل الاوطار)

حدیث ۶۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مجھ کو تہمت لگائی گئی

جو لگائی گئی اور میں بالکل بے خبر تھی، پھر بعد میں مجھ کو قدرے قلیل خبر پہنچی (جس سے سخت صدمہ زدہ ہوئی) سو اس حالت میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس (تشریف رکھتے) تھے اچانک آپ پر وحی نازل کی گئی اور جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ پر ایک حالت ہلکی نیند کے مشابہ طاری ہو جاتی تھی، سو اس حالت میں کہ آپ میرے پاس بیٹھے تھے اچانک آپ پر وحی نازل ہوئی، پھر (بعد ختم وحی کے) آپ نے اپنا سر اٹھایا اور آپ اپنی پیشانی مبارک پونچھ رہے تھے (کیوں کہ وحی کے وقت آپ کو پسینہ آجاتا تھا) پھر فرمایا: ''خوش ہو اے عائشہ! کہ تمہاری براءت میں آیتیں نازل ہو گئیں'' میں نے کہا: خدا تعالیٰ کی حمد کے ساتھ (مشغول ہوتی ہوں) نہ کہ آپ کی حمد کے ساتھ (یعنی حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتی ہوں، آپ کا شکریہ ادا نہیں کرتی، کیوں کہ آپ تو خود تحقیق ہی فرما رہے تھے، یہ تو خدا تعالیٰ ہی کا انعام ہوا کہ تحقیق ہی کی ضرورت نہ رکھی۔ سو اس حالت میں آپ کا کیا احسان ہوا؟ یہ تو خدا تعالیٰ کا احسان ہوا) پھر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں (جو اس وقت نازل ہوئی تھیں)

﴿والذین یرمون المحصنٰت﴾ سے ﴿ اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُ وْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ. لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیْمٌ﴾ تک۔ (ب)

فائدہ: اس سے ایک اہم مسئلہ معاشرت کے متعلق ثابت ہوا کہ اپنی بی بی سے ان حقوق کا انتظار نہ کرے جن کا دوسروں سے انتظار یا مطالبہ کر سکتا ہے۔ دیکھئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ناز سے جو بات کہہ دی۔ دوسرا شخص اگر حضرت نبویہ میں ایسی بات کہے سخت گستاخی ہے، جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم شارع ہونے کی حیثیت سے کبھی جائز نہ رکھیں، بلکہ سخت نکیر فرماویں، کیوں کہ یہ نکیر تبلیغ ہے جو آپ کا منصب ہے۔ مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے اس کو جائز رکھا گیا، کیوں کہ ہر ایک کا ادب جدا ہے۔

اس سے بعض بد دماغوں کی اس عادت کی مذمت ظاہر معلوم ہوتی ہے کہ اپنے بیوی بچوں سے بھی اپنی ویسی ہی تعظیم و ادب کراتے ہیں جیسے غیر لوگ کرتے ہیں، سو یہ سراسر

کبر ہے۔ اور بخاری نے آیت: ﴿واذاسر النبی الٰی بعض ازواجہ﴾ کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث طویل روایت کی ہے جس میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا کبھی کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسے ہی ناز کے معاملات کا ذکر کیا ہے جن کو اگر دوسرا اختیار کرے تو اس کے ایمان کی بھی خیر نہ رہے، مگر ان معاملات کا معصیت ہونا بھی وارد نہیں، بخاری کی اس روایت سے یہ شبہ بھی رفع ہو گیا کہ شاید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی محبوبیت اس تسامح کا سبب ہوا ہو، اور ظاہر ہے کہ اس شبہ کا ارتفاع تعددِ ازواج ہی کی صورت میں ہو سکتا ہے۔

حدیث ٦٦: حضرت ام بکر بنت المسور سے روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک زمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چالیس ہزار دینار کو فروخت کی، پھر اس کو (یعنی اس رقم کو) فقرائے بنی زہرہ میں اور مہاجرین میں تقسیم کر دیا۔ حضرت مسور کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کا حصہ لایا انہوں نے فرمایا کہ یہ کس نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا: حضرت عبدالرحمٰن (بن عوف) نے (بھیجا ہے) انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ''تم پر (یعنی حضرات ازواج مطہرات پر) بجز نباہنے والوں کے کوئی شخص مہربان نہ ہوگا۔'' (یعنی وہی شخص خدمت کرے گا جو مستقل طبیعت، وضع دار ہے، کیوں کہ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اپنے بزرگوں کے غیبت یا وفات کے بعد ان کے متعلقین کے حقوق کے ادا کا التزام کریں۔ آگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ) اللہ تعالیٰ حضرت عبدالرحمٰن کو جنت کی سلسبیل سے سیراب فرماوے (کہ ان کو ہمارا اتنا خیال ہے) (ب)

فائدہ: یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاشرت مع الازواج سے ہے کہ آپ کو اپنے بعد اس کا بہت خیال تھا کہ حضرات ازواج مطہرات کو خرچ کی تکلیف نہ ہو، کیوں کہ انہوں نے اتنا ایثار کیا کہ جب باذن الٰہی آپ نے ان کو فقر وفاقہ کے ساتھ خدمت میں رہنے یا طلاق لے لینے کا اختیار دیا تو انہوں نے فقر وفاقہ کو اختیار کیا

اور آپ سے علیحدگی گوارا نہیں کی۔ پھر آپ نے نہ کوئی میراث چھوڑی، نہ اپنی حیات میں ان کو کوئی سرمایہ عطا فرمایا، اور نہ ان کو اور کسی سے نکاح جائز تھا۔

غرض معاش کی سبیلیں سب بند تھیں، ادھر خدام کو خدمت کرنے کے لئے آپ کو دکھلا کر خوشنود کرنا داعی نہ تھا، ایسی حالت میں ان حضرات کی خدمت کرنا بڑی ہمت والوں کا یا عشاق کا کام تھا، کیوں کہ عاشق کی نظر میں محبوب کی ہر ملابس چیز کی عظمت اور قدر رہوتی ہے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں یہ ظاہر فرمادیا کہ بی بی کا کتنا بڑا حق ہے کہ زندگی سے متجاوز ہو کر بعد وفات بھی ان کی راحت کا اہتمام مطلوب ومحمود ہے اور کثرتِ ازواج میں اس اہتمام میں اور اضافہ ہوگا، اور اسی طرح خدمت گزاری کی فضیلت میں اضافہ ہوگا جس کو صحابہ رضی اللہ عنہم دل وجان سے اپنی سعادت سمجھ کر بجالائے۔ یہ مجموعی مصالح عدم تزوج یا عدم تعدد میں کہاں متحقق ہوتے اور یہی مضمون مع الزوائد فوائد کے نمبر ۹۷ میں آوے گا۔

حدیث ۷۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور میرے پاس آپ کے چھ دینار تھے (ایک روایت میں ہے کہ سات تھے) آپ نے مجھ کو حکم دیا کہ ''ان کو (امورِ خیر میں) صرف کردوں۔'' میں آپ کے مرض میں مشغول ہوگئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت دے دی، وہ فرماتی ہیں کہ پھر آپ نے ان کے متعلق مجھ سے پوچھا کہ ''وہ چھ دینار (یا سات دینار) کیا ہوئے'' میں نے عرض کیا کہ واللہ! میں آپ کی بیماری میں مشغول ہوگئی۔ آپ نے ان کو منگایا، پھر ان کو آپ نے کف مبارک میں برابر برابر کر کے رکھا اور فرمایا کہ ''اللہ کے نبی کو کیا خیال کیا جاوے گا اگر وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کریں کہ یہ دینار ان کے پاس ہوں۔'' (ج)

فائدہ: ایسے مخفی حالات پر جیسی اطلاع بی بی کو ہوسکتی ہے دوسرے کو نہیں ہوسکتی نیز بی بی سے اپنے خاص جذبات کا پردہ نہیں کیا جاتا، دوسرے شخص کے ساتھ فی نفسہ

مصلحت کے معاملہ کا احتمال ہوسکتا ہے گو نبی ہونے کے اعتبار سے اس کا احتمال نہ ہو۔ پس اس حالت میں اس واقعہ کی دلالت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بےتعلقی دنیا پر نہایت اصرح واوضح ہے، خصوص حالت مرض میں کہ فی الحال تدبیرات دوائیہ کی حاجت کی حالت ہے اور فی المآل اپنے اہل وعیال کی حاجت کے رعایت کو مقتضی ہے، خصوص ایسی حالت میں کہ عیال بھی کثیر ہو اور ان کے پاس کوئی ظاہری ذریعہ معاش کا بھی نہ ہو۔ تو بی بی کے ہونے سے آپ کی اتنی بڑی شان کا پتہ لگا۔

حدیث ۶۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بیبیوں کی ایک بے محل درخواست پر) قسم کھالی کہ اپنی بیبیوں کے پاس ایک مہینہ تک نہ جائیں گے۔ جب مہینہ کے انتیس دن گزرے (بیبیوں کے پاس) جانے کے لئے تشریف لائے، میں نے عرض کیا: کیا آپ نے ایک مہینہ کی قسم نہ کھائی تھی (اور ابھی اس میں ایک دن باقی ہے) آپ نے فرمایا "یہ مہینہ انتیس کا ہوا ہے۔" (ب)

فائدہ: وہ بے محل درخواست زیادہ خرچ مانگنے کی تھی جس میں وہ اس لئے کچھ معذور تھیں کہ اگر آپ چاہیں تو اللہ تعالیٰ اس کا سامان فرمادیں، مگر چوں کہ یہ آپ کے مذاق کے خلاف تھا، اس لئے آپ نے ناخوش ہوکر تادیب کے لئے یہ قسم کھالی، اور اتفاق سے آپ کے پاؤں میں موچ بھی آگئی تھی، اس لئے آپ بالا خانہ پر خلوت میں مقیم ہوگئے، پھر آیت تخییر کی نازل ہوئی اور سب نے آیت سن کر فقر وفاقہ ہی کو اختیار کرلیا۔ کتب تفسیر وحدیث میں یہ سب روایات مذکور ہیں۔

اور اس حدیث سے چند مسائل ثابت ہوئے: ایک یہ کہ باوجود بی بی سے محبت وبے تکلفی ہونے کے نامناسب امر پر تادیب کرنا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ تادیب میں اعتدال چاہئے، چناں چہ آپ نے ایلام جسمانی سے کام نہیں لیا۔ اور اس علیحدگی سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر کوئی بی بی سلام وکلام کرتی تو آپ جواب نہ دیتے، اور اگر ایسا بھی ہو تب بھی تادیب واصلاح دین کے لئے جائز ہے۔ تیسرے یہ کہ ان بیبیوں کی فضیلت ثابت

ہوئی کہ ان سے آیت تخییر میں وعدہ تھا کہ اگر تم دنیا چاہو تو تم کو دنیا مل جاوے گی، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہیں رہنے پاؤ گی، پھر بھی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے علیحدگی کو گوارا نہیں کیا اور فقر وفاقہ کو گوارا کیا۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے میں اصل مطمحِ نظر سب کو دین ہی تھا۔

حدیث ۶۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ، پنج شنبہ کے روزہ کا اہتمام فرماتے تھے۔ (ج)

فائدہ: اکثر ایسے حالات بیبیوں کو بلا تکلف معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ بلا ضرورتِ شدیدہ ایسی عبادات کا نہ آپ اظہار فرماتے، نہ صحابہ کی ہمت دریافت کرنے کی ہوتی، کیوں کہ آپ کے بعض افعال آپ کے ساتھ مخصوص ہیں، اس لئے افعال کی تحقیق بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار بھی ہوتی تھی۔ چناں چہ ایک بار ایک شخص نے آپ سے پوچھا: آپ کس طرح روزہ رکھتے ہیں؟ آپ کو غصہ آیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف صورتیں پیش کر کے ان کا حکم پوچھا الحدیث۔

(کذا فی جمع الفوائد عن مسلم وابی داؤد والنسائی)

حدیث ۷۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب بیبیوں کے پاس ایک ایک کر کے تشریف نہ لاتے ہوں، پس پاس بیٹھتے تھے اور ہاتھ بھی لگاتے تھے، مگر ہم بستری نہ فرماتے یہاں تک کہ جس بی بی کا دن ہوتا اس کے پاس تشریف لے جاتے اور شب گزارتے۔ (ب)

فائدہ: جو وقت کسی خاص بی بی کا نہ ہو اس میں ایسے استمتاعات جائز ہیں، مگر صحبت نہ کرے، جیسا اس حدیث میں حضور کا یہی معمول مذکور ہے۔ "درمختار" باب القسم میں ہے کہ ایک کی باری میں دوسری سے ہم بستری نہ کرے، اور "ردالمحتار" میں طحطاوی سے نقل کیا ہے کہ اگر چہ دن ہی میں ہو (جو کہ کسی کا بھی وقت نہیں)

حدیث ۷۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ پر نیند کا غلبہ

ہوتا (اور وقت پر آنکھ نہ کھلتی) یا مرض کا غلبہ ہوتا (اور اٹھنے کی قدرت نہ ہوتی) اور (عذر مذکور کے سبب) شب کو نماز نہ پڑھتے تو دن میں بارہ رکعت پڑھ لیتے تھے۔(ج)

فائدہ: ایسے حالات کی اطلاع جس بے تکلفی سے بی بی کو ہوسکتی تھی عادۃً دوسرے خادم کو نہیں ہوسکتی، کیوں کہ خدام کو اکابر سے اتنا قرب عادت کے خلاف ہے۔اور یہ ایک واضح دلیل ہے صدق وحقانیت کی، کہ ایسے حالات کو بھی جو بادی النظر میں درجہ کمال سے متنزل ہیں، مخفی نہیں رکھا گیا، اور ظاہر ہونے سے خاص احکام کی تحقیق ہوگئی۔ چناں چہ اس سے جو حکم ثابت ہوا وہ ظاہر ہے کہ شب کے ناغہ کا بدل دن کو مطلوب ہے۔ اور ظاہراً اس سے تہجد کی بارہ رکعت ثابت ہوتی ہیں، چناں چہ بعض علماء کا قول یہی ہے۔ اور اگر یہ دیکھا جاوے کہ کسی روایت میں بارہ رکعت تہجد صریح منقول نہیں تو دو رکعت کو تحیۃ الوضوء پر محمول کرلیا جاوے گا۔اور اسی طرح ''صحیح بخاری'' میں جو چھ بار رکعتین رکعتین کے بعد ثم أوتر آیا ہے وہ بھی تہجد کے اس عدد میں صریح نہیں اس میں دو احتمال ہیں: ایک احتمال مذکور، دوسرے اخیر کے شفعہ میں جزو تر ہونے کا احتمال۔

حدیث ۲۷: بنی سواء کے ایک شخص روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی نسبت پوچھا، انہوں نے کہا: کیا تم قرآن (میں) نہیں پڑھتے: ﴿انک لعلٰی خلق عظیم﴾ (یعنی قرآن شاہد ہے کہ آپ کے اخلاق اعلیٰ درجہ کے تھے، آپ کے اخلاق کا نقشہ یہی کافی ہے)۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اس کے متعلق مجھ سے کچھ بیان کیجئے (یعنی کوئی خاص واقعہ جس سے آیت کی کچھ تفسیر بطور نمونہ کے ہوجاوے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے آپ کے لئے کچھ کھانا تیار کیا اور کچھ کھانا آپ کے لئے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے تیار کیا، میں نے اپنی لونڈی سے کہا کہ جا (دیکھتی رہ) اگر حضرت حفصہ کھانا لاویں اور (میرے کھانے سے) پہلے (دسترخوان پر) رکھ دیں تو کھانا گرادیجیو (چناں چہ) وہ کھانا لائیں اور لونڈی نے اس کو گرادیا، رکابی بھی گر گئی اور ٹوٹ گئی، اور

(جس میں کھانا گرا) وہ دستر خوان چمڑے کا تھا (اس لئے ضائع نہیں ہوا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھانے) کو جمع کیا اور (حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا: (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) بدلہ لو، یعنی اپنے برتن کے بدلے برتن لو۔ (ب)

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فعل غیرت ورشک سے تھا، کہ میری باری کے دن میں خدمت کرنے کا اصل حق مجھ کو تھا، اس میں یہ کیوں شریک ہوئیں، خصوص اگر اتفاق سے ان کا کھانا زیادہ مرغوب ہوا اور آپ نے وہی تناول فرمایا تو میری محنت ہی ضائع گئی۔ اور گو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا یہ فعل غیر مشروع نہ تھا، مگر خاص تعلقات کے موقع پران دقائق کی رعایت بھی اولیٰ ہے، کہ ہماری کسی خدمت کے سبب دوسرے کی خدمت کی بے قدری نہ ہو مگر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذہن غایت محبت وشوق خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب اس طرف منتقل نہیں ہوا، اس بنا پر کسی پر بھی ملامت نہیں۔

باقی کھانا گرادینے کی تجویز کرنا، سو اس کی جو صورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تجویز کی تھی اس میں کھانا ضائع نہیں ہو سکتا، بلکہ برتن سے چمڑے کے دستر خوان پر رکھا گیا، البتہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنی ناگواری دکھلانا تھی، سو وہ اس صورت میں ظاہر ہوگئی۔ رہا برتن کا ٹوٹ جانا، سو یہ لونڈی کی بے احتیاطی تھی کہ دستر خوان پر رکھنے سے پہلے ہی جب برتن اونچا تھا ہاتھ ماردیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو صاف فرمادیا تھا کہ جب رکھ دیں تو گرادیجیو سو اس کا الزام اگر کوئی تاویل نہ کی جاوے تو لونڈی پر ہو سکتا ہے، اور اس کی طرف سے یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ وہ اس نقصان کو ایسی بلند نظر جماعت کی نظر میں نقصان نہیں سمجھی، یا اس کا گمان نہ ہوگا کہ برتن ٹوٹ جائے گا، خصوص اگر برتن اور کھانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک ہو تو یہ سب تصرفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں تھے جس میں سب کو عفو اور عدم مواخذہ متیقن تھا۔ رہا بدلہ دلوانا، یہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی دل جوئی کے لئے تھا تا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فعل کو گوارا کر لیا۔

اوراس صورت میں یہ اشکال بھی واقع نہیں ہوتا کہ ذوات القیم میں ظرف دلوانا کیسے کافی ہوگیا اور اگر وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی ملک تھا تو صاحب حق اگر اس عوض پر راضی ہوجائے تو جائز ہے۔ رہا اس معمولی قصہ سے آپ کے خلق عظیم پر استدلال، وہ اس طرح سے ہے کہ ایسے معمولی خفیف معاملات میں ایسی دقیق رعایتیں کرنا یہ غایت درجہ کی شفقت وعلونظر وتواضع کی دلیل ہے، ورنہ رفیع المقام لوگ ایسے واقعات کوسننا بھی گوارانہیں کرتے، چہ جائے توجہ تام۔

حدیث ۷۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کا غسل فرماتے، پھر مسجد میں اس حالت میں تشریف لاتے کہ آپ کے سر مبارک سے قطرے ٹپکتے ہوتے اور آپ اس دن کے روزہ کا بھی ارادہ رکھتے۔ (ج)

فائدہ: دوسری روایات سے آپ کی عادت شریف مسجد میں تشریف لانے کے متعلق معلوم ہے کہ نماز کے وقت تشریف لاتے تھے۔ اور قطرے ٹپکنا دلیل ہے بالکل تازہ غسل کی، تو اس طرح سے یہ غسل صبح صادق کے بعد ہوا، اور ظاہراً جنابت کا سبب ہم بستری ہے، تو اس سے ہم بستری کے بعد صبح صادق کے قبل غسل نہ کرنے کا جواز اور اس سے روزہ میں خلل نہ آنا ثابت ہوا۔ اور بجز بی بی کے دوسرا شخص عادۃً جنابت اختیار یہ کا جزم کے ساتھ حکم نہیں کرسکتا۔

حدیث ۷۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگل کو صدقہ کے اونٹوں کی طرف تشریف لے گئے، پھر اپنی سب بیبیوں کو ایک ایک اونٹ عطا فرمایا بجز میرے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے سب بیبیوں کو ایک ایک اونٹ عطا فرمایا بجز میرے۔ سو آپ نے ایک اونٹ مجھ کو بھی دیا جو شوخ اور سخت تھا جس پر سواری بھی نہیں کی گئی تھی اور فرمایا: ''اے عائشہ (رضی اللہ عنہا) اس کے ساتھ نرمی کرنا، کیوں کہ نرمی جس چیز سے مقارن ہوتی ہے اس کو زینت دے دیتی ہے (تو انسان اگر نرمی کرے تو اس کی زینت بڑھ جاتی ہے) اور جس چیز

سے مفارق ہوتی ہے اس کو بدزیب کر دیتی ہے۔‘‘(ب)

فائدہ: جو اونٹ بیبیوں کو عطا فرمائے اگر یہ صدقہ کے تھے تو ان کے عطا کرنے میں کسی کے لئے بھی ازواج میں مساوات ضروری نہیں۔ رہا یہ کہ صدقہ ازواج مطہرات کے لئے جائز تھا یا نہیں؟ سو صدقۂ نافلہ میں تو جواز متفق علیہ ہے، تو یہ صدقہ اگر نافلہ تھا تو کچھ اشکال ہی نہیں۔ اور زکاۃ میں جمہور کا مذہب بھی جواز ہے (کما نقل الشامی عن ابن بطال اتفاق الفقهاء علیه) اس پر بھی کچھ اشکال نہیں اور بعض علماء نے عدم جواز کا حکم کیا ہے (نقله الشامی عن المغنی عن عائشه رضی الله عنها قولها: انا آل محمد لا تحل لنا الصدقة. قال: فهذا یدل علی تحریمها علیهن انتهی. ثم أمر بالتأمل، وجه التأمل احتمال الروایة للتاویل) اس قول پر کہا جا سکتا ہے کہ ان اونٹوں میں غیر زکوٰۃ کے بھی مخلوط ہوں گے۔ اور اگر وہ عطا کئے ہوئے اونٹ آپ کی ملک تھے تو یا تو مساوات آپ پر واجب نہ تھی جیسا بعض علماء کا قول ہے یا آپ کا ارادہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی دینے کا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع نہ تھی اور ہر حال میں اس واقعہ سے ایک اور لطیف مسئلہ مستنبط ہوا کہ باوجود یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ کو سب ازواج سے زیادہ محبت تھی، مگر معاملات میں ان کو مقدم نہ رکھتے تھے، بلکہ بعض اوقات ان کو مؤخر فرما دیتے تھے جیسا اس واقعہ میں ہوا اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کو پہلے سے بالکل ہی دینے کا ارادہ نہ ہو جیسے بعض صورتوں میں یہ جائز بھی تھا، تو تاخیر سے بڑھ کر ان کے لئے حرمان گوارا فرمایا، اس سے آپ کا محبت میں مغلوب نہ ہونا صاف واضح ہوتا ہے اس سے متعدد بیبیوں والوں کو سبق لینا چاہئے۔

حدیث ۷۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (سفر میں) تشریف لے جاتے (اور کسی بی بی کو بھی ہمراہ لے جانا چاہتے) تو (ان بی بی کی تعیین کے لئے) بیبیوں میں قرعہ ڈالتے تھے (جن کا نام نکل

آ تا ان کو ساتھ لے جاتے)۔(ب)

فائدہ: اس حدیث سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت دل جوئی اور رعایت بیبیوں کی ظاہر ہے، کیوں کہ سفر میں عدل واجب نہیں، اسلئے زوجاتِ متعددہ میں سے جس کو دل چاہے ہمراہ لے جانا جائز ہے، اور یہ حکم اپنے محل میں دلیل سے سب کے لئے ثابت ہو چکا ہے، پھر باوجود اس کے ان کی دل شکنی کے رفع کرنے کے لئے قرعہ کی صورت اختیار کرنا یہ نہایت درجہ کی شفقت ہے۔

اور قرعہ کا حکم یہ ہے کہ جس جگہ بدون قرعہ کے تعیین حق کی جائز ہو وہاں قرعہ جائز ہے، جیسے حاکم یا حکم دو شخصوں میں مکان مشترک تقسیم کرے تو اسکو بدون قرعہ کے بھی حق حاصل ہے کہ ایک کو ایک طرف سے دے دے دوسرے کو دوسری طرف سے، مگر رفع شبہ کے لئے قرعہ مستحب ہے، اور جس جگہ بدون قرعہ کے تعیین جائز نہ ہو وہاں قرعہ سے بھی جائز نہیں جیسے ایک مکان میں دو شخصوں کا نزاع ہو اور ہر شخص اپنے مالک ہونے کا مدعی ہو یہاں قرعہ سے مالک کی تعیین جائز نہیں، بلکہ قانون شرعی سے فیصلہ کرنا واجب ہے۔

حدیث ۷۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شب میں ان کے پاس سے باہر تشریف لے گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ کو آپ پر رشک ہوا (اس گمان سے کہ شاید کسی بی بی کے پاس تشریف لے گئے ہوں) حالاں کہ یہ گمان نہ صحیح تھا، نہ آپ کے معمول ملتزم کے اعتبار سے صحیح ہو سکتا تھا، گو عدل بھی آپ پر واجب نہ ہو، اور عقلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ایسا گمان نہیں کر سکتی تھیں مگر طبعاً معذور تھیں، اسی واسطے اس کو غیرت سے تعبیر کیا جو امر طبعی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے:

عشق ست و ہزار بدگمانی　　با سایہ ترانمے پسندم

پھر آپ تشریف لے آئے اور میں (اضطراب میں) جو کچھ کر رہی تھی (مثلاً اضطراب کی حرکات) اس کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا: ''اے عائشہ! تم کو کیا ہوا؟ کیا تم کو

رشک ہوا؟" فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا وجہ کہ مجھ جیسا (محبّ) آپ جیسے (محبوب) پر رشک نہ کرے۔ رسول اللہ نے فرمایا: "تجھ کو تیرے شیطان نے پکڑ لیا"۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میرے ساتھ کوئی شیطان ہے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں اور (تمہاری کیا تخصیص ہے) ہر آدمی کے ساتھ (ایک شیطان) ہے"۔ میں نے عرض کیا اور آپ کے ساتھ بھی یا رسول اللہ!؟ آپ نے فرمایا: "ہاں لیکن میرے رب نے اس کے مقابلہ میں میری اعانت فرمائی، یہاں تک کہ میں اس سے سالم (یعنی محفوظ) رہتا ہوں"۔ یا (ایک روایت پر) یہ فرمایا کہ "وہ اسلام لے آیا"۔ (ب)

فائدہ: آپ کی حسن معاشرت کا اندازہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس سوال ہی سے ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے حقوق عظمت پر حقوق محبت کو غالب رکھتے تھے، ورنہ اس سوال کی کیا مجال تھی۔ اور شیطان سے مراد یہاں خاص ابلیس نہیں، اسکی ذریت مراد ہے، اور اس کا مسلمان ہو جانا کسی طرح ممتنع نہیں۔

حدیث ۷۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بی بی کے لئے اس کے دن کا اور رات کا حصہ دیتے تھے، بجز اس کے کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنا دن اور اپنی رات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی تھی، مقصود ان کا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی تھی۔ (ب)

فائدہ: اپنی باری اپنی سوت کو دے دینا جائز ہے اور اس سے رجوع کر لینے کا حق بھی ہمیشہ حاصل ہے، اور اس سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا ایثار صاف ثابت ہوتا ہے کہ اپنا حق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا، گو زیادہ مقصود اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ خوش کرنا تھا۔ اور زیادہ اس لئے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس حالت میں بھی خوش تھے جب وہ باری لیتیں، اس سے سوتوں کو سبق لینا چاہئے کہ سوت کی رعایت کیا کریں اور شوہر کے زیادہ خوش رکھنے کا اہتمام رکھا کریں، حرص وحسد سے بچیں۔

حدیث ۷۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرماتے تو ان کی تعریف فرماتے اور بہت زیادہ تعریف فرماتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھ کو ایک روز (بہت) رشک ہوا اور میں نے کہا کہ آپ ایسی عورت کا کیا کثرت سے ذکر فرمایا کرتے ہیں جس کی باچھیں لال لال تھیں (یعنی دانت ٹوٹ جانے سے لال لال کھال نظر آنے لگتی ہے) خدا تعالیٰ نے اس کی جگہ اس سے اچھی دے دی (یعنی میں)۔ آپ نے فرمایا کہ اُس سے اچھی خدا تعالیٰ نے مجھ کو نہیں دی (یعنی تم اس سے اچھی نہیں ہو، کیوں کہ) وہ مجھ پر ایسے وقت میں ایمان لائی جب اور لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا، اور ایسے وقت میں میری تصدیق کی جب اور لوگوں نے میری تکذیب کی، اور اس نے میری مالی خدمت کی جب کہ اور لوگوں نے مجھ کو محروم رکھا (یعنی کسی نے میری ہمدردی نہیں کی، کیوں کہ دعوت نبوت کے بعد عام طور پر لوگوں کو بغض ہو گیا تھا) اور اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس سے اولاد بھی دی جب کہ دوسری بیبیوں سے مجھ کو اولاد نہیں دی۔'' (ب)

فائدہ: اس سے چند فوائد معلوم ہوئے: ایک یہ کہ بی بی کا ایک یہ بھی حق ہے کہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے حقوق ادا کرے، جیسے آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شکر گزاری فرمائی، اور جیسے آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو کھانے پینے کی چیزوں کا حصہ بھیجا کرتے تھے جیسا اور روایات میں آیا ہے، اور من جملہ ان حقوق کے جو کہ قواعد عامہ سے ثابت ہیں، یہ بھی ہے کہ اس کو ثواب بخشا کرے۔

دوسرا فائدہ یہ کہ مصائب میں ساتھ دینا اور مالی خدمت کرنا اور صاحب اولاد ہونا یہ بھی من جملہ اسباب زیادتِ محبت کے ہے، اس سے متاثر ہونا فطرت سلیمہ کا مقتضا ہے البتہ معاملات معاشرت میں اس کو اسباب ترجیح میں سے نہ قرار دیا جاوے۔

تیسرا فائدہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں مصالح عقلیہ جذبات طبعیہ پر غالب تھیں اور یہی مصالح سبب ہوئے تھے کثرت ازواج کا۔ چناں چہ اس واقعہ میں آپ کا تعلق حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کے تعلق سے اقویٰ ہونا صاف ظاہر ہے، حالانکہ جذبۂ طبعیہ کے اسباب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں زیادہ تھے۔

حدیث ۷۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (غایت شفقت واہتمام کے سبب) مجھ پر جھک گئے اور یہ فرمایا کہ ''جتنی چیزیں میں اپنے پیچھے (یعنی بعد وفات) چھوڑ جاؤں گا ان سب میں زیادہ فکر کی چیز تم (بیبیاں) ہو (کہ تمہارے خرچ اور راحت کی کیا صورت ہوگی) واللہ تم پر وہی لوگ شفقت (اور فکر خدمت) کریں گے، جو صابر (یعنی حقوق کے نباہنے والے) یا یوں فرمایا کہ جو صادق (یعنی محبت میں راسخ) ہوں گے''۔ (ب)

فائدہ: اس حدیث سے کس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت بیبیوں پر معلوم ہوتی ہے کہ باوجود سید المتوکلین ہونے کے معاش کے ظاہری اسباب نہ ہونے کے سبب ان کا خیال ہوا، مگر غلبہ توکل ہی کو رہا کہ ان کے لئے کوئی ذخیرہ جمع نہیں فرمایا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظاہری اسباب پر نظر ہونا بشرطیکہ عوام کے لئے حدودِ شرع سے اور خواص کے لئے حدود کمال سے تجاوز نہ ہو، توکل کے خلاف نہیں، اور اگر عیال میں ایسا استقلال نہ ہو تو خواص کا حکم بھی عوام ہی کا سا ہے کہ عیال کو حدود کمال پر مجبور کرنا مناسب نہیں اور آپ کے بعد کی دینی چیزیں اس سے بھی زیادہ اہم ہیں، مگر ایک اعتبار سے یہ زیادہ اہم ہیں، کیوں کہ دین کو سب اہم سمجھ کر اس کا اہتمام کریں گے اور یہ چوں کہ جزو دین نہیں اس میں عدم اہتمام کا احتمال تھا۔

حدیث ۸۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں حیض کی حالت میں ہڈی چوستی تھی، پھر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مجھ سے) لے کر میرے منہ کی جگہ منہ رکھتے تھے (اور چوستے تھے) اور (اسی طرح) میں (کسی) برتن سے (پانی) پیتی تھی، پھر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر اسی میری منہ کی جگہ منہ رکھتے تھے (اور پیتے تھے) اور میں حالت حیض میں ہوتی تھی۔ (الف)

فائدہ: اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ حائضہ کا جھوٹا پاک ہے جس میں کسی قسم کی کراہت نہیں کیا بی بی کے سوا اور کسی کو ایسے برتاؤ کا موقع مل سکتا جہاں بی بی کے ہونے سے اس حکم کا عملی ظہور ہوا؟

حدیث ۸۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک سفر میں تھے (اور بعضی بیبیاں بھی ساتھ تھیں) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہوگیا، اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اونٹوں میں زائد اونٹ تھا، ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''صفیہ کا اونٹ بیمار ہوگیا، اگر اپنے اونٹوں میں سے ایک اونٹ ان کو دے دو'' (تو مناسب ہے) انہوں نے جواب دیا: (ہاں) میں دوں گی اس یہودیہ کو (کیوں کہ وہ پہلے یہودیہ تھیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ناخوش ہوکر) ان کے پاس آمدورفت کو ذی الحجہ ومحرم دو مہینے یا (ایک مہینہ زائد یعنی) تین مہینہ تک ترک فرمادیا، وہ کہتی ہیں کہ میں آپ سے مایوس ہوگئی (یعنی آمدورفت کی امید نہ رہی) اور میں نے اپنی چارپائی بھی (اس کی جگہ سے) ہٹادی (کیوں کہ اس جگہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بچھارکھی تھی) ایک روز دوپہر کے وقت گھر میں تھی اچانک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دیکھا کہ ادھر کو آرہا ہے (پھر معلوم ہوا کہ حضور تشریف لے آئے اور راضی ہوگئے)۔ (ب)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کے معاملات میں آپ سیاست سے بھی کام لیتے تھے اس معاملہ میں ایک کو ایک پر ترجیح نہ تھی باوجود یہ کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کی پھوپی زاد بہن ہیں اور آیت: زوجنکھا کی مورد ہیں مگر انصاف کے موقع پر آپ نے ان کی رعایت نہیں فرمائی۔ اور اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ اصلاح دین کے لئے تین روز سے زیادہ بھی ترک تعلق جائز ہے اور ایک یہ معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ تھا، اور سایہ نہ ہونے کی جو حکایت مشہور ہے وہ بعض احوال کے اعتبار سے تھا جب آپ پر ابر سایہ فگن ہوتا تھا۔

حدیث ۸۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے (استعمال کے) لئے ایک ادنیٰ سیاہ چادرہ تجویز کیا۔ راوی نے اس کی سیاہی اور آپ کی سفیدی کا ذکر کیا (یعنی آپ کا رنگ گورا تھا اشارہ ہے خوش نمائی کی طرف، کیوں کہ سیاہ کپڑے میں گورا رنگ خوش نما معلوم ہوتا ہے) آپ نے اس کو پہنا، جب آپ کو پسینہ آیا اور اس کی بدبو آپ کو معلوم ہوئی تو آپ نے اس کو اتار دیا۔ اور آپ کو اچھی خوشبو پسند تھی۔ (ج)

فائدہ: اس سے آپ کا تنعم سے ایسا جدا رہنا کہ وہ چادرہ باوجود کم حیثیت ہونے کے کسی قدر ایذا دہ بھی تھا، ظاہر ہے۔ اور خلوت خاص میں اس کا استعمال بہ نسبت مجمع میں استعمال کے اس پر زیادہ دال ہے، کیوں کہ گھر والوں سے کوئی راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

حدیث ۸۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف جھکے تا کہ میرا بوسہ لیں، میں نے عرض کیا: میرا روزہ ہے۔ آپ نے فرمایا: ''میرا بھی روزہ ہے'' پھر میرا بوسہ لیا۔ (الف)

فائدہ: اس سے مسئلہ ثابت ہوا کہ روزہ میں بوسہ لینا جائز ہے، خواہ ایک کا روزہ ہو یا دونوں کا۔ اور دوسری حدیثوں سے اس میں ایک قید بھی ہے کہ اندیشہ ہم بستری کا نہ ہو اور اظہارِ شرعی کی ضرورت سے اپنے ایسے واقعہ کا بیان کر دینا یہ حیا کے خلاف نہیں، خاص کر جس حیا کا مدار عرف پر ہو۔ عرب کی سادگی کے اعتبار سے یہ خلاف حیا نہ تھا، اور ہر چند کہ آپ کا ارشاد بیان جواز کے لئے کافی تھا مگر کراہت کا خلجان رفع کرنے کے لئے خود عمل سے زیادہ کوئی طریقہ موثر نہ تھا۔

حدیث ۸۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک عورت کی نقل کر دی (یعنی) اس کے پستہ قد ہونے کا (اشارہ سے) ذکر کیا (مثلاً ہاتھ سے بتایا ہوگا کہ ایسی ہے) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے اس کی غیبت کی۔'' (ب)

فائدہ: معلوم ہوا کہ غیبت جیسے الفاظ سے ہوتی ہے اشارات سے بھی ہوتی ہے، یہ ظاہر ہے کہ بجز بی بی کی ایسی بے تکلفی کسی خادم کو نہیں ہوسکتی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کسی کی ہیئت وغیرہ کی نقل اتارے، اس حکم کا ظہور بی بی ہی کے ذریعہ سے ہوا، یہ حکمت ہوئی بیبیوں کے ہونے میں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ تبلیغ بھی اس سے ظاہر ہوئی کہ جن مواقع میں عادۃً طرح دے دی جاتی ہے آپ نے تنبیہ میں بی بی کی ذرا رعایت نہیں فرمائی۔

حدیث ۸۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ ایک اونٹ پر سوار ہوئیں اور (اس کی کسی شوخی پر) اس پر لعنت کی (جیسے عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ کسی چیز سے دل تنگ ہوکر اس کو کوسنے لگتی ہیں) پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے (زجراً) فرمایا: "اس پر سوار مت ہو" (کیوں کہ ملعون سے دور ہی رہنا چاہئے)۔(ب)

فائدہ: یہ زجر تھا بطورِ الزام کے، یعنی جب وہ ملعون یعنی رحمت سے بعید ہے تو اس کا مقتضا یہ ہے کہ اس سے قرب نہ ہونا چاہئے اور سواری میں قرب ہے، اور یہ زجر فعلی کہ سواری سے روک دیا جس سے ان کا ایک قسم کا حرج بھی ہوگا زجر قولی سے بدرجہا ابلغ ہے۔ اور اس سے بھی وہی فائدہ مستنبط ہوا جو حدیث سابق سے ہوا تھا یعنی تنبیہ میں بی بی کی ذرا رعایت نہیں فرمائی اور اس خاص صفت کا ظہور ظاہر ہے کہ بیبیوں کے وجود ہی پر موقوف ہے۔

حدیث ۸۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میرا ایک کپڑا چوری ہوگیا، میں اس پر (یعنی چوری کرنے والے پر) بددعا کرنے لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بددعا کرکے) "چور کے لئے (سزا میں) تخفیف مت کرو۔"

یعنی بددعا چوں کہ ایک قسم کا انتقام ہے، صاحب حق کے انتقام لینے میں پھر من جانب اللہ سزا ملنے میں کمی ہوجاتی ہے اور اس کے یہ معنی نہیں کہ تکمیل سزا امرِ مطلوب ہے، بلکہ مندوب تو یہ ہے کہ بالکل ہی معاف کردیا جاوے تو تخفیف اور تقلیل تو اس سے اہون ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ بددعا کا منشا تو غایتِ بغض ہے اور اس کا اثر غایت

بغض کے منافی ہے۔ آپ نے نہایت لطیف طریق سے بددعا سے روکا، اور فطرتِ سلیمہ کا مقتضا یہ ہے کہ جب کسی کے اضرارِ قولی کو گوارا نہیں کرے گا تو اس کے اضرارِ حالی کو کیسے گوارا کرے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ بالکل معاف کردے گا، البتہ جہاں کسی قدر انتقام لینے میں خود دوسرے ہی کی مصلحت ہو وہاں عفو پر انتقام کو ترجیح ہوگی، مثلاً تادیب و اصلاح کے لئے زجر و عقوبت کرنا یا اس انتقام سے زیادہ اشد کسی ضررِ محتمل کے دفع کے لئے انتقام لے لینا جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں اپنے گھر والوں کے لئے لدود تجویز فرمایا جنہوں نے باوجود اظہار ناگواری کے آپ کو محض محبت و خیر خواہی سے دوا پلائی تھی، جس میں حکمت یہ تھی کہ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو احتمال تھا کہ من جانب اللہ کسی بلا میں گو وہ دنیاوی ہی ہو مبتلا نہ ہو جاویں، اور اس سے بھی وہی فائدہ ثابت ہوا کہ آپ اپنے ازواج پر بھی پورا احتساب فرماتے تھے۔

حدیث ۸۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں کے درمیان باری مقرر فرماتے تھے اور اس میں برابری فرماتے، اور یہ فرماتے کہ ''یہ میری تقسیم ہے'' پھر دعا کرتے کہ ''اے اللہ! یہ میرا فعل ہے اس امر میں جو میرے اختیار میں ہے، سو مجھ کو اس امر میں ملامت نہ کیجئے جو آپ کے اختیار میں ہے اور میرے اختیار میں نہیں۔'' (ب)

فائدہ: امر اختیاری سے مراد معاملات و معاشرت ہیں اور غیر اختیاری سے مراد محبت و میلان ہے، اس میں آپ نے یہ بتلا دیا کہ محبت میں برابری ضروری نہیں اور اس کی بنا بھی بتلا دی کہ اس کا غیر اختیاری ہونا ہے، اور باوجود یہ کہ قاعدہ شرعیہ و عقلیہ سے غیر اختیاری پر مواخذہ نہیں، مگر پھر اس کی دعا کرنا اس طرف اشارہ ہے کہ بعض اوقات اختیاری ہونا خفی ہوتا ہے جو سرسری نظر سے سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے اس میں غلطی ہو جاتی ہے۔

حدیث ۸۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوتی رہتی تھی اور میرے پاؤں آپ کے قبلہ کے رخ ہوتے

تھے، جب آپ سجدہ میں جاتے مجھ کو (یعنی میرے پاؤں کو ہاتھ سے) دبا دیتے، میں اپنا پاؤں سمیٹ لیتی، اور جب آپ کھڑے ہوتے میں پھر پھیلا لیتی، اور اس زمانہ میں گھروں میں چراغ نہ تھے (یعنی ان کا رواج نہ تھا)۔ (ب)

فائدہ: اس سے آپ کی حسن معاشرت ظاہر ہے کہ ایسے امور کو گوارا فرماتے تھے، آج کل کے متکبر دنیاداروں یا متخشن دین داروں کی حالت افسوس کے قابل ہے کہ اپنے گھر والوں سے بھی ادب و تعظیم چاہتے ہیں۔

حدیث ۸۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی برابر کوئی اچھا کھانا پکانے والی نہیں دیکھی، انہوں نے ایک برتن میں کھانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھیجا، مجھ کو (مارے رشک کے) اپنے اوپر قابو نہ رہا، میں نے وہ برتن توڑ دیا، پھر (پچھتائی اور) میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "برتن جیسا برتن اور کھانا جیسا کھانا"۔ (ب)

فائدہ: بنا اس ناگواری کی رشک و غیرت تھی، کہ میری باری کے دن میں دوسرا کیوں شریک خدمت ہوا، اور رشک میں تو انسان معذور ہے، لیکن اس کے مقتضا پر اس حد تک عمل کرنا مناسب نہیں، اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پچھتائیں اور کفارہ پوچھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فعل کو بہت زیادہ ناپسندیدہ سمجھا، ورنہ سرسری فعل کا کفارہ کون پوچھتا ہے، اور یہ دلیل ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی غایت خشیت کی، اور اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید زجر کی ضرورت نہیں سمجھی، کیوں کہ نادم پر ملامت کیسی، ورنہ اوپر بہت حدیثوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ نے کبھی حق میں کسی سے تسامح نہیں فرمایا خواہ وہ کیسا ہی محبوب ہو۔ اور بدلہ دلوانے کی تحقیق حدیث نمبر ۲۷ کے ذیل میں ملاحظہ ہو۔

حدیث ۹۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (ایک بار) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج جمع ہوئیں اور سب نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پیغمبر صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور ان سے کہا کہ تم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہو کہ آپ کی بیبیاں آپ سے ابو قحافہ کی پوتی (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کے بارہ میں عدل کا مطالبہ کرتی ہیں (اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کی بیبیاں آپ کو عادل نہ سمجھتی تھیں، مقصود یہ ہوسکتا ہے کہ بعض چیزوں میں گو عدل ضروری نہیں مگر مروت کا اور آپ کی شان کا مقتضا یہ ہے کہ ان میں بھی عدل کیا جاوے) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کی چادر میں تھے (یہ ہیئت واقع میں خلاف حیا نہیں لیکن اگر کہیں کا عرف اس کے خلاف ہو تو عرف کا لحاظ مناسب ہے، عرب میں عرف کے خلاف بھی نہ تھا)

انہوں نے عرض کیا کہ آپ کی بیبیاں آپ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارہ میں عدل کا مطالبہ کرتی ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ "کیا تم کو مجھ سے محبت ہے؟" انہوں نے عرض کیا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: "تو عائشہ سے بھی محبت کرو" (اور ایسی گفتگو مت کرو جس سے ان کی دل آزاری ہو اور اس گفتگو سے ان کی دل آزاری ہوگی، کیوں کہ جس عدل کا وہ مطالبہ کررہی ہیں یعنی عدل فی المحبت وہ غیر اختیاری ہے، اور اس میں تفاوت محض من جانب اللہ نعمت ہے تو اس میں شرکت کی درخواست ایک نعمت موہوبہ کے سلب کی خواہش ہے جو یقیناً دل آزاری کا سبب ہے)

پس (یہ سن کر) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا واپس ہوگئیں اور بیبیوں کو اس ارشاد کی اطلاع کردی۔ انہوں نے کہا کہ تم نے تو کچھ بھی نہ کیا، اب پھر آپ کی خدمت میں جاؤ اور پھر عرض کرو (بیبیوں کو اس عدل کے غیر اختیاری ہونے کی طرف التفات نہیں ہوا، اس لئے مکرر اہتمام کیا) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ واللہ میں اس معاملہ میں آپ کے پاس پھر نہ جاؤں گی (کیوں کہ اس گفتگو کا جو اثر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا وہ اس کا مشاہدہ کرچکی تھیں) ازہری کہتے ہیں کہ آخر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی بیٹی تھیں (اور بقاعدہ: الولد سر لأبیہ کمال دانش مندی کے ساتھ

موصوف تھیں، اس لئے دوبارہ کیسے گفتگو کرتیں)۔

پھر ان سب نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو بھیجا (کہ اس بارہ میں گفتگو کریں۔ ان بیبیوں کا عذر ابھی مذکور ہوا کہ ان کو اس عدل خاص کے غیر اختیاری ہونے کی طرف التفات نہیں ہوا) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہی زینب رضی اللہ عنہا تھیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں میں سے میرے مقابلہ میں آتی رہتی تھیں (کیوں کہ یہ ایک خصوصیت میں سب سے ممتاز تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں، نیز ان کو آیت زوجنکھا کے مورد ہونے کا بھی فخر حاصل تھا، غرض وہ حاضر ہوئیں اور) عرض کیا کہ آپ کی بیبیوں نے مجھ کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے اور وہ آپ سے ابو قحافہ کی پوتی (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کے بارہ میں عدل کا مطالبہ کرتی ہیں (اس کے معنی پہلے گزر چکے ہیں)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پھر وہ میری طرف متوجہ ہوئیں، برا بھلا کہنے لگیں (ان کا یہ خیال تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ترکیبیں کر کے زیادہ منظورِ نظر ہو رہی ہیں۔ اور برا بھلا کہنے سے یہی مراد ہے کہ اسی کے قرائن بیان کرنا شروع کر دیئے، اور ایسے قرائن مجتہد فیہ ہوتے ہیں، اس لئے نہ ان کی صحت ضروری ہے اور نہ ان کو صحیح سمجھنا مضر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کی رائے) کا انتظار کر رہی تھی اور آپ کی آنکھوں کی طرف دیکھ رہی تھی کہ آیا آپ مجھ کو بدلہ لینے کی اجازت دیتے ہیں (یا نہیں۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کمالِ انقیاد کی دلیل ہے کہ آپ نے منظور نظر ہونے پر ناز نہیں کیا، بلکہ آپ کی رائے کی منتظر رہیں) سو آپ کچھ بولے نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ انہوں نے مجھ کو اتنا برا بھلا کہا کہ مجھ کو ظن غالب یہ ہو گیا کہ آپ میرے انتقام کو ناپسند نہ فرماویں گے (قرائن سے ایسے امور معلوم ہو سکتے ہیں) پھر جو ان کی طرف متوجہ ہوئی تو کچھ دیر نہ گزری جو میں نے ان کو خاموش

کردیا (بدلہ لینے میں کوئی اشکال ہی نہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (اس وقت) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ "یہ آخر تو ابوبکر کی بیٹی ہیں" (جو برجستہ اور کافی تقریر میں مشہور ہیں، وہی اثر بیٹی میں ہے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کوئی عورت نہیں دیکھی جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے اچھی ہو اور زیادہ صدقہ دینے والی ہو اور زیادہ صلہ رحم کرنے والی ہو، اور اپنی جان کو ایسی چیزوں میں زیادہ صرف کرنے والی ہو جن سے حق تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے (مراد مختلف عبادات ہیں) بجز قدرے تیزی کے جو جلدی ہی جاتی بھی رہتی تھی (یعنی مزاج قدرے تیز تھا مگر زیادہ دیر تک نہیں رہتی تھی)۔(ب)

فائدہ: اس حدیث کے فوائد جابجا اثنائے ترجمہ میں بیان کردیئے گئے ہیں، جن کا حاصل مشترک یہ ہے کہ تعدد ازواج کی حالت میں ایسے واقعات میں کیا معاملہ کرے جس میں حدود بھی محفوظ رہیں اور اپنی طرف سے کسی کی طرف داری بھی نہ ہو، البتہ اگر ایک ظلم کرنے لگے تو مظلوم کی نصرت واجب ہے، اور یہاں بیبیوں میں اجتہاد کا اختلاف تھا، پر وہ بھی شرف زوال پر تھا، اس کو ظلم نہیں کہا جاسکتا، اس لئے آپ نے دخل نہیں دیا، اور یہ مضمون کسی قدر تفاوت کے ساتھ حدیث نمبر ۵۷ میں گزر چکا ہے۔

حدیث ۹۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (بستر پر) نہ پایا، میں سمجھی کہ کسی بی بی کے پاس تشریف لے گئے۔ پھر میں نے (ادھر ادھر) تلاش کیا اور واپس آگئی، سو دیکھتی کیا ہوں کہ آپ رکوع یا سجدہ میں یہ پڑھ رہے ہیں: **سبحانک وبحمدک لا الہ الا انت**: میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کس حال میں ہیں اور میں کس خیال میں ہوں (یعنی آپ عبادت میں مشغول ہیں اور میں ان وساوس میں ہوں)۔(ج)

فائدہ: اگر آپ کے ذمہ باری میں مساوات فرمانا واجب نہ تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ خیال محل اشکال نہیں اور بے تکلف یہی شق ہے، اور اگر واجب تھا تو کسی خاص

دنی ضرورت سے کھڑے کھڑے دوسری جگہ چلا جانا جائز ہے، جیسے کوئی ضروری بات کہنا یا علالت کی حالت میں مزاج پرسی کے لئے چلا جانا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کسی کی محبت میں مغلوب نہ تھے، ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ احتمال ہرگز نہ ہوتا، کیوں کہ ایسے محبوب کے ساتھ ایسا برتاؤ جس سے یہ گمان ہو، عادۃً ناممکن ہے۔

حدیث ۹۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ (ایک بار ازواجِ مطہرات نے ضرورت سے زائد نفقہ کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا، آپ ناخوش ہو گئے اور قسم کھالی کہ میں ایک مہینہ تک تمہارے پاس نہیں آؤں گا) پھر جب انتیس راتیں گزر گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے یعنی مجھ سے ابتدا فرمائی۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے قسم کھائی تھی کہ ہم لوگوں کے پاس ایک مہینہ تک نہ آیئے گا اور آپ انتیس ہی دن میں آگئے، میں برابر گن رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ "یہ مہینہ انتیس ہی دن کا ہوا ہے"

پھر ارشاد فرمایا: "اے عائشہ! میں تم سے ایک بات کا ذکر کرنے والا ہوں، تمہارا اس میں کوئی نقصان نہیں کہ اس (کے متعلق رائے قائم کرنے) میں جلدی نہ کرو جب تک کہ اپنے والدین سے مشورہ نہ کرلو اس کے بعد یہ آیت پڑھی: ﴿یایھا النبی قل لازواجک﴾ سے ﴿فوزًا عظیمًا﴾ تک (جس کا حاصل یہ ہے کہ اے نبی! اپنی بیبیوں سے فرما دیجئے کہ مجھ سے جو زائد مال مانگا جاتا ہے میں اور اتنا مال جمع نہیں ہوسکتے، اگر وہ مطلوب ہے تو میں تم کو دے کر رخصت کئے دیتا ہوں، اور اگر میرے پاس رہنا چاہتی ہو تو اس سے دست بردار ہو، اب تم کو اختیار ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ جانتے تھے کہ میرے والدین آپ کی خدمت میں علیحدہ ہونے کا کبھی مشورہ نہ دیں گے (اس لئے یہ بات فرمائی تھی) وہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: کیا اس بارہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی (کیوں کہ مشورہ اس امر میں ہوتا ہے جہاں دونوں شقوں میں مصلحت

دائر ہو اور یہاں ایک شق میں مصلحت متعین ہے) میں اللہ کو چاہتی ہوں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آخرت کو۔(ب)

فائدہ: یہ زیادہ طلبی حضرات ازواجِ مطہرات کی توسع فی المباحات کے لئے تھی جو کہ مباح ہے، ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے ایذا ہوگی، چناں چہ اس آیت کے بعد سب کا آخرت کو اختیار کرنا جیسا اور حدیثوں میں مصرح ہے، صاف دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی جسمانی بھی کسی کو گوارا نہ تھی، تو ایذا جو کہ روحانی جدائی ہے کیسے گوارا ہوتی۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کسی کی محبت میں مغلوب نہ تھے، ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے اس سیاست کو کبھی گوارا نہ فرماتے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ سے کتنا تعلق تھا کہ دن گن گن کر پورے کئے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ مقدس جماعت ہر حال میں دین کو دنیا پر مقدم رکھتی تھی، ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ سے ایسا تعلق رکھتے ہوئے مہینہ پورا ہونے کا شبہ پیش نہ کرتیں، قصر مدت مفارقت کو غنیمت سمجھتیں۔

حدیث ۹۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ کبھی نہیں دیکھی۔(الف)

فائدہ: حیا کا کتنا درجہ عالیہ ہے اور نفس پرستی میں ایسا اہتمام عادۃً متعذر رہے، اس سے صاف ظاہر ہوا کہ دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حظوظ نفسانیہ کا گزر نہ تھا، جو کچھ تھا ادائے حقوق و مصالح ضروریہ پر مبنی تھا۔

حدیث ۹۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ ہم لوگ خرما اور پانی سے (جو کہ نہایت معمولی چیزیں ہیں) پیٹ بھرنے لگے تھے (یعنی آپ کی اخیر عمر میں ایسی فراغت ہوگئی تھی اور اس کے قبل اتنا بھی نہ تھا)۔(ج)

فائدہ: اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنگی معاش کا اندازہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے خانگی حالات کا بجز بی بی کے کس کو علم ہو سکتا ہے۔ بی بی کے ہونے کی مصلحت سمجھ میں آ گئی۔

حدیث ۹۵: عروہ روایت کرتے ہیں کہ عثمان بن مظعون کی بی بی جن کا نام غالباً خولہ بنت حکیم ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس حال سے آئیں کہ میلی کچیلی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا: تمہاری کیا حالت ہے؟ انہوں نے کہا: میرے شوہر رات بھر عبادت کرتے ہیں اور دن کو روزہ رکھتے ہیں (تو زینت کس کے لئے کروں) پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس کا ذکر کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے اور فرمایا:

''اے عثمان! ہمارے لئے رہبانیت نہیں تجویز کی گئی، کیا تمہارے لئے میرے اندر اقتدا نہیں (یعنی کیا میرا اقتدا نہیں کرتے) واللہ! تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حدود کی حفاظت کرنے والا ہوں'' (اور باوجود اس کے بیبیوں سے بے تعلق نہیں ہوں)۔ (الف)

فائدہ: اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہ ہوتیں ایسا مخفی راز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کون پیش کرتا اور اس کے متعلق حکم کیسے معلوم ہوتا۔

حدیث ۹۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل آپ کی وفات کے اپنے سینہ کے سہارے بٹھلا رکھا تھا، اسی حالت میں میں نے آپ کو یہ کہتے سنا: ''اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور مجھ کو رفیق اعلیٰ میں شامل فرما'' (یعنی ارواحِ طیبہ وملائکہ کی جماعت میں)۔ (ج)

فائدہ: بعض اہل غلو قرب حق کیلئے ازواج واولاد سے بعد کو شرط سمجھتے ہیں، اس میں رد ہے اس کا۔ دیکھئے اس وقت سے زیادہ کون سا وقت ہوگا قرب حق کا اور اس میں بی بی سے

اتنا قرب ہے کہ ان کے سہارے لگے بیٹھے ہیں۔ اہل غلو نے قرب کی حقیقت ہی نہیں سمجھی، اس کی حقیقت ذکر و اطاعت ہے، اگر بی بی اس میں معین ہو تو اس سے تعلق اس قرب مطلوب کا موکد ہے۔ یہ مضمون حدیث نمبر ۷ اور ۳۳ میں کسی قدر تفاوت سے آ چکا ہے۔

حدیث ۹۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر ایک ایک مہینہ گزر جاتا تھا کہ آپ کے گھروں میں سے (جن میں آپ کی بیبیاں رہتی تھیں) کسی گھر میں دھواں نظر نہیں آتا تھا۔ (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا: اے اماں! پھر ان کا کھانا کیا ہوتا تھا؟ فرمایا کہ خرما اور پانی، مگر اتنی بات اور تھی کہ آپ کے کچھ مخلص پڑوسی انصار میں سے تھے اور ان کے پاس کچھ خانہ پرورده بکریاں تھیں، سو وہ لوگ (کبھی کبھی آپ کے پاس ان کا دودھ (بھی) بھیج دیتے تھے۔ (ج)

فائدہ: ظاہر ہے کہ غذا میں عادۃً صرف خرما پر اکتفا نہیں ہو سکتا اور عادۃً ہدیہ بھی ہمیشہ نہیں آتا، اور آپ بھی اس کو کبھی گوارا نہ فرماتے، پس اس سے آپ کی ضیق معیشت کا پتہ لگتا ہے، اور ایسی خاص حالت بجز بی بی کے کس کو معلوم ہو سکتی ہے۔

حدیث ۹۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کا غسل فرماتے سب سے پہلے دونوں ہاتھ دھوتے، پھر داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اور شرمگاہ کو دھوتے (یہ ہاتھ سے پانی ڈالنا ایسی حالت میں تھا کہ کوئی چھوٹا برتن پانی لینے کے لئے نہ تھا) پھر وضو کرتے جس طرح نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے، پھر پانی لیتے اور بالوں کی جڑوں میں پہنچاتے، یہاں تک کہ جب یہ سمجھتے کہ (پانی پہنچا کر سر کو) صاف کر لیا ہے تو تین لپیں (سر پر) ڈال لیتے، پھر باقی بدن پر پانی ڈال لیتے، پھر دونوں پاؤں دھو لیتے۔

(جمع الفوائد للستة بلفظ مسلم). (ج)

فائدہ: کیا اس صفائی سے غسل جنابت کی ترتیب پر بجز بی بی کے کوئی مطلع ہو سکتا

ہے؟ اور اسی ترتیب کا حاصل یہ ہے کہ اول دونوں ہاتھ پاک کئے جائیں، پھر استنجا کا موقع دھویا جاوے، پھر سر دھویا جائے، پھر باقی بدن، پھر دونوں پاؤں۔

حدیث ۹۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اپنی سب بیبیوں کے پاس تشریف لے گئے (یعنی سب سے ہم بستر ہوئے) ایک کے پاس بھی غسل فرمایا اور دوسری کے پاس بھی (یعنی ہر ایک سے فارغ ہو کر غسل فرمایا) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان سب (غسلوں) کو ایک ہی غسل کیوں نہیں فرما دیا (جدا جدا غسل کی کیا حاجت ہے) آپ نے فرمایا: "یہ (ہر بار غسل کرنا) زیادہ صفائی اور زیادہ ستھرائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے" (جمع الفوائد مع مسلم واصحاب السنن)۔ (ج)

فائدہ: ایسے راز پر بجز بی بی کے کون مطلع ہوسکتا ہے، اور اس حدیث سے ایسی حالت میں جس طرح متعدد غسل کی افضلیت ثابت ہوتی ہے اسی طرح غسلِ واحد کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے ورنہ جواب میں یہ فرماتے کہ غسل واحد جائز نہیں۔

حدیث ۱۰۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے (پانی لے لے کر) غسل کرتے تھے، ایک بڑا بادیہ تھا جس کو فرق کہا جاتا تھا۔ حضرت سفیان (راوی) کہتے ہیں کہ فرق تین صاع کا ہوتا ہے۔
(جمع الفوائد عن الشیخین ومالک وابی داؤد والنسائی)۔ (ج)

فائدہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل جنابت کا کون مشاہدہ کرسکتا تھا، تو غسل کے پانی کی مقدار دلیل عملی سے جو کہ ابلغ ہے، معلوم ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔

اور مراد تین صاع سے یہ ہے کہ جس برتن میں تین صاع گیہوں وغیرہ آجاویں اس برتن میں جتنا پانی آسکے۔ اور ایک صاع گیہوں انگریزی سیر سے ساڑھے تین سیر ہوتے ہیں۔

حدیث ۱۰۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حریرہ لائی جو میں نے آپ کے لئے بنایا تھا، میں نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے (جو وہاں موجود تھیں) کہا: تم بھی کھاؤ۔ انہوں نے (کسی وجہ سے) انکار کیا، میں نے کہا یا تو کھاؤ ورنہ تمہارا منہ (اس حریرہ سے) سان دوں گی۔ انہوں نے

پھر بھی انکار کیا، میں نے حریرہ میں ہاتھ بھر کر ان کا منہ سان دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (یہ دیکھ کر) ہنسے، آپ نے اپنے ہاتھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دبا کر (تا کہ یہ مدافعت نہ کرسکیں) حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''تم ان کا منہ سان دو''۔ انہوں نے میرا منہ سان دیا، آپ (پھر) ہنسے۔ (جمع الفوائد عن الموصلی)۔ (ب)

فائدہ: اس حدیث سے چند باتیں ثابت ہوئیں: ایک یہ کہ آپ کی بیبیوں میں باہم محبت وانبساط تھا، بغض وتنافر نہ تھا، ورنہ ایسی بے تکلفی کا صدور محتمل نہیں ہوسکتا، اور شاذ ونادر لطف آمیز شکر رنجی ہوجانا دوستی کے خلاف نہیں۔

قال المتنبی: ویبقی الود مابقی العتاب۔ ذوق کا مقولہ ہے:

بے محبت نہیں اے ذوق شکایات کے مزے　　بے شکایات نہیں اے ذوق محبت کے مزے

دوسرے یہ کہ مزاح یا اس میں حصہ لینا نہ کمالِ ولایت کے خلاف ہے، نہ کمالِ نبوت کے، جیسا بعض خشک مزاجوں کا خیال ہے۔ تیسرے یہ کہ اتنی قلیل چیز کہ عرفاً اس کی کوئی قیمت نہیں شرعاً مال نہیں، جیسے تولہ دو تولہ حریرہ اور وہ بھی معمولی۔ اب یہ اعتراض بھی لازم نہیں آتا کہ اس میں مال کی اضاعت ہوئی جو کہ منہی عنہ ہے، خصوص اگر اس کا غسالہ کسی جانور وغیرہ کے کام میں آجاوے۔

خاتمہ جلد اول

موضوع رسالہ میں یہاں تک مسند عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثوں کا کافی ذخیرہ ہے، اس کا عدد سو سے متجاوز ہے، چونکہ اس وقت طبیعت میں چند عوارض سے ضعف طاری ہے اس عذر کے سبب مابعد کی جلد یا جلدیں جن میں بقیہ ازواج مطہرات کے مسانید ہوتیں فی الحال شروع کرنے کی ہمت نہیں ہوئی، آئندہ حق تعالیٰ کو جو منظور ہوگا خواہ میرے ہاتھ سے یا کسی اور کے ہاتھ سے وہی وقوع میں آوے گا، دوسرے حضرات اگر تکمیل کریں تو نمونہ ان کے سامنے ہے۔

(یکم ذی الحجہ ۱۳۵۰ یوم جمعہ)

اِقامۃ الطّامۃ
علٰی زاعم بقاء النّبوۃ الحقیقۃ العامۃ

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

بعض مدعیان نبوت و رسالت نے ختم نبوت کے انکار پر حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی بعض عبارات سے استدلال کیا تھا۔ اس میں اس کا شافی و کافی جواب دیا گیا ہے اور شیخ کی عبارت کا صحیح مطلب سمجھا دیا گیا ہے۔

اِقامۃُ الطّامۃ
علیٰ زاعمِ بقاءِ النبوّۃِ الحقیقۃِ العامۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال: سنا ہے کہ شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ اب بھی بقائے سلسلۂ نبوت کے قائل ہیں۔ اور ایسے اقوال سے مرزائی اپنے عقیدۂ باطلہ پر استدلال کرتے ہیں، شیخ کے ان اقوال کی کیا اصل ہے؟

جواب: احقر کا اس باب میں ایک رسالہ ہے جس میں اس کی ضروری اور کافی تحقیق ہے۔ جواب میں اس کو نقل کیے دیتا ہوں، وہی ہٰذہ:

بعد حمد و صلوٰۃ عرض ہے کہ اس وقت بعض خوں ریزان دین مروت و کذابین مدعیان نبوت کے تمسکات میں سے حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اقوال موہم عدم انقطاع نبوت بھی ہیں جن کو ناتمام نقل کر کے ناواقفوں کو دھوکا دیا جاتا ہے، دوسرے تمسکات کا جواب تو مبسوط و مفصل و مضبوط و مکمل دوسرے علماء نے کافی سے زیادہ استقلالاً دے کر حق ادا فرمادیا ہے مگر ان اقوال کا کوئی جواب اس شان کا مستقل نظر سے نہیں گزرا تھا، اتفاق سے رسالہ تنبیہ الطربی میں اس مبحث کی تحقیق کی ضرورت ہوئی، جو بفضلہٖ تعالیٰ ایک درجہ تک شافی تھی۔ ضرورت وقتیہ سے مصلحت معلوم ہوا کہ

اس کو ایک مستقل رسالہ کی شکل میں بھی کر دیا جاوے کہ اشاعت آسان ہو اور رسالہ الحل الاقوم میں بھی اس کی کچھ مختصر بحث ہے، اس کو بھی اس کے ساتھ شامل کر دیا جاوے، چنانچہ یہ مجموعہ ان ہی اجزاء کا ہے، اور مجموعہ کا ایک نام بھی رکھ دیا ہے اقامۃ الطامۃ علٰی زاعم بقاء النبوۃ الحقیقیۃ العامۃ، اول الحل الاقوام کی عبارت نقل کی جاتی ہے پھر التنبیہ الطربی کی۔ اول کو بوجہ اختصار کے متن سمجھے اور دوسری کو بوجہ بسط کے شرح، وعلی اللہ اعتمادی و بہ استنادی۔

المتن.... مقام حَادی عَشَر

الحل الاقوم متعدد مباحث پر مشتمل ہے، ان میں سے یہ ایک مبحث ہے۔۱۲ منہ

ملقب بکلمۃ التامۃ فی النبوۃ العامۃ

فص عزیزی میں ہے اس عبارت کے ضروری حصہ کا ترجمہ آئندہ کی سرخی کے متصل آتا ہے اس لئے یہاں نہیں لکھا گیا۔۱۲ منہ

واعلم ان الولایۃ ھی الفلک المحیط العام ولھذا لم تنقطع ولھا الابناء العام واما نبوۃ التشریع والرسالۃ فمنقطعۃ وفی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقد انقطعت فلانبی بعدہ یعنی مشرعاً او مشرعا لہ ولا رسول وھو المشرع. وھذا الحدیث قصم ظھور اولیاء اللہ لانہ یتضمن انقطاع ذوق العبودیۃ الکاملۃ التامۃ فلا ینطلق علیہ اسمھا الخاص بھا فان العبد یرید ان لایشارک سیدہ وھو اللہ فی اسم واللہ لم یسم بنبی ولا رسول ویسمٰی بالولی واتصف بھذا الاسم فقال اللہ ولی الذین اٰمنوا وقال ھوالولی الحمید وھذا الاسم باق جار علٰی عباداللہ دنیا واٰخرۃ فلم یبق اسم یختص بہ العبددون الحق بانقطاع النبوۃ والرسالۃ الا ان اللہ لطیف بعبادہ فابقی لھم النبوۃ العامۃ التی لاتشریع فیھا اھ

اس عبارت میں نبوت کے بقاء کا حکم کردیا۔ جواب یہ ہے کہ شیخ اپنی اصطلاح میں مطلق اخبار عن العلوم کو نبوت عامہ کہتے ہیں اور اس نبوت کے احکام مثل نبوت مشہورہ کے نہیں، حتیٰ کہ اس کے علوم بھی قطعی نہیں ہوتے، چنانچہ شیخ نے خود اس بحث کے اثناء میں اس تفاوت کی تصریح کردی بقوله: وهذا الحديث (يعني لانبي بعدي) ظهور اولياء الله لانه يتضمن انقطاع ذوق العبودية الكاملة التامة اهـ.

اس میں تصریح ہے کہ نبی ذوق عبودیت میں (منتہی مقامات ولایت ہے) سب سے بڑھا ہوا ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ جو شیخ کا قول مشہور ہے کہ رسول من حیث ہو ولی افضل ہے رسول من حیث ہو رسول سے۔

چنانچہ اسی نص میں اس کی بھی تصریح ہے یہ علی الاطلاق نہیں ہے بعض علوم کے اعتبار سے ہے، ورنہ نبی کی عبدیت جو افضل مقامات ولایت ہے اولیاء کے لئے موجب حسرت کیوں ہے جیسا کہ قصم ظہور سے معلوم ہوتا ہے۔

الشرح.... الاغتراب نمبر (۱۸)

قال الشيخ في الفصل العزيزي من الفصوص واعلم ان الولاية هي الفلك المحيط العام ولهذا لم تنقطع ولها الابناء العام واما نبوة التشريع والرسالة فمنقطعة وفي محمد صلى الله عليه وسلم فقد انقطعت فلانبي بعده يعني مشرعا او مشرعا له ولا رسوله وهو المشرع وهذا لحديث قصم ظهور الاولياء لانه يتضمن انقطاع العبودية الكاملة التامة الى قوله الا ان الله لطيف بعباده فابقى لهم النبوة العامة التي لاتشريع فيها اهـ (الحل الاقوم مقام حادی عشر)

ترجمہ: شیخ نے فصوص کے فص عزیزی میں کہا ہے کہ جاننا چاہئے کہ ولایت ایک فلک محیط عام ہے اور اس واسطے وہ منقطع نہیں ہوئی۔ باقی نبوت تشریع اور رسالت یہ منقطع ہے۔ اور وہ (نبوت ورسالت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر منقطع ہوگئی، پس

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی نبی ہے خواہ وہ صاحب تشریع ہو یا مشرع لہ ہو (یعنی کسی صاحب تشریع کا نائب ہو کہ اس کی نیابت کے لئے اس کو صاحب تشریع کہا گیا ہو، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا بھی نبی نہیں) اور نہ کوئی رسول ہے اور وہ صاحب تشریع ہے (مراد تشریع سے احکام کی وحی ہے خواہ شرع جدید ہو یا کسی شرع سابق مستقل کے موافق ہو، جیسا کہ آئندہ اقتراب کی سرخی میں بحوالہ رسالۃ الشہاب کے فتوحات سے مع تصریح اس تعمیم کے آوے گا اور اطلاق سے تعمیم پر دلالت کرنے والی متعدد عبارات آویں گی اور اس حدیث نے اولیاء کی کمریں توڑ دیں کیونکہ یہ حدیث اس امر کو متضمن ہے کہ (انقطاع نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے) عبدیت کاملہ تامہ کا ذوق منقطع ہو چکا، یہاں تک مضمون چلا گیا ہے کہ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر لطف فرمانے والے ہیں، اس لئے ان (بندوں) کے لئے (خواہ اولیاء بھی نہ ہوں) نبوت عامہ کو جن میں تشریع بالتفسیر المذکور آنفا) نہ ہو باقی رکھا ہے (جیسا کہ آئندہ کی اقتراب کی سرخی میں مطلق تبلیغ سے رسالت کا اطلاق باب ثامن وثلاثین سے اور مطلق اخبار عن الشئی (بقید کونہ نافعاً) سے نبوت کا اطلاق باب خامس وخمسین مائۃ سے آتا ہے)

ف:۔ اس عبارت سے شیخ پر اعتراض کیا گیا ہے کہ انہوں نے نبوت کے بقاء کا حکم کر دیا جو معارض ہے نصوص ختم نبوت کے۔

الاقتراب (۱۸)

قال الشیخ فی الباب العاشر وثلثمائۃ اعلم ان الوحی لاینزل بہ الملک علیٰ غیر قلب نبی اصلا ولا یأمر غیر نبی بامر الٰہی الیٰ قولہ فانقطع الامر الالٰہی بانقطاع النبوۃ والرسالۃ (مبحث خامس وثلثون ج:۲ ص:۳۸) **وقال (الشیخ) انمالم یعطف المصلی السلام الذی سلم بہ علیٰ نفسہ بالواو علیٰ السلام الذی سلم بہ علیٰ نبیہ لانہ لا عطفہ علیہ**

لسلم علٰى لفسه من جهة النبوة وهو باب قد سده الله تعالٰى كما سدباب الرسالة عن كل مخلوق بمحمد صلى الله عليه وسلم الى يوم القيٰمة وتعين بهٰذا انه لامناسبة بيننا وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم فانه فى المرتبة التى لا ينبغى لنا فابتدأ نا بالسلام علينا فى طورنا من غير عطف انتهٰى وقلت فى هذا القول من الشيخ رد علٰى من افترىٰ عليه انه كان يقول لقد حجر ابن اٰمنة واسعًا بقوله لانبى بعدى (كبريت علٰى هامش اليواقيت ج:١ ص ٥١ و ٥٢) وقال فى شرح لترجمان الاشواق اعلم ان مقام النبى ممنوع لنا دخوله وغاية معرفتنا به من طريق الارث النظر اليه كما ينظر من هو فى اسفل الجنة الٰى من هو فى اعلٰى عليين وكما ينظر اهل الارض الٰى كوكب السماء وقد بلغنا عن الشيخ ابى يزيد انه فتح له من مقام النبوة قدر خرم ابرة تجليلاً دخولا فكادان يحترق (وزاد فى الهامش عن الكبريت فى ص:٥٢ ج:١. بعد نقل هذا القول مانصه فكذب والله من افترى علٰى الشيخ وخاب مسعاه) وقال فى الباب الثانى والستين واربعمائة من الفتوحات اعلم انه لاذوق لنا فى مقام النبوة لنتكلم عليه انما نتكلم علٰى ذلك بقدر ما اعطينا من مقام الارث فقط لانه لايصح لاحدنا دخول مقام النبوة وانما نراه كالنجوم علٰى السماء (مبحث ثانى واربعون ص:٤٢ ج:٢) وقال فى الباب الثالث والخمسين وثلثمائة اعلم انه لم يجئ لنا خبر الٰهى ان بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم وحى تشريع ابدا انما وحى الا لهام قال الله تعالٰى ولقد اوحى اليك والٰى الذين من قبلك ولم يذكران بعده وحيا بداً (مبحث سادس واربعون ج:٢ ص:٨٣) وفى رسالة الشهاب (وكتب الينا صاحب الرسالة ان هذا العبارة فى النسخة المصرية فى

الباب العاشر والثمانة فی معرفة منزلة الصلصلة الروحانية من الحضرة الموسوية ۱۲ منہ) لبعض الاحباب عن الفتوحات (ج:۳ ص:۵۱) فما بقی للاولیاء الیوم بعد ارتفاع النبوة الا التعریفات وانسدت ابواب الاوامر الا لهية والنواهی فمن ادعاها بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم فهو مدع شریعة اوحی بها الیه سواء وافق بها شرعنا او خالف الی اخره ص:۹۔ ۸ وقال فعلم انه مابقی للأولیاء الاوحی الالهام (کبریت علی الهامش ج:۱ص:۱۰) وقال فی الباب الرابع عشر من الفتوحات بعد کلام طویل.

اعلم أن الملک یاتی النبی بالوحی علی حالین تارة ینزل علی قلبه وتارة یاتیه فی صورة جسدية من خارج الی ان قال وهذا باب اغلق بعد موت محمد صلی الله علیه وسلم فلا یفتح لاحد الی یوم القیمة ولکن بقی للاولیاء وحی الا لهام الذی لا تشریع فیه انما هو بفساد حکم قال بعض الناس بصحة دلیله ونحو ذلک فیعمل به فی نفسه فقط الخ ومبحث خامس وثلاثون (ص:۳۷ ج:۲) وقال ایضًا فی الباب الحادی والعشرین من الفتوحات من قال ان الله تعالٰی امره بشئ فلیس ذلک بصحیح وانما ذلک تلبیس لان الامر من قسم الکلام وصفته وذلک باب مسدود دون الناس. (مبحث خامس وثلثون ج:۲ ص:۳۸)

ترجمہ: شیخ نے باب تین سودس میں کہا ہے کہ جاننا چاہئے کہ فرشتہ وحی لے کر بجز قلب نبی کے کسی پر نازل نہیں ہوتا اور نہ غیر نبی کو کسی امر الٰہی کا حکم دیتا ہے۔ پس اوامر الٰہیہ انقطاع نبوت ورسالت سے منقطع ہو چکے ہیں (اس میں تصریح ہے نبوت اور رسالت کے منقطع ہو جانے کی، نیز اس کی بھی کہ نبی کے سوا کسی پر وحی وحکم الٰہی نازل نہیں ہوتا، جیسے فرشتہ نبی پر لے کر نازل ہوتا تھا اور شیخ نے (باب تشہد میں) فرمایا

ہے کہ مصلی نے جو السلام علینا کو السلام علیک ایھا النبی پر واؤ کے ساتھ عطف نہیں کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر عطف کرتا تو (گویا) اپنے نفس پر نبوت کی حیثیت سے درود بھیجتا حالانکہ باب نبوت کو اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بواسطہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قیامت تک کے لئے بند کر چکا ہے، جیسا کہ رسالت کو بند کر چکا ہے اور اس سے یہ بات متعین ہوگئی کہ ہمارے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے، کیوں کہ آپ ایسے مرتبہ میں ہیں جو ہمارے لئے کسی طرح زیبا نہیں، اس لئے ہم نے السلام علیہ کو اپنے طور پر بدون عطف کے ابتداء کر دیا۔ (اس عبارت میں نبوت اور رسالت دونوں کے مسدود ہونے کی تصریح ہے، اور اسی پر السلام علینا پر واؤ نہ لانے کے نکتہ کو متفرع کیا ہے، نیز عدم مناسبت سے بھی یہ حکم ثابت ہوا اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کوئی نبوت کے ساتھ متصف ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور اس میں بوجہ نبوت کے اشتراک کے ایسی بے مناسبتی نہ ہوتی، اسی پر امام شعرانی بطور تفریع کے فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ شیخ کے اس قول میں اس شخص پر رد ہے جس نے شیخ پر افترا کیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ (نعوذ باللہ) ابن آمنہ نے لانبی بعدی کہہ کر ایک وسیع چیز کو (یعنی نبوت کو) تنگ کر دیا (یعنی اس کے ختم ہونے کا حکم کر دیا حالانکہ وہ ختم نہیں ہوئی۔ وجہ افتراء ظاہر ہے کہ خود شیخ اس کے خلاف کسی قدر تصریح و تاکید و دلیل کے ساتھ تائید کر رہے ہیں اور جب ترجمان اشواق کی شرح میں فرمایا ہے کہ نبی کے مقام میں ہم لوگوں کا داخل ہونا ممتنع ہے اور ہماری انتہائی معرفت بطریق وراثت اس مقام کے متعلق یہ ہے کہ اس کی طرف اس طرح نظر کر سکیں جیسا جنت کے نیچے درجہ والا اس شخص کی طرف نظر کرے گا جو اعلیٰ علیین میں ہے اور جیسے اہل ارض کوکب سماء کی طرف نظر کرتے ہیں۔ اور ہم کو شیخ ابایزید کا یہ واقعہ پہنچا ہے کہ ان کے لئے مقام نبوت میں سے ایک سوئی کے ناکہ کے برابر کھل گیا تھا اور وہ بھی کشف کے طور پر نہ کہ اس مقام میں داخل ہونے کے طور پر۔ سو اس سے جل

جانے کے قریب ہو گئے (اس میں تصریح ہے کہ اولیاء مقامِ نبوت میں داخل نہیں ہوسکتے۔ سو اگر وہ نبوت کے ساتھ متصف ہوتے تو داخل نہ ہونے کے کیا معنی۔ اتصاف تو بدون دخول کے ممکن نہیں) اور اسی لئے اس قول کو نقل کر کے امام شعرانی کہتے ہیں کہ واللہ جس شخص نے شیخ پر افترا کیا وہ کاذب ہے اور اس کی سعی ناکام ہے۔

اور فتوحات کے باب چار سو باسٹھ میں فرمایا کہ جاننا چاہئے کہ ہم کو مقام نبوت میں ذرا بھی ذوق نہیں تاکہ ہم اس پر کلام کرسکیں۔ اس پر ہم صرف اسی قدر کلام کر سکتے ہیں جس قدر ہم کو مقام ارث سے عطا ہوا ہے، کیونکہ ہم میں سے کسی کو مقام نبوت میں داخل ہونا ممکن نہیں۔ ہم اس کو اس طرح دیکھتے ہیں جیسے نجوم کو آسمان پر۔

اس میں اولیاء اللہ سے ذوق نبوت تک کی نفی کردی جو دخول واتصاف سے بہت ادون ہے تو اتصاف کی نفی تو اس سے بدرجۂ ابلغ ہوگئی اور باب تین سو تریپن میں فرمایا ہے کہ جاننا چاہئے کہ ہمارے پاس کوئی شرعی دلیل اس پر نہیں آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی احکام کا وجود ہو ہمارے لئے صرف وحی الہام ہے (جو وحی حقیقی مصطلح شرعی سے عام ہے، جیسے آیت میں شہد کی مکھی کے لئے وحی ثابت فرمائی گئی ہے۔ آگے اس وحی حقیقی کی نفی پر دلیل فرماتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تحقیق آپ کی طرف اور آپ سے پہلے لوگوں کی طرف وحی بھیجی گئی اور یہ نہیں ذکر فرمایا کہ آپ کے بعد کبھی بھی وحی ہے۔ اس میں وحی حقیقی کی نفی تصریحاً بھی فرمادی اور الہام کے وجود کو حصر کے ساتھ فرما کر وحی حقیقی کی نفی کردی۔

اور رسالہ شہاب میں فتوحات سے نقل کیا ہے کہ آج بعد ارتفاع نبوت کے اولیاء کے لئے بجز خاص طرز کی تعلیمات کے (جن کی مثال عنقریب آتی ہے اور جو کہ احکام نہیں ہیں چنانچہ ان کے انتفاء کی دلیل اوپر گزری ہے اور اب بھی آتی ہے) اور کچھ باقی نہیں رہا۔ اور اوامر ونواہی الہیہ کے ابواب بند ہو گئے ہیں، پس جو شخص بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسکا دعویٰ کرے وہ (وحی) شریعت کا دعویٰ کرتا ہے جس کی اس طرف وحی کی گئی

ہے، خواہ ان اوامر ونواہی میں وہ ہماری شرع کے موافق ہو خواہ مخالف ہو۔ (ہر حال میں مدعی وحی شریعت کا ہے، کیونکہ شریعت انہی اوامر ونواہی کا نام ہے اور وحی شریعت منقطع ہو چکی ہے، اور انبیاء کے ساتھ یہی وحی خاص تھی) اور شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ بس معلوم ہوا کہ اولیاء کے لئے صرف وہ وحی رہ گئی جو الہام کو لاتا ہے لایکون الاضافة للبیان)

اور فتوحات کے چودھویں باب میں ایک کلام طویل کے بعد فرمایا کہ فرشتہ نبی پر دو حالت پر وحی لاتا ہے کبھی تو اس کے قلب پر نازل ہوتا ہے اور کبھی اس کے پاس خارج سے صورت جسدیہ میں آتا ہے۔ آگے کہا ہے کہ یہ ایک باب ہے، جو وفاتِ نبوی کے بعد بند کر دیا گیا ہے اور قیامت تک کسی کے لئے نہ کھلے گا، لیکن اولیاء کے لئے وہ وحی جسکی حقیقت الہام ہے، باقی رہ گئی ہے۔ جس میں تشریع (یعنی احکام) نہیں ہے، وہ صرف ایسی باتوں سے متعلق ہوتا ہے جیسے کسی مسئلہ کی عدم صحت جس کی دلیل کی صحت کے بعض لوگ قائل ہو گئے ہیں اور اسی کے مثل اور کوئی بات (وہ مثال موعود قریب کے عبارت بالا میں یہی ہے) پس وہ اس پر اپنی ذات خاص میں عمل کر لیتا ہے (وہ بھی ظنی طور پر کما تقرر فی محلہ اور دوسروں پر بھی حجت نہیں تو اس کا درجہ مجتہد کے اجتہاد سے بھی کم ہوا کیونکہ وہ مقلد کے لئے حجت ہے۔ چنانچہ یہ مضمون ایک خاص عنوان سے شیخ کے کلام سے بھی عنقریب ف ۲ کے تحت میں نقل کروں گا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے الہام سے کون شخص نبی ہو سکتا ہے، کیا نبی کا درجہ مجتہد سے بھی کم ہوا کرتا ہے)۔

اور فتوحات کے اکیسویں باب میں فرمایا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی امر کا حکم دیا ہے سو وہ صحیح نہیں یہ محض تلبیس ہے۔

اس لئے حکم دینا کلام کی قسم اور صفت ہے اور اس کا (یعنی کلام) کا دروازہ تمام آدمیوں کے آگے بند کر دیا گیا ہے (کہ وہاں تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی، خلاصہ یہ ہے کہ جس قسم کی وحی انبیاء پر ہوتی تھی وہ بالکل مسدود ہے۔

ف (۱): ان عبارات میں مقصود مقام یعنی نبوت و رسالت و وحی حقیقی کے

انقطاع کی اس قدر تصریح ہے کہ اس سے فوق متصور نہیں۔

چنانچہ ہر عبارت کے تحت میں ساتھ ساتھ بقدر ضرورت اسکی تقریر بھی کی گئی ہے، پس معلوم ہوا کہ جس وحی کو شیخ باقی اور عام کہہ رہے ہیں وہ بمعنی الہام ہے جو اولیاء کو ہوتا ہے شیخ اپنی اصطلاح میں اس کو وحی کہتے ہیں اور یہ اصطلاح لغت کے موافق ہے اور قرآن مجید میں بھی وارد ہے **کقوله تعالٰی ﴿واوحی ربک الی النحل﴾ وقوله تعالٰی ﴿اذ اوحینا الٰی امک مایوحٰی﴾**

چنانچہ اگر مطلق وحی نبوت کی دلیل ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ بالا جماع نبی ہوتیں۔ پس منکرین نبوت ام موسیٰ وحی کی تفسیر الہام ہی سے کرتے ہیں، اسی طرح جس نبوت یا رسالت کو عام کہتے ہیں وہ بھی بمعنی لغوی ہے، یعنی اخبار و تبلیغ نہ بمعنی حقیقی جس کو شیخ نبوت تشریعی سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث کی تفسیر میں حافظ قرآن کے لئے عطاء نبوت کو اسی معنی پر محمول کر کے اس میں اور نبی میں فرق بتلاتے ہیں جو مستلزم ہے نفی نبوت کو ورنہ عطاء نبوت کے بعد نبی نہ ہونے کے کیا معنی، کہ کھلا اجتماع بین النقیضین ہے۔ وہ قول تفسیری یہ ہے:

وقال فی حدیث من حفظ القرآن فقد ادرجت النبوة بین جنبیه انما لم یقل فقدادرجت النبوة فی صدره اوبین عینیه او فی قلبه لان ذلک رتبة النبی لا رتبة الولی الٰی قوله فما اکتسب الولایة الا بالمشی فی نور النبوة (کبریت علی الهامش ج:۲ص:۸)

ترجمه: شیخ نے اس حدیث کے متعلق کہ جو شخص قرآن مجید حفظ کر لیتا ہے اسکے دونوں پہلوؤں کے درمیان میں نبوت داخل کر دی جاتی ہے۔ فرمایا کہ صدرہ یا بین عینیہ یا فی قلبہ کیوں نہیں فرمایا، وجہ یہ ہے کہ یہ رتبہ نبی کا ہے ولی کا نہیں۔

یہاں تک مضمون چلا گیا ہے کہ ولی نے جو ولایت کا اکتساب کیا ہے تو صرف نور نبوت میں چلنے کی بدولت۔ (ترجمہ ختم ہوا)

اسی طرح مطلق تبلیغ سے رسالت کا اثبات کرتے ہیں، چنانچہ باب ثامن و ثلاثین میں فرماتے ہیں: لما اغلق اللہ تعالیٰ باب الرسالۃ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ذلک من اشد ما تجرعت الاولیاء مرارتہ لانقطاع الوصلۃ بینھم وبین من یکون واسطتھم الی اللہ تعالیٰ فرحمھم الحق تعالیٰ بان أبقی علیھم اسم الولی الی ان قال ولما علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوحی والرسالۃ فجعل لخواص امتہ نصیبا من الرسالۃ فقال لیبلغ الشاھد الغائب فامرھم بالتبلیغ لیصدق علیھم اسم الرسل. (مبحث سادس واربعون ج:۲:ص ۵۶)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کے بعد رسالت کا دروازہ بند فرمایا تو پھر ان سب امور میں سخت تر ہوا جس کی تلخی کو اولیاء اللہ نے بتکلف گلے سے اتارا۔ اس لئے کہ ان کے اور ایسے لوگوں کے درمیان جو ان کا واسطہ الی اللہ ہوتے اتصال قطع ہوگیا، پس حق تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اس طرح سے کہ ان پر اسم ولی کا باقی رکھا اور یہ مضمون یہاں تک چلا گیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ آپ کی امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جو انقطاع وحی کے کاسہ کو نا گواری سے نوش کریں گے تو آپ نے اپنے خواص امت کے لئے رسالت کا ایک حصہ تجویز فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ حاضرین (یہ احکام) غیر حاضرین کو پہنچادیں۔ پس ان کو تبلیغ کا امر فرمایا تا کہ ان پر رسل کا اسم صادق آسکے۔ ترجمہ ختم ہوا۔

دیکھئے اس عبارت میں مطلق تبلیغ کو رسالت فرمادیا، جیسا کہ بنا بر لغت بعض تفاسیر پر ملائکہ کو جن فرمادیا گیا۔ اس آیت میں (جعلوا بینہ وبین الجنۃ نسبًا) بمعنی الاستتار یا بعض اقوال پر بالعکس چنانچہ ف ۳ میں بعض اقوال اس باب میں آتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ جامعیت انسانیہ کو اصطلاح میں الٰہیت کہا جاتا ہے۔

چنانچہ ف ۳ میں یہ بھی مذکور ہوگا بلکہ معنی نبوت کو تو شیخ نے اتنا عام فرمایا کہ کسی

موجود کو بھی اس سے خالی نہیں چھوڑا، چنانچہ باب خامس وخمسین وماتہ میں فرماتے ہیں۔

اعلم ان النبوۃ التی ھی الاخبار عن شیٔ ساریۃ فی کل موجود عند اھل الکشف والوجود لکنہ لایطلق علٰی احدمنھم اسم نبی ولا رسول الاعلی الملائکۃ الذین ھم رسل فقط (کبریت علی الہامش ج ص:۱۱۸)

ترجمہ: جاننا چاہئے کہ نبوت جس کے معنی ہیں کسی چیز کی خبر دینا یہ اہل کشف ووجود کے نزدیک تمام موجودات میں سرایت کئے ہوئے ہے (کیونکہ وہ اپنے کشف سے ہر موجود کو بعض حقائق کی خبر دیتے ہوئے پاتے ہیں) لیکن ان میں سے کسی پر (جو بالمعنی الشرعی نبی ورسول نہیں) نبی یا رسول کا لفظ اطلاق نہ کیا جاوے گا بجز ان ملائکہ کے جو رسل ہیں (ان پر لفظ رسل بولا جاوے گا ﴿لورودہ فی القران اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلاً ومن الناس ولم یطلق علیھم اسم الانبیاء﴾ ترجمہ ختم ہوا۔

دیکھئے اس قول میں نبوت کو تمام مخلوقات کے لئے کیسے ثابت فرمادیا اور ساتھ ہی اس کی تفسیر بھی بتلادی کہ اخبار عن الشیٔ ہے، یہی میں نے عرض کیا تھا۔

اور یہ جو اس قول میں فرمایا کہ غیر انبیاء اور رسل بالمعنی الشرعی پر باوجود ثبوت معنی عام نبوت ورسالت مجازیہ کے نبی اور رسول کا اطلاق نہ کیا جاوے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس سے ایہام معنی حقیقی اصطلاحی شرعی کا ہوتا ہے اور یہ سخت بے ادبی ہے حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی شان میں جو کہ شرعاً بھی حرام ہے اور عرفاً بھی۔ کسی فعل کے صدور سے صیغہ وصفیہ کا استعمال نہیں کیا جاتا۔ مثلاً کسی نے کوئی کام ایسا کیا جو اکثر ڈپٹی کلکٹر کیا کرتا ہے۔ مثلاً اردلی نے کسی سائل کی درخواست ڈپٹی کلکٹر کی اجازت سے لے کے خاص بکس میں رکھ دی تو اس فعل کی نسبت تو اس اردلی کی طرف جائز ہے کہ اس نے بکس میں درخواست رکھ دی مگر اس کو ڈپٹی کلکٹر کہنا صحیح نہ ہوگا۔

اسی طرح غیر نبی وغیر رسول کی نسبت بالمعنی اللغوی المجازی شرعاً یہ کہنا تو جائز ہوگا کہ ان میں نبوت اور رسالت کی شان بطور نیابت کے ہے۔ مگر ان کو رسول ونبی کہنا

جائز نہ ہوگا۔ اور اس مضمون کو شیخ نے باب ثالث وسبعین کے جواب خامس وعشرین میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے قدرے مفصل نقل فرمایا ہے۔ اور موافقت فرمائی ہے، عبارت اس کی یہ ہے۔

وقد كان الشيخ عبدالقادر الجيلى رحمة الله عليه يقول اوتى الانبياء اسم النبوة واوتينا اللقب اى حجر علينا اسم النبى مع ان الحق تعالىٰ يخبرنا فى سرائرنا بمعانى كلامه وكلام رسوله صلى الله عليه وسلم الخ.

ترجمہ: شیخ عبدالقادر جیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انبیاء تو نبوت کا نام (بطور عہدہ کے) دیئے گئے، اور ہم محض عنوانِ مدحی دیئے گئے۔ یعنی ہم پر نبی کا نام جائز نہیں رکھا گیا، باوجود یہ کہ حق تعالیٰ ہم کو ہمارے باطن میں اپنے کلام اور اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے معانی کی خبر دیتا ہے۔ (جو کمالاتِ نبوت میں سے ایک کمال ہے۔ مگر محض کوئی کمال بطورِ نیابت کے عطا ہو جانا اصل میں اشتراک کو مستلزم نہیں۔ (ترجمہ ختم ہوا)

اس کی شرعی مثال ایسی ہے کہ یہ تو کہنا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بعض غیوب کا علم عطا فرمادیا۔ مگر انبیاء کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں کہ صفت کے درجہ میں یہ خاص ہے حق تعالیٰ کے ساتھ۔ اسی طرح یہاں یہ کہنا تو جائز ہوگا کہ اولیاء کو بعض کمالاتِ نبوت حق تعالیٰ نے عطا فرمادیئے مگر ان اولیاء کو نبی کہنا جائز نہ ہوگا۔

الحمدللہ! خود شیخ ہی کی تصریحات سے تمام شبہات شیخ کے متعلق بھی اور مسئلہ کے متعلق بھی رفع ہو گئے، بلکہ خود وہ عبارت بھی جو منشاء اعتراض کا ہے، اور زیرِ عنوان اغتراب نقل کی گئی ہے، جواب کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح اس مبحث کے سابق جو مبحث ہے، نبوت ورسالت کے تفاضل کا وہ بھی مقصود مقام پر ایک دلیل ہے، چنانچہ دونوں کی تقریر ف ۴ میں آتی ہے اور اس تحقیق سے ان اہل ضلال واضلال کا بھی ابطال ہو گیا جو شیخ کے کلام سے کسی حمار کے عیسائی ہونے کے دعوے کی تائید کرتے

ہیں جس پر بے ساختہ یہ شعر زبان پر آتا ہے:

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خودرا عیسٰی نتواں گشت بتصدیق خرے چند

تواب اس دعوے کی یہ حالت رہ گئی:

وقوم یدعون وصال لیلی ولیلی لا تقرلهم بذاک

وان شئت تفصیل الکلام علی اباطیل هذا المدعی فعلیک بالرسائل الشائعة فی الباب من مدرسة دارالعلوم فی دیوبند ومن الخانقاه الرحمانیة فی مونگیر. والله ولی الهدایة وهو یتولی الصالحین.

ف: فائدہ اولیٰ کے ذرا قبل جہاں اس عبارت کا ترجمہ ہے فیعمل به فی نفسه فقط۔ وہاں میں نے اس عبارت سے ایک وعدہ کیا ہے کہ یہ مضمون ایک خاص عنوان سے شیخ کے کلام سے بھی عنقریب نقل کروں گا، سو اس کو نقل کرتا ہوں۔

قال فی الباب التاسع والستین وثلثمائة بعد کلام طویل فی مدح المجتهدین فعلم ان المجتهدین هم الذین ورثوا الانبیاء حقیقة لانهم فی منازل الانبیاء والرسل من حیث الاجتهاد وذلک لانه صلی الله علیه وسلم اباح لهم الاجتهاد وفی ذلک تشریع عن امر الشارع فکل مجتهد مصیب من حیث تشریعه بالاجتهاد کما ان کل نبی معصوم قال انما تعبدالله المجتهدین بذلک لیحصل لهم نصیب من التشریع ویثبت لهم فیه القدم الراسخة ولا یتقدم علیهم فی الأخرة سویٰ نبیهم صلی الله علیه وسلم فحشر علماء هذه الامة حفاظ الشریعة المحمدیة فی صفوف الانبیاء والرسل لافی صفوف الامم. (مبحث تاسع واربعون ج:۲ ص:۹۷)

ترجمہ: شیخ نے باب تین سو انہتر میں مدح مجتہدین میں کلام طویل کے بعد فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ مجتہدین ہی حقیقت میں انبیاء و رسل کے منازل میں

پھر بھی یہ اس طرح ہے کہ ان کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم ثابت
فرمایا ہے اور یہ شارع ایک تشریع ہے۔ پس ہر مجتہد اپنی تشریع ...
حیثیت سے مصیب ہے جیسے ہر نبی معصوم ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے
مجتہدین کے لئے اجتہاد کو عبادت بنا دیا، وہ صرف اس لئے ہے کہ ان کو بھی تشریع کا حصہ
نصیب ہو جائے اور اجتہاد میں ان کا قدم راسخ ہو جائے اور آخرت میں ...
... امت محمدیہ میں سے (بجز ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے) ان پر مقدم نہ ہو۔
... کے جو علماء شریعت محمدیہ کے محافظ ہیں وہ انبیاء و رسل کے صفوف میں
محشور ہوں گے نہ کہ صفوف امم میں۔ (ترجمہ ختم ہوا)

دیکھئے! نبوت عامہ مجازیہ کے ساتھ جن کو موصوف کیا گیا ہے ان کو جو وحی ہوتی
ہے وہ صرف انہی کی ذات تک محدود ہے۔ اور وہ بھی خاص معارف میں نہ کہ تشریع
مگر ان مجتہدین کا اجتہاد رنگ تشریع میں دوسروں پر بھی حجت ہوتا ہے۔
تو ان انبیاء و اولیاء کا درجہ مجتہدین سے بھی گھٹا ہوا ہے۔ اس سے اس نبوت
کا اندازہ کرلیا جاوے۔ اور یہ جو فرمایا ہے کہ مجتہدین کو ایک حصہ تشریع کا نصیب
ہوتا ہے اس کی تفسیر دوسرے قول میں خود فرماتے ہیں۔

قال فی باب الجنائز من الفتوحات وجعل وحی المجتهدین فی اجتهادهم فان المجتهد لم یحکم الابما اراه الله تعالیٰ فی اجتهاده ولذلک حرم الله تعالیٰ علی المجتهد ان یخالف ما ادی الیه الاجتهاد کما حرم علی الرسل ان تخالف ما اوحی به الیهم فعلم ان الاجتهاد حصة من حصص التشریع ماهو عین التشریع الی ان قال فقد اشبه المجتهدون الانبیاء من حیث تقریر الشارع لهم کل ما اجتهدوا فیه وجعله حکما شرعیا انتهی. (بحث ناسخ و اربعون ج:۲، ص:۹۷)

ترجمہ: شیخ نے فتوحات کے باب جنائز میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

اور یہ کہ وحی ان کے اجتہاد میں رکھی کیونکہ مجتہد نے وہی حکم کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے اجتہاد میں بتلایا اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے مجتہد پر اس کو حرام فرمایا کہ وہ ان امور کا خلاف کرے جس امر تک اس کا اجتہاد پہنچا ہے۔ جیسا کہ رسول پر حرام کیا ہے کہ وہ اس امر کا خلاف کریں جو ان پر وحی کیا گیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اجتہاد ایک شعبہ ہے تشریع کے شعبوں میں سے، عین تشریع نہیں ہے۔ یہاں تک مضمون چلا گیا ہے کہ مجتہدین انبیاء کے مشابہ ہو گئے اس طرح کہ شارع نے ان کے اجتہادی احکام کو باقی رکھا ہے اور اس کو حکم شرعی قرار دیا۔ (ترجمہ ختم ہوا)

اس عبارت میں بتلا دیا کہ اجتہاد عین تشریع نہیں، ایک شعبہ ہے تشریع کا نیز اس عبارت میں اجتہاد کو وحی کہا ہے، سو ظاہر ہے کہ یہ حقیقتاً وحی بالمعنی الشرعی نہیں۔ اولیاء کا الہام تو اس سے بھی کم درجہ ہے جیسا کہ مذکور ہوا کہ وہ دوسرے کے لئے حجت بھی نہیں۔ تو اس کو وحی کہنا بالمعنی الشرعی الحقیقی کیسے ہوگا۔

اور بعض بزرگوں کے کلام میں جو خاص قیود کے ساتھ علوم کشفیہ کی صحت اور خاص شرائط کے ساتھ الہام کا مامون عین التلبیس ہونا مذکور ہے اول تو وہ متفق علیہ نہیں۔ پھر ان قیود و شرائط کا اجتماع نادر ہے، والنادر کالمعدوم۔ دوسرے صحت وامن سے حجت شرعیہ لازم نہیں۔ دیکھئے ادراکات حواس اکثر حالات میں صحیح اور غیر ملتبس ہوتے ہیں مگر باستثناء مواقع اعتبار شرع کے فی نفسہ حجت نہیں۔ مثلاً شمس کے قمر سے اعظم ہونے کا ادراک غلطی اور التباس سے محفوظ ہے مگر اس کا اعتقاد شرعاً واجب نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ قمر اعظم ہے شمس سے، مگر زیادہ بعید ہونے سے چھوٹا نظر آتا ہے تو عاصی نہ ہوگا۔ البتہ رویت ہلال میں اس ادراک کا شرع نے اعتبار کیا ہے وہاں حجت ہوگا اور کشف والہام کے اعتبار کی کوئی شرعی دلیل نہیں۔ لہٰذا حجت نہ ہوگا اور قیاس کے حجیت کی دلیل ہے وہ حجت ہوگا۔

ف ۳: فائدہ اولیٰ میں جہاں شیخ کا یہ قول ہے لما اغلق اللہ باب الرسالۃ

بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ۔اس کے ترجمہ کے ذیل میں وعدہ کیا گیا ہے کہ جن پر ملائکہ کا اطلاق ہونے کے باب میں اور بعض مراتب انسانیہ پر لفظ الٰہیت اطلاق کئے جانے کے باب میں کچھ اقوال نقل کئے جاویں گے،سوان کی نقل کرتا ہوں۔

قال القاشانی فقد بان لک ان الاعتراض والطعن فی ادم لم یصدر من ملائکہ الجبروت اذا لنزاع لایکون الاممن، مرکب من الطبائع العنصریة لما فیھا من التضاد اذا لمتکون منھا لایکون الا علٰی حکم الاصل انتھٰی قال بعضھم لعل مراده بھؤلاء الملائکة القاطنین بین السماء والارض نوع من الجن سماھم ملائکة اصطلاحاله (مبحث سادس وثلثون ج:۲ ص:۴۱) وفی تفسیر البیضاوی ولان ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ روی ان من الملائکة ضربایتوالدون یقال لھم الجن الخ.

ترجمہ: قاشانی نے کہا ہے تم پر ظاہر ہوگیا کہ آدم علیہ السلام کے باب میں اعتراض اور طعن ملائکہ جبروت سے ثابت نہیں ہوا کیونکہ نزاع اسی سے صادر ہوسکتا ہے جو عناصر اربعہ سے مرکب ہو۔ چونکہ ان عناصر میں تضاد ہے۔ کیونکہ جو چیز ان سے متکون ہوگی وہ اپنے اصل ہی کے مقتضا پر ہوگی۔

بعض نے کہا ہے کہ غالباً قاشانی کی مراد ان ملائکہ سے جو کہ سماء وارض کے درمیان رہتے جن کی کوئی نوع ہوگی۔ان کو اپنی اصطلاح میں ملائکہ کہہ دیا اور تفسیر بیضاوی میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ ملائکہ کی ایک قسم ہے جن میں توالد وتناسل بھی ہوتا ہے اوران کو جن کہا جاتا ہے۔(ترجمہ ختم ہوا)

تو جس طرح جن پر ملائکہ کا اطلاق اور ملائکہ پر جن کا اطلاق ہوتا ہے۔اسی طرح شیخ اپنی اصطلاح میں جو لغت کے قریب ہے، نبوت اور رسالت اور وحی کو معنی عام پر اطلاق کرتے ہیں اور فصوص کے فص اول میں یہ عبارت ہے۔

فص حکمۃ الٰھیۃ فی کلمۃ ادمیۃ یعنی خلاصہ ان علوم کا جو متعلق ہے مرتبہ الٰہیہ سے جو ظاہر ہوا ہے کہ کلمہ یعنی ذات آدمیہ میں اور الحل الاقوم میں احقر نے تحقیق کردیا ہے کہ الٰہیہ ایک لفظ اصطلاحی ہے مراد اس سے مرتبہ جامعیت کا ہے الی قولی۔

اور یہ اصطلاح موجب توحش نہ ہونا چاہئے کہ عبد کے لئے الٰہیت ثابت کردی۔ یہ اصطلاح ہے ولا مشاحۃ فی الاصطلاح جیسے حکماء حکمت الٰہیہ ان علوم کو کہتے ہیں جو ان موجودات کے متعلق ہو جو مادہ سے مستغنی ہوں وجود خارجی میں بھی اور وجود ذہنی میں بھی اور ان موجودات میں بعضے ممکنات بھی ہیں۔ اور پھر بھی اس اصطلاح سے کسی کو توحش نہیں ہوتا اھ۔ پس جیسے اس عبارت میں عبد کے لئے الٰہیت حکم کردیا بناء علی الاصطلاح الخاص اسی طرح غیر نبی کے لئے نبوت کا حکم کردیا۔ بناء علی الاصطلاح الخاص اور اسی اصطلاح کو عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اشعار میں استعمال فرمایا ہے۔

(ا...دفتر چہارم سرخی زادن ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ بعد از وفات بایزید رحمۃ اللہ علیہ)

لوح محفوظ است او را پیشوا ازچہ محفوظ است محفوظ از خطا
نے نجوم است و نہ رمل است و نہ خواب وحی حق واللہ اعلم بالصواب
از پے روپوش عامہ دربیاں وحی دل گویند او را صوفیاں
وحی دل گیرش منظر گاہ اوست چوں خطا باشد چو دل آگاہ اوست

(الابیات الاربعۃ)

یہاں منتہی کامل یعنی بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے کشف والہام کو وحی کہا اور وحی دل گویند میں اس کا اصطلاح ہونا ظاہر فرمادیا۔ اور روپوش عامہ مفسر باخفاء عن العوام میں دو مصلحتوں کی طرف اشارہ فرمایا۔ متکلم کا اتہام سے بچنا اور مخاطب کا ایہام سے بچنا اور محفوظیت عن الخطاء کی تحقیق۔ **فائدہ**: (۲) کے اخیر میں گزر چکی ہے۔

(۲): دفتر چہارم سرخی خطاب با مغروران دنیا

نفس اگرچہ زیرک است وخوردہ داں قبلہ اش دنیاست اور امردہ داں

آب وحی حق بدیں مردہ رسید شد زخاک مردۂ زندہ پدید
ثانیاً بدوحی زوغرہ مباش توبداں گلگونۂ طال بقاش

(الابیات الثلثہ)

یہاں متوسط بلکہ مبتدی سلوک کے (کہ خروج عن الموت النفسانی تو ابتداء میں بھی حاصل ہوجاتا ہے) احوال وواردات کووحی فرمایا۔

(ا.....دفتر اول سرخی کشتن زرگر باشارہ الٰہی بودالخ) ؎

او نکشتش از برائے طبع شاہ ثانیاً یدامرو الہام الٰہ
آنکہ از حق یا بداووحی وخطاب ہرچہ فرماید بود عین ثواب

(التبیین)

یہاں الہام تصریفات تکوینیہ کووحی فرمادیا جوادون ہے الہام تعریفات تشریعہ سے، جن کااوپر کے اشعار میں ذکر ہے اوراس مقام پر حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ مروی المعنی میرے ہاتھ کالکھا ہوا بین السطور ملا۔ وحی دو قسم باشد گاہے بملک گاہے۔بقلب یہ اشارہ ہے تحقیق مذکور ابتدائے اقتراب ہذا کی طرف۔

اعلم ان الملک یاتی النبی بالوحی الخ یعنی الہام غیر نبی کا محض وارد ہوتا ہے تلقی عن الملک نہیں ہوتا اور قلب سے مراد یہاں بھی اور ابیات اولیٰ کے لفظ وحی دل میں بھی مطلق باطن ہے لئلا یعارض مامرفی ابتداء۔

ف: (ا) من قولہ انما لم یقل الخ۔ اور ابیات اخیرہ میں جو لفظ امر مذکور ہے یہ امر تکوینی ہے۔ پس یہ معارض نہیں عبارات نافیۂ الہام امرونہی مذکورہ فی ابتداء الاقتراب کے ساتھ۔ اور قطع نظر اس سے واقعہ امم سابقہ کا ہے کما دل علیہ قول الرومی فی مبداء القصہ بودشاہے درزمانے پیش ازیں فلا اشکال فی التفھیم فافھم حق الفھم ولا تقع فی الوھم۔

ف: (۴) اس اقتراب میں جو عبارات شبہ کو منطوقاً دفع کرتی ہیں، ان کے علاوہ اس سے قبل کے اقتراب (فائدہ اولیٰ کے اخیر کے اقتراب کا حاشیہ ملاحظہ ہو ۱۲)

میں جس مسئلہ کی تحقیق ہے وہ بھی مفہوماً اس شبہ کو دفع کر رہا ہے۔ کیونکہ اگر نبوۃ ہر ولی کے لئے ثابت ہوتی تو اس عبارت کے کوئی معنی نہ ہوتے کہ فالکلام فی رسالۃ النبی مع ولایتہ لا فی رسالۃ ونبوتہ مع ولایۃ غیرہ جو مع ترجمہ اس مقام میں گزر چکی ہے۔ کیونکہ ایسے ولی کا تو تحقق ہی نہ ہوتا جو نبی ہو۔

اس سے ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جس عبارت سے یہ شبہ ناشی ہوا ہے، اس میں اگر غور کیا جاوے وہ خود شبہ کو پیدا نہیں ہونے دیتی۔ کیونکہ اس میں اول تصریح ہے کہ جو چیز منقطع نہیں وہ ولایت ہے۔ جس کو انباء عام بمعنے الاخبار سے مفسر کیا ہے پھر اسکے مقابل نبوت ورسالت کو منقطع کہا ہے اور تشریع کی قید سے شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ محقق ہو چکا ہے کہ ہر نبوت حقیقیہ تشریعی تضمن الاحکام ہوتی ہے۔

پس یہ قید واقعی ہے اس کے بعد کہا گیا ہے۔ وھذا الحدیث قصر ظھور الاولیاء لانہ یتضمن انقطاع العبودیۃ الکاملۃ التامۃ جو مع ترجمہ کے اسی اقتراب میں گزری ہے، وجہ دلالت یہ کہ اگر نبوۃ حقیقیہ عام ہوتی تو عبدیت کاملہ تامہ جو لوازم نبوت سے ہے، منقطع کیوں ہوتی۔ پھر اولیاء کو حسرت انقطاع کیوں ہوتی۔

ف: (۵) اس اقتراب کے شروع میں شیخ کا ایک قول مع ترجمہ نقل کیا گیا ہے لاذوق لنا فی مقام نبوۃ لنتکلم علیہ انما نتکلم علیٰ ذلک بقدر ما اعطینا من مقام الارث فقط الخ. اس پر ایک دوست نے مجھ سے سوال کیا کہ فصوص میں تو کمالاتِ انبیاء ہی کے متعلق علوم پر کلام کیا ہے یہاں کلام کی نفی کیسے کر رہے ہیں؟ میں نے جو جواب دیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نفی اس کلام کی ہے جو ذوق سے ناشی ہو اور جو کلام واقع ہوا ہے یہ محض نقل ہے جس کا ماخذ کشف ہے جس کو فصوص کے خطبہ میں ذکر کیا ہے کہ رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبیدہ کتاب فقال لی ھذا کتاب فصوص الحکم خذہ واخرج بہ الی الناس الخ پس کوئی تعارض نہ رہا وھذا اخر ما اردت ایرادہ فی ھذا الباب ووفقت لہ کما کان یشتھی قلبی والحمدللہ الھادی الیٰ الصواب (تتمہ خاصہ ص: ۱۹۴)

تنبیہ براصلاح معاملہ باتمثال نعل شریف مذکورہ زادالسعید

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
رئیس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

تنبیہ براصلاح معاملہ باتمثال نعل شریف مذکورہ زادالسعید

سوال: نقشہ نعل مبارک جوکہ خدمت والا میں مرسل ہے، ایک رنگونی متمول سیٹھ صاحب نے مستقل طور پر کثیر تعداد میں چھپوا کر یہاں رنگون میں مسلمانوں کو تقسیم کیا، اس غرض سے کہ اس کا ادب و تعظیم بجالا کر فوائد دارین حاصل کریں، غیر مقلدین اور بعض مقلدین نے یہ چرچا دیکھ کر بہت کچھ شور وشغب اور چھیڑ چھاڑ شروع کردی، اور بعضوں نے غلو کر کے یہاں تک کہہ دیا کہ ایک تو یونہی لوگوں کے ایمانوں میں کمزوری تھی، صرف رائی کے دانہ کے برابر ایمان باقی رہ گیا تھا، اب اس نقشۂ مزینہ و متلونہ بالوان مختلفہ کی بدولت رہا سہا رائی برابر ایمان بھی جاتا رہا، اس میں ہدایات مطبوعہ کے مطابق سروں پر رکھ کر بوسہ وغیرہ دے کر اس سے زیادہ معظم ومکرم چیزیں نیچے پڑ گئیں، حتیٰ کہ قرآن پاک وکتب حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جیسا برتاؤ کیا جاتا ہے اُس سے کہیں بڑھ کر آثار وعلامات وقعت وعظمت اُن کے عمل درآمد سے نظر آنے لگے، جو مسلمان اُن کی جیسی تعظیم وتکریم بجانہ لائے اس کو بہ نظر حقارت دیکھیں، اس سے چھیڑ چھاڑ شروع کریں، اس کو بے ادب وگستاخ بتائیں، التزام مالا یلزم، اور حدودِ شرعیہ سے تجاوز کا پورا منظر پیش ہو جائے، پھر تعجب پر تعجب ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو متبع سنت اور اہل حق کہہ کر بہت سے اُمور کو جن کو اہل بدعات بدعات حسنہ یا شعائر اظہار محبت رسول وغیرہ قرار دیتے ہیں، بنا بر مفاسد عینیہ ناجائز، حرام،

شرک، بدعت قبیحہ کہتے ہیں، اور نقشہ نعل مبارک بایں آب و تاب چھپوا کر ذریعۂ نجات بتلاتے ہیں، باوجودیکہ عوام کالانعام کی حالت اور اس کے صدہا امثال و نظائر میں ان کی افراط و تفریط خود بھی مشاہدہ کر چکے، اور کر رہے ہیں۔

نقشہ مذکور کے نیچے گرداگرد اشعار و عبارات و فضائل وغیرہ ہوتے ہوئے یہ عذر کرنا کہ ہم نے نقشۂ مذکور کے نیچے یہ بھی چھاپ دیا ہے، مگر خلاف شرع غلو نہ کریں الخ بالکل لچر ہے، خواہشات نفسانیہ کا غلبہ ہوتے ہوئے اور رفع حاجت دنیاوی کا سہل نسخہ ہاتھ آتے ہوئے عوام کا حدود شرعیہ پر قائم رہنا قطعاً خلاف بداہۃ و مشاہدہ ہے، اتنی عبارت کا لکھ دینا ہرگز کافی نہیں، اور نہ اس کا شائع کنندہ مسلمانوں کو ایک نئے فتنہ میں پھنسانے کی وجہ سے مواخذہ اخروی سے بری الذمہ ہو سکتا ہے، اس نقشۂ نعلین مبارک کو زادالسعید حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی کے ساتھ ملانے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس کا ماخذ یہی کتاب ہے، اس میں کوئی شرعی دلیل قائم نہیں کی گئی، کتاب فتح المتعال فی مدح النعال کا حوالہ اس میں بھی دیا گیا ہے، یہ کتاب بھی اثبات مطلوب کے لئے کافی نہیں ہے۔ **انتھٰی بتقریر المخالفین و فق ما صدر منھم بلسان القال و اقلہ بلسان الحال۔**

پس جناب والا کی خدمت میں اُمور ذیل معروض ہیں:

(۱) مخالفین کی تقریر کہاں تک صحیح ہے اور کہاں تک غلط؟

(۲) نقشۂ مرسلہ کی وجہ سے عوام کا مفاسد میں مبتلا ہو جانا محتمل قوی ہے یا نہیں؟

(۳) نقشۂ مرسلہ کا بوسہ دینا، سر پر رکھنا وغیرہ کے مشروع ہونے پر دلیل شرعی کیا ہے؟ اگر بطور عمل اور حصولِ خیر و برکت کے لئے جائز کہا جائے تو کیا وجہ ہے کہ قیام مولود، فاتحہ و تعزیہ، و نقشہ ہائے موئے مبارک و جبہ و عمامہ مبارک وغیرہ بے شمار اعمال کے بارہ میں اسی وجہ کو کیوں نہ کافی سمجھا جائے بلکہ ان میں سے بعض اعمال کو بدرجۂ اولیٰ کیوں نہ جائز قرار دیا جائے اور اگر نہیں تو مابہ الفرق کیا ہے؟

(۴) قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر وزمانہ مجتہدین عظام میں اس طرح بوسہ دینے، سر پر رکھنے وغیرہ کا دستور تھا یا نہیں، اگر تھا تو اس کی تصریح نقل فرمادیں، خاص موئے مبارک وملبوسات شریف نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ فیوض وبرکات حاصل کرنا امر آخر ہے، اور شبیہ دوسری چیز ہے، اس لئے یہ اُمر قابل خیال ہے کہ اصل کے ساتھ کسی برتاؤ کا دکھلانا وہی برتاؤ نقل کے لئے ثابت کرنا قیاس مع الفارق ہوگا۔؟

(۵) جبکہ نقشہ نعل شریف اس درجہ واجب التعظیم قرار پائے کہ سر پر رکھ کر اس کے وسیلہ سے دُعاء مانگنا باعث حصول خیر وبرکت ہو تو دوسری صورت میں اگر کوئی مثل نقشہ نعل چرمی یا چوبی بنوا کر اتباعاً پہننا چاہے جس کا پاک وناپاک جگہ آمد ورفت میں ملوث ہونا ظاہر ہے کیا حکم رکھتا ہے۔

(۶) کیا اصل نعلین کے ساتھ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا یہ معاملہ کرنا ثابت ہے جو کہ اس کی نقل کے ساتھ تجویز کیا گیا ہے، بروقت جواب عریضۂ ہذا کتاب امداد الفتاویٰ جلد سوم صفحہ 140 مسائل شتیٰ مطبع مجتبائی دہلی اور مضمون کتاب زاد السعید متعلق نعل شریف کے تعارض کو ملاحظہ فرمالیا جاوے۔ فقط

الجواب: اس مسئلہ میں دو مقام پر کلام ہے۔ (۱) ایک یہ کہ فی نفسہٖ قطع نظر عوارض سے اس تمثال کے ساتھ ایسا معاملہ کرنے کا کیا حکم ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ عوام کے مفاسد حالیہ یا مآلیہ محتملہ باحتمال غالب کے اعتبار سے کیا حکم ہے۔

سو اُمر اوّل میں یہ تفصیل ہے کہ اگر دین اور عبادت سمجھ کر ایسا کیا جاوے تب تو بدعت ہے کیونکہ اس کی کوئی دلیل وارد نہیں، اور اگر ادب وشوق طبعی سے کیا جاوے تو کوئی حرج نہیں، ایسے اُمور طبعیہ کے جواز کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں، خلاف دلیل نہ ہونا کافی ہے، اور جو سلف سے اس کی نظیر منقول ہے اس کا محل یہی ادب وحب طبعی ہے، جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

ولا مَسِسْتُ ذکری بیمینی منذ بایعت بها رسول اللّٰه صلی اللّٰه

علیہ وسلم رواہ ابن ماجۃ فی باب کراھۃ الذکر بالیمین.

ظاہر ہے کہ یہ رعایت بنا بر حکم شرعی نہیں، ورنہ ثوب نجس کا دلک یا عصر بھی یمین سے جائز نہ ہوتا، اور جیسے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالرحمٰن سلمی سے احمد بن فضلویہ زاہد غازی کا قول نقل کیا ہے:

ما مست القوس بیدی الاعلٰی طھارۃ منذ بلغنی ان رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اخذ القوس بیدہ (من فتاوی العلامۃ عبدالحی، صفحہ ۳۲۳)

ظاہر ہے کہ مبنی اس کا بجز دونوں قوس میں تشابہ ہونے کے اور کیا تھا، اور اس تقریر سے امداد الفتاویٰ وزاد السعید کا تعارض بھی مرتفع ہوگیا، جو سوال سادس میں سائل نے لکھا ہے کہ اوّل میں حکم شرعی کا بیان ہے اور ثانی میں شوق طبعی کا، چنانچہ خود امداد الفتاویٰ کی اس عبارت میں شوق کی بناء پر ایسے فعل ہوجانے پر ملامت نفی مصرّح ہے، یہ تو تفصیل ہے حکم فی نفسہ کی، اور اَمر دوم کی تحقیق یہ ہے کہ جہاں احتمال مفاسد کا غالب ہو وہاں روکا جاوے گا اور واقعی اس وقت عوام کی حالت پر نظر کرکے احتیاط ہی مناسب ہے۔

چنانچہ اسی بناء پر ہمیشہ خیال ہوتا تھا کہ ''زاد السعید'' کے مضمون کے متعلق اس پر تنبیہ کروں، الحمدللہ اس وقت اس کی توفیق ہوئی، لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری جانب میں بھی اصلاح ضروری ہے، مثلاً اس تمثال کے ساتھ قصداً اہانت کا معاملہ کرنا کھلی علامت ہے قساوت کی، کیونکہ گو وہ اصل نہیں ہے مگر تشاکل و تشابہ کے سبب جو اصل سے ملابست ومناسبت ہے اس کی مانعیت کے لئے کافی ہے، چنانچہ اس کا انکار تو مانعین بھی نہیں کرسکتے، کہ جس طرح اصل نعل شریف پر باوجود اس کے طاہر ہونے کے بھی کلمات طیبہ واسم مبارک لکھنا سوئے ادب ہے۔

اسی طرح تمثال پر اس کا لکھنا سوئے ادب ہے، جیسا اس تمثال میں اس کا ذکر کیا گیا جو قلب پر بے حد ثقیل معلوم ہوتا ہے، جس سے یہ نقشہ میری رائے میں

قابل دفن ہوگیا، کیونکہ اس کے ابقاء میں جائز رکھنا ہے اہانت اسمِ مبارک کا، نعوذ باللہ منہ، یا جس طرح اصل نعل شریف کو قرآن شریف کے ساتھ ایک غلاف میں رکھنا درست نہیں، اسی طرح تمثالِ نعل کو بھی، تو ان احکام کا مبنٰی اگر تشابہ نہیں تو کیا ہے، صاف معلوم ہوا کہ من وجہ اصل اور نقل کو بعض آثار میں تشارک ہے، پس تمثال کی قصداً اہانت کرنا بھی گوارا نہ ہوگا، اور جس طرح اِن کلمات کی کتابت کا وجوب اجتناب حجت ہے مانعین پر اور مثبت ہے من وجہ تشارک اصل ونقل فی بعض الآثار کا، اسی طرح اس کتاب کا وجود ارتکاب حجت ہے، مجوزین پر اور نافی ہے **من کل الوجوہ تشارک اصل و نقل فی کل الآثار** کا، ورنہ اگر یہ تشارک منفی نہیں تو کیا وجہ کہ اصل پر یہ کتابت ناجائز ہو اور نقل پر جائز۔

اس تحقیق سے ضروری احکام کا ایضاح اور افراط وتفریط جانبین کی اصلاح دونوں اُمر حاصل ہوگئے، اور اسی سے سب سوالوں کا جواب بھی نکل آیا۔ واللہ اعلم

(۸ رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ (ترجیح خامس ص ۱۳۸)

شَقِّ الجَيبِ عَن حَقِّ الغَيبِ

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

اس رسالہ میں ایک سوال کے جواب میں علم غیب
کے مسئلہ کے بارہ میں کچھ تحقیق تحریر فرمائی گئی ہے

شَقِّ الجَیبِ عَن حَقِّ الغَیبِ

سوال: حضرت دامت برکاتہم آمین، السلام علیکم ورحمۃ اللہ! اس پرچہ میں جو عبارات درج ہیں اس سے بھی بدعتی نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا علم محیط ثابت کیا ہے۔

(۱) لقد ترکنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم وما یحرک طائر جناحیہ الاذکر لنا منہ علما ھذا تمثیل لبیان کل شی مفصلا تارۃ واجمالا اخری.

طبرانی میں لکھا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ماھو کائن فیھا الی یوم القیمۃ کانما انظرا لی کفی ھذہ ان اللہ قدر فع ای اظھر و کشف لی الدنیا بحیث احطت بجمیع مافیھا یہ سب عبارتیں زرقانی شرح مواہب جلد سابع مسئلہ غیب ماوراء القرآن میں مذکور ہیں۔

(۲) کتاب الابریز صفحہ ۲۲۹ مطبوعہ مصر وعندنا یعلم صلی اللہ علیہ والہ وسلم من العرش الی الفرش ویطلع علی جمیع ما فیہ ما فوقہ احد.

(۳) ملاعلی قاری حنفی کی شرح قصیدہ بردہ قلمی میں ہے تحت شعر، ومن علومک علم اللوح والقلم وکون علومھما من علومہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان علومہ تتنوع الی الکلیات والجزئیات و حقائق و معارف و عوارف متعلق بالذات و الصفات و علمھما یکون نھرا من بحور علومہ وحرفا من سطور علمہ اور حالانکہ لوح محفوظ میں کل کائنات ذرہ ذرہ کا علم مذکور ہے۔

(۴) اور کیا آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو کل کائنات عالم ماضویہ واستقبالیہ کلیات وجزئیات

کا علم تھا جو کہ بظاہر و علم ادم الاسماء کلھا سے استغراق تام حقیقی مفہوم ہوتا ہے۔

(۵) قال فی کتاب الابریز ثم الارواح مختلفة فی هذا التمیز علی قدر الاطلاع فمن الارواح من هوا قوی فی الاطلاع. ومنها من هو ضعیف . واقوی الارواح فی ذلک روحه صلی الله علیه واله وسلم فانها لم یحجب عنها شیء من العالم فهی مطلعة علی عرشه وعلوه وسفله و دیناه واخرته وناره وجنته لان جمیع ذلک خلق لا جله صلی الله علیه واله وسلم فتمیزه علیه السلام خارق بهذه العوالم باسرها فعنده تمیز فی اجرام السمٰوات من این خلقت ومتی خلقت ولم خلقت والی این تصیر فی جرم کل سماء وکذا ما بقی من العوالم ولیس فی هذا مزاحمة للعلم القدیم الازلی الذی لانها یة لمعلوماته و ذلک لان ما فی العلم القدیم لم ینفصل فی هذا العالم فان اسرار الربوبیة و اوصاف الالوهیة التی لانهایة لها لیست من هذا العالم فی شی. ثم الروح اذا احبت الذات امدتها بهذا التمیز فلذلک کانت ذاته الطاهرة صلی الله علیه واله وسلم تمیز ذلک التمیز السابق و تخرق به العوالم کلها فسبحان من شرفها و کرمها واقدرها علی ذلک.

(۶)قال فی موضع اخرنا قلا عن شیخه عبدالعزیز قدس سره ولقد رایت ولیا بلغ مقاما عظیما وهو انه یشاهد المخلوقات الناطقة والصامة والوحوش والحشرات والسمٰوات ونجومها والارضین وما فیها وکرة العالم تستمد منه ویسمع اصواتها وکلامها فی لحظة واحدة ویمد کل واحد بما یحتاجه و یعطیه ویصلحه من غیر ان یشغله هذا من هذا بل اعلی العالم واسفله بمنزلة من هو فی حیز

واحد عنده ثم یرحم هذا لولی فینظر فیری مدده من غیره وهو النبی صلی الله علیه واله وسلم ویری مدد النبی صلی الله علیه واله وسلم من الحق سبحانه فیری الکل منه تعالٰی.

(۷) وفی موضع اخر. واعظم الارواح علما واقواها نظرا روحه علیه الصلٰوة والسلام لانها یعسوب الارواح فهی مطلعة علی جمیع ما فی العوالم کما سبق دفعة واحدة من غیر ترتیب ولا تدریج ثم لما وقع الاصطحاب بینها و بین ذاته الطاهرة صلی الله علیه واله وسلم امدتها بعدم الغفلة حتی صارت الذات مطلعة علی جمیع ما فی العالم مع عدم طوق الغفلة لها ذلک لکن الاطلاع لیس مثل الاطلاع فان اطلاع الروح دفعة واحدة من غیر ترتیب و اطلاع الذات علی سبیل التدریج و الترتیب بمعنی انها ما من شی تتوجه الیه فی العالم الاو تعلمه لکن علمه لا یحصل الا بالتوجه فاذا توجهت الی شی اخر علمته وهکذا حتی تاتی علی ما فی العالم فلها التسلط فی العلم علی ما فی العالم ولکن یتوجه بعد توجه ولا تطیق الذات ما تطیق الروح من حصول ذلک دفعة واحدة وکذا یختلفان فی عدم الغفله فانه فی الروح علی نحو ما سبق تفسیره واما فی الذات فهو بالنسبة الی توجهها بمعنی انها اذا توجهت الی شی لا شی لا یفوتها ولا یلحقها فی توجهها الیه سهو ولا غفلة ولا نسیان واما اذا لم تتوجه الیه فانها قد تغفل عنه ویقع لها فیه السهو والنسیان ولهذا قال صلی الله علیه واله وسلم کما فی صحیح البخاری انما انا بشر انسی کما تنسون فاذا نسیت تذکرو نی قال ذلک صلی الله علیه واله وسلم حین وقع السهو ولم ینبوه.

الجواب: اصول موضوعہ نمبر ا: عقائد قطعیہ کیلئے ضرورت ہے دلیل قطعی کی جو ثبوتاً بھی قطعی ہو اور دلالۃ بھی قطعی ہو۔ نمبر ۲: عقائد ظنیہ کے لئے دلیل ظنی کافی ہے بشرطیکہ اپنے مافوق کے ساتھ معارض نہ ہو ورنہ دلیل مافوق ماخوذ ہوگی اور یہ دلیل متروک ہوگی اور اگر مماثل کے ساتھ معارض ہوگی تو دلائل مابعد کی طرف رجوع کرینگے۔ اگر دلائل مابعد بھی متعارض ہوں گے دونوں شقوں کے قائل ہونے کی گنجائش ہوگی۔ نمبر ۳: عقائد قطعیہ میں تو کسی غیر معصوم کا کلام حجت نہ ہوگا اور عقائد ظنیہ میں غیر مجتہد کا کلام حجت نہ ہوگا بلکہ خلاف دلیل ہونے کی صورت میں وہ غیر مجتہد اگر مقبول ہے تو اُس کے کلام میں تاویل کی جاوے گی ورنہ رد کر دیا جاوے گا۔

ان مقدمات کے بعد عرض ہے کہ علم غیب بلا واسطہ کا یا علم غیب غیر متناہی کا گو بواسطہ ہو خواص، باری تعالیٰ سے ہونا عقیدہ قطعیہ اور نصوص قطعیہ سے ثابت ہے غیر باری تعالیٰ کیلئے اس کا قائل ہونا کفر و شرک ہے اور کوئی مسلم اس کا قائل نہیں اور علم غیب متناہی اور بواسطہ ممکن کیلئے ممکن الثبوت اور ثابت بھی ہے پھر اُس میں مطلق کا درجہ تو ہر ذی شعور کے لئے مشاہدہ سے ثابت ہے اور اس میں بھی کسی کو کلام نہیں اور اس میں خاص مقدار کے درجہ کا ثبوت محتاج نقل ہے پھر وہ نقل اگر قطعی ہے تو اُس کا ثبوت قطعی ہے اور اگر ظنی ہے تو اُس کا ثبوت ظنی ہے اس ہی تفصیل کے ساتھ جو مقدمہ نمبر ۲ میں مذکور ہوئی ہے اب عبارات منقولہ سوال میں نظر کرنا چاہیے۔ اور میرے پاس اس وقت کتابیں نہیں ورنہ اس سے زیادہ لکھنے کا بھی احتمال تھا۔

عبارت اولیٰ: اس کا حصہ اولیٰ معلوم نہیں کس کا قول ہے اور بدون تعیین قابل حجت نہیں (مقدمہ نمبر ۳) دوسرا حصہ طبرانی کی روایت ہے اس سے صرف علم متناہی محدود الی یوم القیمۃ ثابت ہوتا ہے سب سے پہلے اس کے رجال کی تحقیق کی ضرورت ہے بدون اس کے اس سے احتجاج ہی نہیں ہوسکتا اور اگر فرضاً سب کا عادل ثقہ ہونا

بھی ثابت ہو جاوے تو خبر واحد ہے جو ثبوتاً ظنی ہے پھر معارض ہے اپنے سے مافوق دلائل سے خود قرآن مجید میں ہے ما علمناه الشعر الآیة حالانکہ صنعت شعر بھی مافی الدنیا میں داخل ہے۔ نیز قرآن مجید میں ہے۔

ومن اهل المدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم اس میں اقرب الاشياء الحسيه یعنی بعض منافقین کا آپ کو علم نہ ہونا منصوص ہے اور چونکہ یہ آیت غزوہ تبوک کے قصہ میں نازل ہوئی ہے جو آپ کی آخر عمر میں واقع ہوا ہے اس لئے اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آخر عمر تک بعض اشیاء آپ سے مخفی رکھی گئیں اور احادیث صحیحہ میں آپ کا تحقیق واقعات کے لئے قاصدوں کو بھیجنا بہت امور میں مشورہ اور رائے مناسب دریافت کرنا معنی متواتر ہے اور تاریخ معلوم نہیں اس لئے تعارض کا حکم کیا جاوے گا نیز حدیث انک لا تدری ما احدثوا بعدک نفی ہے اس میں کہ آخر عمر تک بھی بہت سے واقعات ایسے مخفی رہے پس عدم علم کی تاریخ کے تقدیم کا احتمال بھی نہ رہا پس لامحالہ روایت طبرانی اگر صحیح ہے تو ماول اور خاص ہوگی اُن علوم کے ساتھ جن کو منصب نبوت سے تعلق ہے اور اس کا کوئی منکر نہیں اور صحیح السند نہیں تو پھر نہ حجت ہے نہ جواب کی حاجت ہے۔

عبارت ثانیہ: کتاب الابریز کی سو اول تو وہ غیر معصوم غیر مجتہد کا کلام ہے جو حجت نہیں ثانیاً اُس سے بھی علم متناہی ثابت ہوتا ہے اگر اس کو عام کہا جاوے تو اُن دلائل اقوی سے معارض ہے جن کا ذکر عبارت اولیٰ کی تحقیق میں ہو چکا ہے من قولہ خود قرآن مجید الیٰ قولہ معنی متواتر ہے اور اگر عام نہ کہا جاوے بلکہ علم نبوت کے ساتھ خاص کہا جاوے تو پھر خصم کے دعوے سے اس کو مس ہی نہ ہوگا۔

عبارت ثالثہ: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول اول تو غیر معصوم غیر مجتہد کا قول ہے پھر اس سے بھی علم متناہی ثابت ہوتا ہے۔ پھر اگر عام کہا جاوے تو وہی تعارض جو

عنقریب مذکور ہوا اور اگر خاص کہا جاوے تو پھر کچھ مضر نہیں اور متعلق بالذات کی قید اس تخصیص کی تائید کرتی ہے اور بعض الفاظ کی ترکیب غلط ہونے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عبارت ناتمام یا غلط نقل کی گئی ہے اور اس عبارت کے تحت میں سائل کا قول کہ لوح محفوظ میں کل کائنات ذرہ ذرہ کا علم مذکور ہے۔اھ۔اس سے اگر علم غیر متناہی مراد ہے تو اُس پر دلیل قائم کرے اور اگر متناہی مراد ہے تو مضر نہیں۔کمامر

نیز ملا علی قاری کے قول کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ حضور کے اصل علوم کا تعلق ان کلیات و جزئیات حقائق و معارف سے ہے جو ذات وصفات سے متعلق ہیں اور لوح و قلم کے علوم کائنات عالم سے متعلق ہیں اور شرف علم کا شرف معلوم سے ہوتا ہے پس اس شرف کے تفاوت سے دونوں علموں میں وہ نسبت ہے جیسی نہر اور بحر میں اور حرف اور سطر میں گو دونوں علم ایک جنس سے نہ ہوں جیسے نہر کا پانی اور بحر کا پانی ایک جنس سے نہیں ہوتے پس اس سے حضور صلی اللہ علیہ والہ سلم کے علم کا لوح و قلم کے علوم پر مشتمل ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

عبارت رابعہ: بالکل ناتمام ہے معلوم نہیں اُس سے کیا مقصود ہے آیا محض استفسار ہے یا استدلال اپنے مدعا پر، اگر محض استفسار ہے تو جواب یہ ہے کہ استغراق حقیقی کی کوئی دلیل نہیں بلکہ احتمال ہے کہ خاص وہی اسماء مراد ہوں جن کا تعلق شان خلافت آدمیہ سے تھا اور اگر استدلال مقصود ہے تو اُس کی تقریر موجود تو ہے نہیں لیکن شاید یہ تقریر ہو کہ جیسا آدم علیہ السلام کا علم محیط تھا تو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا بدرجہ اولیٰ محیط ہوگا تو جواب یہ ہے کہ اول تو استغراق حقیقی ہی ثابت نہیں کما ذکر انفاً اور پھر اگر مان بھی لیا جاوے تو صرف اسماء کا ہوگا نہ جمیع کائنات کا اور پھر وہ بھی متناہی اس لئے لا متناہی کہ اسماء کی بھی محال ہے تو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے علوم کا محیط ہونا اس سے کیسے ثابت ہوا۔

عبارت خامسہ: اول تو غیر معصوم غیر مجتہد کا کلام پھر کوئی دلیل قوی وارد نہیں

کی نہ نقلی جیسا ظاہر ہے اور نہ عقلی کیونکہ جو مذکور ہے من قوله لان جميع ذلك الخ وہ مستلزم مدعا کو نہیں کیونکہ کسی کیلئے کسی چیز کا پیدا ہونا مستلزم اُس کے علم کو نہیں چنانچہ ارشاد ہے هو الذی خلق لكم ما فی الارض جميعا اور یقیناً ہم کو جمع ما فی الارض کا علم نہیں پس ماؤل ہوگا کہ غلبہ محبت وعشق سے یہ مبالغہ آمیز کلام صادر ہو گیا۔

عبارت سادسہ: اگر اس کو ظاہر پر رکھا جاوے تو اس ولی کے علم کا بھی محیط ماننا لازم آتا ہے اور اگر اس لئے محیط نہیں کہ نبی سے مستمد ہے تو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا بھی علم محیط نہ ہوگا کہ حق تعالیٰ سے مستمد ہیں۔

عبارت سابعہ: اول تو اپنے اغلاق سے کسی مدعا میں نص نہیں پھر وہی جواب اس کا بھی ہے کہ غیر معصوم غیر مجتہد کا کلام۔ پھر بے دلیل پس وہی تاویل ہوگی۔ صدور عن غلبة المحبة والعشق فلا حجة فيه لا سيما بمقابلة ماهو اقوى منه. ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۲ ہجری۔ تمام شد رسالہ شق الجیب عن حق الغیب

ضمیمہ رسالہ شق الجیب مشتمل بر یکے سوال وجواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! خاکسار حضرت شیخ الہند قدس سرہ کا ظاہری اور روحانی فیض یافتہ ہے۔ اور مشائخ دیوبند کے توسل اور اُن کے مسلک کو نجات یقین کرتا ہے اور یہی حال ان تمام حضرات کا ہے جو مجلس مستشار العلماء پنجاب سے وابستہ ہیں۔

یہاں لاہور میں ایک صاحب ہیں جنہوں نے عوام میں اپنے آپ کو دیوبندی مشرب مشہور کر رکھا ہے جو حقیقت حال کے سراسر خلاف ہے ان بزرگوار کا وتیرہ ہے کہ ماہ بماہ کوئی نہ کوئی رسالہ شائع کرتے رہتے ہیں۔ اس ماہ میں انہوں نے ایک کتاب بنام صد حدیث شائع کی جو رسال خدمت ہے یہ کتاب تمام تر خام اور حیثیت سے مولوی صاحب مذکور کے دوسرے رسائل کی طرح نا قابل التفات ہے مگر اس کو کیا کیا جاوے کہ آج پندرہ روز سے اس کتاب کی ایک عبارت کی وجہ سے تمام لاہور فتنہ و

فساد کا مرکز بنا ہوا ہے۔ مشائخ دیوبند کو عموماً اور ذات گرامی کو خصوصاً بریلیوں کی طرف سے نشانہ طعن و تشنیع بنایا جا رہا ہے عام جلسوں میں کہا جاتا ہے کہ عبارت معلوم تمام دیوبندیوں کا مسلک ہے۔ ہمارے جگر میں سن سن کر ناسور ہو گئے ہیں اس لئے قبلہ سے التجا ہے کہ اس عبارت کے متعلق اپنا مسلک واضح فرمائیں۔ عبارت حسب ذیل ہے:

عن ام العلاء الانصارية قالت قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم والله لا ادرى والله لا ادرى وانا رسول الله ما يفعل بى ولا بكم"

تشریح: "حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے وجود اقدس سے علم غیب کی نفی فرما رہے ہیں جو کہ آپ کے حق میں مقدر ہے یا دوسروں کے حق میں علم الٰہی میں مضمر ہے اس کا علم نہیں رکھتے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کو اپنی نجات کا بھی یقین نہیں کیونکہ دوسری احادیث اس کے خلاف ہیں۔" (گلدستہ صد احادیث نبوی صفحہ ۷۲، ۷۳)

یہ عبارت ہماری جماعت کو تین طرح سے کھٹکی ہے۔

(۱) کیا وجود اقدس سے مطلق علم غیب کی نفی مسلمانوں میں سے کسی کا مذہب ہے؟ حالانکہ واقعات سراسر اس کے خلاف ہیں۔ قرآن حکیم کتاب الفتن کتاب الملاحم، کتاب اشراط الساعۃ وغیرہ کے بالکل خلاف ہے۔

(۲) مقدر اور نجات میں وجہ فرق معلوم نہیں کہ مقدر کا تو اصلاً علم نہیں اور نجات کا یقین ہے بظاہر یہ متعارض غلط بیانی اور جہالت ہے۔

(۳) پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ دوسری روایات اس کے خلاف ہیں گویا (عیاذا باللہ معاذ اللہ) انبیاء علیہم السلام بے تکی باتیں بھی کہتے ہیں جہاں ایک نہ بنے دوسری بنائی جاوے۔ حالانکہ مولوی صاحب کو اس حدیث کا کوئی صحیح محمل بیان کرنا چاہیے تھا جیسا شروح شفا وغیرہ میں مذکور ہے۔ قبلہ گاہا یہ ہے عبارت اور یہ ہیں شکوک غایت ادب سے التجاء ہے کہ آپ اس عبارت کے متعلق اپنا مسلک بیان فرمائیں تا کہ ہم

بیانات اپنا دامن پاک کرسکیں اور ہمارے لئے باعث اطمینان ہو۔

الجواب: علم غیب للمخلوق کے متعلق اثباتاً ونفیاً نصوص مختلف عنوانات سے وارد ہیں گو معنوں میں اختلاف نہیں بعض نصوص مع ترجمہ بطور نمونہ کے ذکر کرتا ہوں۔ اور ترجمہ میں یہ مصلحت ہے کہ معنوں کا عدم اختلاف ظاہر ہو جاوے۔

اوّل: **قال الله تعالیٰ فی سورۃ الانعام قل لا اقول لکم عندی خزائن الله ولا اعلم الغیب الآیۃ** یعنی آپ (ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ (میں جو دعویٰ رسالت کا کرتا ہوں تو اُس کے ساتھ) نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس (یعنی میری قدرت میں) خدا تعالیٰ کے (تمام مقدورات کے) خزانے ہیں (کہ جب مجھ سے کسی امر کی فرمائش کی جاوے اُس کو اپنی قدرت سے ظاہر کردوں) اور نہ میں (یہ کہتا ہوں کہ میں) تمام غیبوں کو (جو کہ معلومات الٰہیہ میں ہیں) جانتا ہوں (جیسا کبھی کبھی بطور عناد اس قسم کی باتیں پوچھتے ہو کہ قیامت کب آوے گی مثلاً:

ثانی: **قال الله تعالیٰ ایضاً فی سورۃ الانعام و عندہ مفاتیح الغیب لا یعلمھا الا ھو۔** یعنی اللہ ہی کے پاس یعنی اُسی کی قدرت میں ہیں خزانے تمام مخفی اشیاء کہ ان میں سے جس چیز کو جس وقت اور جس قدر چاہیں ظہور میں لے آتے ہیں مطلب یہ کہ اور کسی کو اُن پر قدرت نہیں اور جس طرح قدرت تامہ اُن کے ساتھ خاص ہے۔ اسی طرح علم تام بھی چنانچہ اُن خزائن مخفیہ مقدورات کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے۔

ثالث: **قال الله تعالیٰ فی سورۃ الاعراف یسئلونک عن الساعۃ ایان مرساھا۔ قل انما علمھا عند ربی لا یجلیھا لوقتھا الا ھو الی قولہ قل انما علمھا عند الله ولکن اکثر الناس لا یعلمون.** یعنی یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اُس کا وقوع کب ہوگا آپ فرما دیجئے کہ اُس کا یہ علم کہ کب واقع ہوگی صرف میرے رب ہی کے پاس ہے دوسرے کسی کو اس

کی اطلاع نہیں اُس کے وقت پر اُس کو سوا اللہ کے کوئی اور ظاہر نہ کرے گا اور وہ ظاہر کرنا یہ ہوگا۔ اُس کو واقع کردے گا اُس وقت سب کو پوری خبر ہو جاوے گی۔ اُس کے قبل کسی کو بتلانے کے طور پر بھی اُس کو ظاہر نہ کیا جاوے گا۔

آگے ارشاد ہے کہ آپ فرما دیجئے کہ اُس کا علم مذکور خاص اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ بعض علوم حق تعالیٰ نے اپنے خزانہ علم میں مکنون رکھے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو بھی تفصیلاً اطلاع نہیں دی (ف) اس آیت سے اور حدیث **ماالمسئول عنها باعلم من السائل رواه الشیخان** سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تعیین و تفصیل کے ساتھ قیامت کی اطلاع آپ سے بھی مخفی تھی اور بعض روایات جو تعیین کے باب میں آئی ہیں کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال کی ہے اولاً وہ قوت میں قرآن اور حدیث شیخین کے برابر کیا فی نفسہ بھی صحیح السند نہیں۔ دوسرے ماؤل ہو سکتی ہیں۔ ظن غالب کے ساتھ راجح: **وقال اللہ تعالیٰ ایضاً فی سورة الاعراف قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ماشاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر وما مسنی السوء** یعنی آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے (بھی چہ جائیکہ دوسروں کے لئے) کسی نفع کے حاصل کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کے دفع کرنے کا اختیار رکھتا ہوں مگر اتنا ہی کہ جتنا خدا تعالیٰ نے چاہا ہو کہ مجھ کو اختیار دیدیں اور اگر میں غیب کی باتیں اُمور اختیاریہ کے متعلق جانتا ہوتا تو میں اپنے لئے بہت سے منافع حاصل کر لیا کرتا اور کوئی مضرت ہی مجھ پر واقع نہ ہوتی اور اب چونکہ علم غیب نہیں اس لئے بعض اوقات نافع و مضر کا علم نہیں ہوتا بلکہ گاہے بالعکس نافع کو مضر اور مضر کو نافع سمجھ لیا جاتا ہے۔

خامس: **قال اللہ تعالیٰ فی سورة النمل قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ** یعنی آپ کہہ دیجئے جتنی مخلوقات آسمان اور زمین یعنی عالم

ں موجود ہیں اُن میں سے کوئی بھی غیب کی باتیں نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے یعنی اللہ تعالیٰ کو تو بے بتلائے سب معلوم ہے اور کسی کو بے بتائے کچھ بھی معلوم نہیں۔

سادس: قال اللہ تعالیٰ فی سورۃ الاحقاف قل ما کنت بدعا من الرسل وما ادری ما یفعل بی ولا بکم. یعنی آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں کہ تمہارے لئے موجب تعجب ہو گو انوکھا ہونا بھی فی نفسہ منافی رسالت نہیں چنانچہ جو سب سے پہلے پیغمبر تھے باوجود انوکھے ہونے کے بھی پیغمبر تھے مگر انوکھا ہونا موجب تعجب ہو سکتا ہے گو وہ تعجب زائل کر دیا جاوے لیکن یہاں تو تعجب بھی نہ ہونا چاہیے کیونکہ مجھ سے پہلے بہت سے پیغمبر آ چکے ہیں جن کی خبر تواتر سے تم نے بھی سنی ہے اور اسی طرح کسی اور عجیب بات کا بھی میں دعویٰ نہیں کرتا جیسا مثلاً علم غیب ہے چنانچہ میں خود کہتا ہوں کہ مجھ کو غیبیات میں سے بجز معلومات بطریق الوحی کے اور کسی بات کی خبر نہیں حتیٰ کہ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا۔ اور نہ یہ معلوم کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جاوے گا۔

پس جب اپنے اور تمہارے احوال آئندہ کے علم کا باوجود شدت تلبس اُن احوال کے میں مدعی نہیں ہوں تو اور مغیبات بعیدہ کی نسبت تو میں کیا دعویٰ کرتا پس اس باب میں بھی میں کسی امر عجیب کا مدعی نہیں ہوں)۔

سابع: قال اللہ تعالیٰ فی سورۃ الجن قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل لہ ربی امدا عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا الآیۃ یعنی آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آیا وہ نزدیک آنے والی ہے یا میرے پروردگار نے اُس کے لئے کوئی مدت دراز (کذا فی الخازن والقرینۃ علیہ کون مقابلا لقولہ قریب) مقرر کر رکھی ہے

لیکن ہر حال میں وہ آوے گی ضرور۔ رہا علم تعیین کا سو وہ محض غیب ہے اور غیب کا جاننے والا وہی ہے سو جس غیب پر کسی کو مطلع کرنا مصلحت نہیں ہوتا وہ اپنے ایسے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا اور علم تعیین قیامت ایسا ہی ہے کہ اس پر کسی کو مطلع کرنے میں کوئی مصلحت نہیں کیونکہ وہ علوم متعلقہ بالنبوۃ سے نہیں جن کو حصول قرب الٰہی میں دخل ہوتا ہے پس ایسے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا) ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو (اگر کسی ایسے علم پر مطلع کرنا چاہتا ہے جو کہ علم نبوت سے ہو خواہ مثبت نبوت ہو جیسے پیشین گوئیاں خواہ فروع نبوت سے ہو جیسے علم احکام) تو (اس طرح اطلاع دیتا ہے کہ) اُس پیغمبر کے آگے اور پیچھے (یعنی جمیع جہات میں وحی کے وقت) محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے تا کہ وہاں شیاطین کا گذر نہ ہو جو کہ وحی کو فرشتہ سے سن کر اور کسی سے جا کہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کیلئے ایسے پہرہ دار فرشتے چار تھے۔ (کذا فی روح المعانی براویۃ ابن المنذر عن ابن جبیر و بروایۃ ابن مردویہ عن ابن عباس)

ف: چونکہ اس کے مشابہ مضمون آل عمران کی ایک آیت کے جزو ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء میں بھی مذکور ہے بقدر ضرورت اُس کا ترجمہ بھی لکھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ (بمقتضائے حکمت) تم کو ایسے امور غیبیہ پر (فاللام للعھد بقرینۃ المقام والمعھود ھو تمیز الخبیث من الطیب فلا یشکل اطلاعہ تعالیٰ ایاھم علی کثیر من المغیبات منھا احکام الشرع المنصوصۃ بلا واسطہ وقوع حوادث کے مطلع نہیں کرنا چاہتے۔ ولیکن ہاں جس کو اس طرح مطلع کرنا خود چاہیں اور ایسے حضرات وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں ان کو اس طرح مطلع کرنے کے لئے اپنے بندوں میں سے منتخب فرماتے ہیں۔

ف: وجہ مشابہت دونوں آیتوں کی استثناء رسل کا بعض مغیبات کے علم میں خواہ استثناء متصل ہو یا منفصل اور اس آیت سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ جو علم غیب خصائص باری تعالیٰ

ے ہے اس میں رسل کی شرکت ہوگئی کیونکہ خواص باری تعالیٰ سے دو امر ہیں۔ ایک علم کا
زنی ہونا اور اس کا محیط بالکل ہونا یہاں ذاتی اس لئے نہیں کہ وحی سے ہے اور محیط اس لئے
نہیں کہ بعض امور خاص مراد ہیں پس یہ بالمعنی الاعم غیب ہے نہ کہ بالمعنی الاخص۔ خوب سمجھ
لو کہ۔ یہ اس باب میں مختصر نصوص مع تفسیر تھیں اس مجموعہ سے چند امور مستفاد ہوئے۔

اوّل: تحقیق مسئلہ کی کہ علم ذاتی وعلم محیط بالکل بحیث **لا یشذ عنه شيء** خواص باری تعالیٰ سے ہے اُس میں نہ کوئی رسول شریک ہے نہ غیر رسول۔

دوم: اللہ تعالیٰ نے علوم مغیبہ میں سے محض مخلوق کو بعض علوم عطا فرمائے ہیں جن میں سب سے زیادہ حضرات انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کو اور پھر ان سب میں بھی زیادہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو علوم عطا فرمائے ہیں خصوص امور تشریعیہ کے ایک ایک جزو کا اسی طرح امور تکوینیہ مناسبہ منصب نبوت کی ایک ایک جزئی کا علم آپ کو عطا فرمایا گیا ہے اور بعض عطا نہیں فرمائے جن میں بعض کا عطا ہونا اور بعض کا عطا نہ ہونا متفق علیہ ہے اور بعض جزئیات کا عطا ہونا نہ ہونا مختلف فیہ ہے۔

مثلاً قیامت کا علم یا جمیع حوادث الی یوم القیمہ کا علم ظاہر نصوص اس کی نفی پر دال ہیں اور جمہور اہل حق کا یہی اعتقاد ہے اور بعض نے بعض روایات غیر ثابتہ یا غیر کافیہ فی الدلالۃ سے تمسک کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے اس کا اثبات کر کے جمہور کا خلاف کیا ہے مگر یہ خلاف حد بدعت سے نہیں بڑھتا۔ البتہ اگر کسی نص قطعی الثبوت و قطعی الدلالۃ کا اُس میں رد ہو تو وہ کفر ہے اور غالباً کوئی ذی علم اس رد کا مرتکب نہ ہوگا اور ان بعض روایات کے ثبوت یا دلالت کے نا کافی ہونے کو علماء وقت نے بھی بقدر ضرورت اپنی تصانیف میں ذکر فرمایا ہے۔

سوم: بعض نصوص میں علم غیب للمخلوق کی نفی کا عنوان تو مطلق ہے اگرچہ دوسرے دلائل سے وہ مقید ہے لیکن علم غیب للمخلوق کے اثبات کا عنوان کسی نص میں

مطلق نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل نفی ہی ہے اور اثبات للعارض پس اطلاقات تقریریہ یا تحریریہ میں نفی کا اطلاق جب کہ تقیید منوی ہو اور اُس پر قرائن قائم ہوں حقیقت اور مقاصد شریعت سے اتنا بعید نہیں جتنا اثبات کا اطلاق اگر چہ تقیید منوی ہو اور اُس پر قرائن قائم ہوں۔ البتہ پہلا اطلاق بھی اگر موہم خلاف حقیقت یا موہم تنقیص شان کمال ہو واجب المنع ہوگا۔ لیکن ہر شخص کا حکم کر دینا کہ یہ ایہام ہو گیا یا تنقیص ہو گئی قابل اعتبار نہیں اس حکم کے لئے تبحر و تیقظ و تدین شرط ہے۔

چہارم: باوجود ثبوت بعض علوم مغیبات للمخلوق کسی نص میں مخلوق پر عالم الغیب کا اطلاق وارد نہیں۔ پس یہ اطلاق ضرور ظاہری مزاحمت ہے نص کی جو واجب الاحتراز ہے۔

پنجم: علم غیب للمخلوق کی نفی کے نصوص اور اُس کے اثبات کے نصوص میں تناقص اس لئے نہیں کہ دونوں قضیوں میں وحدات ثمانیہ نہیں کہیں موضوع مختلف ہے کہ ایک جگہ ایک شئی کا علم ہے دوسری جگہ دوسری شی کا کہیں محمول مختلف ہے کہ ایک جگہ علم قطعی ہے دوسری جگہ علم غیر قطعی۔ کہیں شرط مختلف ہے کہ ایک جگہ علم بواسطہ ہے دوسری جگہ بلا واسطہ وعلی ہذا۔

یہاں تک مسئلہ کی تحقیق ہے جو جواب سوال کے لئے بمنزلہ تمہید کے ہے اب جواب عرض کرتا ہے۔ قولکم جنہوں نے اپنے آپ کو دیو بندی مشرب مشہور کر رکھا ہے اقول اس کی فکر میں پڑنا تکلیف میں پڑتا ہے۔ کیا ایسے لوگ نہیں ہوئے کہ اسلام کی طرف اپنی نسبت کر کے اسلام کے لئے مضر ثابت ہوئے مگر بجز صبر اور دعا کے کیا چارہ۔ قولکم۔ مشائخ دیو بند کو عموماً اور ذات گرامی کو خصوصاً الخ اقول۔ اس کا رنج ہی فضول ہے ابتداء میں طبعاً رنج ہوتا بعید نہ تھا اب تو عادت ہو جانا چاہیے قولکم۔ عام جلسوں میں کہا جاتا ہے کہ عبارت مذکورہ تمام دیو بندیوں کا مسلک ہے۔ اقول۔ مصنف نے تو یہ کہا بھی نہیں کہ یہ سب دیو بندیوں

کا مسلک ہے یہ الگ بات ہے کہ اگر ایسا کہا جاتا تو صحیح ہوتا یا غلط لیکن اب تو کوئی منشاء اعتراض کا بھی معترضین کے پاس نہیں بجز اس کے کہ بدنام کرنے کا بہانا ڈھونڈا جاتا ہے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل قولکم۔ اپنا مسلک واضح فرمائیں اقول کسی خاص عبارت کے متعلق خوض کرنا ردلیتا تسلیماً اکثر بے نتیجہ ہوتا ہے۔

اس لئے میں نے بجائے اس کے اصل مسئلہ کے متعلق ضروری مضمون عرض کردیا ہے اب اس پر عبارت کا انطباق یا عدم انطباق خود ناظرین ملاحظہ فرمالیں گے گواُن مہربانوں سے زیادہ توقع یہی ہے کہ وہ اس مضمون میں بھی شبہات پیدا کرکے ہم لوگوں کے بدنام کرنے کے لئے اس کو دوسرا حربہ بنالیں گے مگر آپ کے حکم کی تعمیل کردی اب اس کا اظہار یا اخفاء آپ کی رائے پر ہے۔ قولکم۔ عبارت حسب ذیل ہے الخ اقول۔ یہ مرقاۃ کا حوالہ دے رہے ہیں۔ جو میرے پاس نہیں ہے ورنہ اس پر انطباق دیکھا جاتا اب اس سے قطع نظر کرکے نفس عبارت پر نظر کرتا ہوں۔ قولکم لنقل العبارۃ وجود اقدس سے علم غیب کی نفی الخ اقول دلالت بالکل صحیح ہے مگر غالباً مصنف کا بھی یہ مقصود نہیں مراد خاص علم غیب ہے مابعد کی عبارت اُس کا قرینہ ہے غالباً اُن پر رد کررہے ہیں جو اس باب میں موجبہ کلیہ کے مدعی ہیں اُن کا رد سالبہ جزئیہ سے کررہے ہیں جو اُس کی نقیض ہے یعنی بعض علوم غیبیہ کی نفی سے اُس ایجاب کلی کا بطلان ہوگیا اور اُس بعض کی تعیین آئندہ اس عبارت میں کی ہے جو آپ کے حق میں الی قولہ مضمر ہے یعنی آپ کے لئے یا دوسروں کے لئے جو حالت ایسی مقدر ہو جو صرف علم الٰہی میں مضمر ہو اس کے علم کی نفی کی ہے تو اس سالبہ جزئیہ کے صدق سے ایجاب کلی کا رفع ہوتا ہے۔

ایجاب جزئی کا رفع نہیں ہوتا اور اشراط الساعۃ وغیرہا سے ایجاب جزئی ثابت ہوتا ہے پس دونوں میں تناقض نہیں البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ عبارت صاف

نہیں بلکہ تنگ ہے اور بے ترتیب ہے مگر جرم کے ایک دفعہ کو دوسری دفعہ میں داخل کرنا یہ بھی تو جرم ہے۔ قولکم مقدار اور نجات میں الخ اقول۔ مقدر سے اگر وہ مقدر مراد ہو جو صرف علم الٰہی میں مضمر ہے جس کا علم دوسرے کو عطا نہیں ہوا تو نجات سے اُس کا فرق ظاہر ہے کیونکہ اس مقدر کا علم عطا فرما دیا گیا ہے۔

قولکم دوسری روایات اس کے خلاف ہیں۔ اقول۔ تقریر مذکور پر تخالف نہیں رہا قولکم حالانکہ الخ اقول نیک مشورہ ہے میرے پاس شرح شفاء نہیں ورنہ اس میں دیکھتا لیکن اگر دونوں محمل میں تغائر بھی ہو تو محامل صحیحہ میں تعدد بھی تو ممکن ہے خواہ راجح و مرجوح کا تفاوت ہو مگر نفس صحت میں تو اشتراک ممکن ہے۔

چنانچہ ایک محمل احقر نے اوپر سورۂ احقاف کی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے قولکم آپ اس عبارت کے متعلق الخ اقول۔ کونوا قوامین بالقسط کو پیش نظر رکھ کر حکم کی تعمیل کر دی ہے اگرچہ میں بھی تفسیر بالرائے کی وجہ سے اُن کا شاکی ہوں۔ اب دعا و طلب دعا پر ختم کرتا ہوں۔

اشرف علی (۲ج ۱۳۵۲،۲ ہجری)

مَقالاتِ حَکیمُ الامّت

3

ایمان....اسلام....عقائداور دینیات

کے متعلق حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے رسائل

توحید الحق

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ، راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

جہالت کی کرشمہ سازیاں کہ لوگوں کے ذہنوں میں ایسے سوالات پیدا ہوئے کہ کیا اسلام کی طرح کفر بھی موجب نجات آخرت ہے؟ اس مسئلہ کے قطعی اور ضروریات دین میں سے ہونے کے باوجود بعض مدعیان اسلام نے اس کو ثابت کیا۔ چنانچہ ان کی تردید میں بہت تفصیل اور قرآن وحدیث کے دلائل سے یہ رسالہ تحریر فرمایا گیا ہے تاکہ مذکورہ خیال کی تردید ہو جائے۔

توحید الحق

توحید الحق در عدم نجات غیر مسلم

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بعد الحمد و الصلوٰۃ احقر اشرف علی مدعاء نگار ہے کہ ہماری شامت اعمال سے ہم کو ایسا روز بد دیکھنا پڑا کہ ایک خاص داعی کی بناء پر ایک ایسے مسئلہ پر بصورت تصنیف تحقیق مستقل لکھنے کی ضرورت ہوئی جس کی ضرورت کا بدو بعثت محمدیہ علی صاحبہا الف الف سلام وتحیۃ سے آج تک کبھی خواب میں بھی کسی کو یہ وسوسہ نہ ہوا تھا، وہ مسئلہ یہ ہے کہ آیا اہل اسلام کے علاوہ اور اہل ادیان و ملل بھی ناجی ہیں، جس کا صاف حاصل دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ کیا اسلام کی طرح کفر بھی موجب نجات آخرت ہے؟ اور اس تحقیق کا وہ داعی یہ ہے کہ اس وقت بعض مدعیان اسلام نے اس کا دعویٰ کیا، اور بصورت تصنیف اس کو شائع بھی کر دیا، اور باوجود مسئلہ کے قطعی اور ضروریات دین میں سے ہونے اور آج تک کسی مدعی اسلام کے اختلاف نہ کرنے کے اس کا دعویٰ کر کے آیات میں تلبیس و تدلیس سے کام لیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

وائے گر از پس امروز بود فردائے

چونکہ اندیشہ تھا کہ آئندہ نسلوں میں علم و فہم کی یوماً فیوماً کمی سے کسی کو غلط فہمی ہو جاوے اس لئے ضرورت ہوئی کہ جن آیات کا اس مسئلہ سے تعلق ہے، استدلالاً یا جدالاً اور جدال کا خواہ وقوع ہوا ہو یا اس کا احتمال ہوا ہو ان کا ایک معتد بہ حصہ مع اس کی

صحیح تفسیر کے بطور نمونہ کے جمع کر دیا جائے، اور بعض مقام پر محض تبرعا و تائیداً علاوہ اخبار و آثار مذکورہ فی ضمن التفسیر کے دوسرے بعض اخبار و آثار بھی وارد کیے گئے ہیں، تا کہ حقیقت واقعیہ کا احیاء و ابقاء اور وسائس وساوس اختراعیہ کا محو و افناء ہو جاوے اور بقیہ آیات کا حل اس نمونہ کی اعانت سے بوجہ اشتراک اصول کے سہل ہو جائے گا اور نام اس تحریر کا توحید الحق رکھا گیا، یعنی دین حق کے واحد غیر متعدد ہونے کا اثبات اور آیات مندرجہ کے عدد پر نظر کر کے بست آیت لقب تجویز کیا گیا۔

اور کسی آیت کی تفسیر میں اگر توجیہات متعدد ہوں تو اس سے نفس مقصود میں شبہ نہ کیا جاوے، کیونکہ وہ متعدد اس امر میں متوحد ہیں کہ ان میں سے کسی توجیہ میں اس مخترع مبتدع کی موافقت نہیں کی گئی پس اس مخترع کا بطلان یقیناً مجمع علیہ ہے پھر قطع نظر اجماع کے اس تدلیسی توجیہ کو خود صاحب تدلیس بھی درجہ احتمال سے متجاوز نہیں کہہ سکتا، گو یہ احتمال بھی باطل ہے، لیکن اس فرض پر بھی اس میں قابل استدلال ہونے کی صلاحیت تو نہ ہوگی، کیونکہ قانون عقلی ہے، اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال نیز قانون عقلی ہے کہ مشتبہ و محتمل کو محکم و مفسر کی طرف راجع کرنا ضروری ہے، تا کہ کلام صادق میں تعارض نہ ہو، اور اس کا عکس قطعاً باطل ہے اور مسئلہ کا محکم ہونا ظاہر ہے، جس کے دلائل محکمہ آیات آئندہ میں تو نظر سے گزریں ہی گے، مگر تبرعاً و تقویۃً بعض حدیثیں بھی بخاری اور مسلم سے نقل کی جاتی ہیں، کیونکہ حدیث میں وجوہ مختلفہ کی بہت کم گنجائش ہوتی ہے، تو ان کی دلالت عام نظر میں اوضح ہوگی۔

اور شیخین کے روایت کرنے سے ان کی صحت بھی مسلم ہوگی اور ثبوت اور دلالت بھی یہی دو روح ہیں دلیل کی، کما ہو معلوم وہ حدیثیں یہ ہیں۔

روی البخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل امتی یدخلون الجنۃ الامن ابی قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد ابی (مشکوۃ) وروی مسلم فے

بوجوب الایمان برسالة نبینا محمد صلی الله علیه وسلم الٰی جمیع الناس ونسخ الملل بملته عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال والذی نفس محمد بیده لایسمع بی احد من هذه الامة یهودی ولانصرانی لم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت به الاکان من اصحاب النار، قال النووی وانما ذکر الیهود والنصارٰی تنبیها علیٰ من سواهما لان الیهود والنصارٰی لهم کتاب فاذا کان هذا (شانهم مع ان لهم کتابًا فغیرهم ممن لاکتاب لهم اولیٰ والله اعلم، وروی مسلم ایضا فی باب الدلیل علی ان من مات علٰی الکفر لاینفعه عمل عن عائشة قلت یا رسول الله ابن جدعان کان فی الجاهلیة یصل الرحم ویطعم المسکین فهل ذاک نافعة قال صلی الله علیه وسلم لاینفعه انه لم یقل یومًا رب اغفرلی خطیئتی یوم الدین قال النووی ای لم یکن مصدقا بالبعث ومن لم یصدق به کافرولاینفعه عمل، وقال القاضی عیاض رحمة الله علیه وقد انعقد الاجماع علی ان الکفار لاینفعهم اعمالهم ولایثابون علیها الخ.

یہ سب تمہید تھی، اب آگے مقصود شروع ہوتا ہے، یعنی آیات موعودہ مع تفسیر نقل کرتا ہوں ہو الله الهادی الٰی سواء السبیل، وهو حسبی فی کل مرام ونعم الوکیل.

الآیة الاولٰی

والذین کفروا وکذبوا بایٰاتنا اولئک اصحاب النار هم فیها خالدون (سورۂ بقرہ) اور جو لوگ کفر کریں گے، اور تکذیب کریں گے ہمارے احکام کی، یہ لوگ ہوں گے دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ کو رہیں گے۔ (بیان القرآن ص۲۵ ج۱)

توضیح

جس مذہب والا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتا ہو اس کا

کافر مکذب آیات ہونا یقینی، اور آیت میں اس کا غیر ناجی ہونا صریح، پس اس آیات سے اہل حق کا استدلال ظاہر ہے

الآیۃ الثانیۃ

ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والنصاریٰ والصابئین من اٰمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحا فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (سورۃ بقرہ) یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہود اور نصاریٰ اور فرقہ صابئین (ان سب میں) جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ (کی ذات وصفات) پر اور روز قیامت پر اور کارگزاری اچھی کرے (موافق قانون شریعت کے) ایسوں کے لئے ان کا حق الخدمت بھی ہے، ان کے پروردگار کے پاس (پہنچ کر) اور وہاں جا کر کسی طرح کا اندیشہ بھی نہیں ان پر اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

(ف) حاصل قانون کا ظاہر ہے کہ ہمارے دربار میں کسی کی تخصیص نہیں، جو شخص پوری اطاعت اعتقاد اور اعمال میں اختیار کرے گا خواہ وہ پہلے سے کیسا ہی ہو، ہمارے یہاں مقبول اور اس کی خدمت مشکور ہے، اور ظاہر ہے کہ بعد نزول قرآن کے پوری اطاعت اطاعت محمدی یعنی مسلمان ہونے میں منحصر ہے، مطلب یہ ہوا کہ جو مسلمان ہو جاوے گا مستحق اُجر ونجات اُخروی ہوگا، اس میں اس خیال کا جواب ہو گیا، یعنی ان شرارتوں کے بعد بھی اگر مسلمان ہو جاویں تو ہم سب معاف کر دیں گے، اور صابئین ایک فرقہ تھا جس کے معتقدات وطرز عمل کے باب میں اس وجہ سے کہ کسی کو پورا پتہ نہیں لگا مختلف اقوال ہیں واللہ اعلم، اور اس قانون میں مسلمانوں کے ذکر کی ظاہر میں ضرورت نہیں، کیونکہ وہ تو مسلمان ہی ہیں، لیکن اس کلام میں ایک خاص بلاغت اور مضمون میں ایک خاص وقعت پیدا ہو گئی، اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی حاکم یا بادشاہ کسی ایسے ہی موقعہ پر یوں کہے کہ ہمارا قانون عام ہے خواہ کوئی موافق ہو یا مخالف جو شخص اطاعت کرے گا وہ موردِ عنایت ہوگا۔

اب ظاہر ہے کہ موافق تو اطاعت کر ہی رہا ہے، سنانا ہے اصل میں مخالف کو، لیکن اس میں نکتہ یہ ہوتا ہے کہ ہم کو جو موافقین پر عنایت ہے اس کی علت ان سے کوئی ذاتی خصوصیت نہیں بلکہ ان کی صفت موافقت مدار ہے ہماری عنایت کا، سو مخالف بھی اگر اختیار کرے وہ بھی اس موافق کے برابر ہو جاوے گا اس لئے مخالف کے ساتھ موافق کو بھی ذکر کر دیا گیا۔ (بیان القرآن ص ۳۶ ج ۱)

توضیح

اس تقریر کے بعد اس آیت سے اہل باطل کے استدلال کا اضمحلال ظاہر ہے اور ایک ایسی ہی آیت **لایحب اللہ** کے ختم کے قریب رکوع **یا ایھا الرسول بلغ** میں آئی ہے، اس کی بھی یہی تقریر ہے، اور اس مقام پر تمہید کی اس عبارت میں یعنی من قولہ کسی آیت کی تفسیر میں الیٰ قولہ مسئلہ کا محکم ہونا ظاہر ہے، اھ نظر کا اعادہ کر لیا جاوے، اور آئندہ کے مطالعہ میں بھی کبھی کبھی اس کا اعادہ مفید ہوگا۔

بعض الاخبار

روی ابن جریر بسندہ عن مجاھد عن سلمان وذکر للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اعمال النصاریٰ واجتھادھم، فنزلت ھذہ الأیة فدعا سلمان فقال نزلت ھذہ الأیة فی اصحابک، ثم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من مات علٰی دین عیسیٰؑ ومات علی الاسلام قبل ان یسمع بی فھو علی خیر ومن سمع بی الیوم ولم یومن فقد ھلک وروی ابن جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایضاً بسندہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قولہ ان الذین اٰمنوا الٰی قولہ تعالٰی ولاھم یحزنون، فانزل اللہ تعالٰی بعد ھذا ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الأخرة من الخاسرین اہ قال ابن کثیر بعد نقل قول مجاھد مانصہ قال ابن ابی حاتم وروی عن سعید بن جبیر نحو ھذا قلت ھذا لاینافی ماروی عن ابن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہ (قوله فانزل الله بعد هذا) قال هذا الذى قاله ابن عباس اخبار عن انه لايقبل من احد طريقة ولا عملا الا ما كان موافقا لشريعة محمد صلى الله عليه وسلم بعد ان بعثه فاما قبل ذلک فکل من اتباع الرسول فى زمانه فهو على هدى وسبيل ونجاة فاليهود اتباع موسىٰ عليه السلام والذين يتحاكمون الى التوراة فى زمانهم اھ

الآیۃ الثالثہ

بلىٰ من كسب سيئة واحاطت به خطيئته فاولئک اصحاب النار هم فيها خالدون والذين اٰمنوا وعملوا الصلحٰت اولئک اصحٰب الجنة هم فيها خالدون.

جو شخص قصداً بُری باتیں کرتا رہے اور اس کو اس کی خطا (وقصور اس طرح) احاطہ کرلے (کہ کہیں نیکی کا اثر تک نہ رہے) سو ایسے لوگ اہل دوزخ ہوتے ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے اور جو لوگ (اللہ و رسول پر) ایمان لاویں اور نیک کام کریں، ایسے لوگ اہل بہشت ہوتے ہیں، (اور) وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

فائدہ: خطاؤں کے احاطہ کرنے کے یہ معنے احقر نے ترجمہ میں ظاہر کردیئے ہیں، احاطہ بایں معنی کفار کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ کفر کی وجہ سے کوئی عمل صالح مقبول نہیں ہوتا، بلکہ اگر کچھ کفر کے قبل کے اعمال ہوں وہ بھی حبط اور ضبط ہوجاتے ہیں، اس وجہ سے کفار میں سب بدی ہی بدی ہوگی بخلاف اہل ایمان کے کہ اولاً ان کا ایمان خود ایک اعظم (اعمال صالحہ ہے، ثانیاً اور اعمال فرعیہ بھی ان کے نامۂ اعمال میں درج ہوتے ہیں، اس لئے وہ نیکی کے اثر سے خالی نہیں۔

توضیح

اس آیت سے اہل حق کا استدلال ظاہر ہے، کیونکہ احاطہ خطیہ کی جو تفسیر کی گئی ہے کافر یقیناً اس کا مصداق ہے، اور کافر کا غیر ناجی ہونا آیت میں مصرح ہے، اور

حضور اقدس کی رسالت کا منکر یقیناً کافر ہے، پس وہ غیر ناجی ہوا، اور معتزلہ کا عاصی کے لئے آیت کو عام کہنا اس مقصود میں مضر نہیں کیونکہ اس صورت میں کافر بدرجۂ اولی غیر ناجی ہوگا، اور معتزلہ کے قول کا بطلان ایک مستقل بحث ہے۔

الآیۃ الرابعہ

فلما جاء هم كتاب من عندالله مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا فلما جاء هم ماعرفوا كفروا به فلعنة الله على الكفرين (سورۂ بقرہ) اور جب ان کو ایسی کتاب پہنچی (یعنی قرآن) جو منجانب اللہ ہے (اور) اس (کتاب) کی بھی تصدیق کرنے والی ہے جو (پہلے سے) ان کے پاس ہے یعنی توراۃ حالانکہ اس کے قبل خود بیان کرتے تھے اور کفار سے یعنی مشرکین عرب سے کہ ایک نبی آنے والے ہیں اور ایک کتاب لانے والے ہیں، مگر) پھر جب وہ چیز آ پہنچی، جس کو وہ (خوب جانتے ہیں) پہچانتے ہیں، تو اس کا (صاف) انکار کر بیٹھے سو (بس) خدا کی مار ہو ایسے منکروں پر (کہ جان بوجھ کر محض تعصب کے سبب انکار کریں)۔

ف: اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ جب حق کو جانتے تھے تو ان کو مومن کہنا چاہئے، پھر ان کو کافر کیسے کہا گیا، جواب یہ ہے کہ جس طرح حق کو باطل کہنا کفر ہے۔ اسی طرح باوجود حق جاننے کے انکار کرنا بھی کفر ہے، بلکہ بشہادۃ عقل و شرع یہ اول سے بھی قبیح تر ہے، دوسرے یہ جاننا اضطراری تھا۔ جس سے وہ کارہ تھے، اور ایمان تصدیق اختیاری کا نام ہے، جس میں طوع و تسلیم ہو، کیونکہ مامور بہ ہے اور مامور بہ کا اختیاری ہونا ضروری ہے۔ (بیان القرآن ص ۴۸ ج ۱)

توضیح

آیت اہل حق کے مقصود میں صریح ہے، کیونکہ رسول اور قرآن کے انکار کو گو دل میں یقین بھی ہو کفر فرمایا، اور کفار کا غیر ناجی ہونا ظاہر ہے۔

الآیۃ الخامسۃ

ان الذین کفروا وما تواوھم کفارٌ اولئک علیھم لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین خالدین فیھا لایخفف عنھم العذاب ولاھم ینظرون (سورۂ بقرہ)

البتہ جولوگ (ان میں سے) اسلام نہ لاویں، اوراسی حالت غیر اسلام پر مرجاویں، ایسے لوگوں پر (وہ) لعنت (مذکورہ) اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں اور آدمیوں کی بھی سب کی (ایسے طور پر برسا کرے گی کہ) وہ ہمیشہ ہمیشہ کواسی (لعنت) میں رہیں گے (حاصل یہ کہ وہ جہنم میں ہمیشہ کے لئے داخل ہوں گے اور ہمیشہ کا جہنم میں رہنے والا ہمیشہ ہی خدا کی خاص رحمت سے دور بھی رہے گا، اور ہمیشہ ملعون رہنا یہی ہے اور ہمیشگی لعنت کے ساتھ یہ بھی ہے کہ داخل ہونے کے بعد کسی وقت ان (پر) سے (جہنم کا) عذاب ہلکا (بھی) نہ ہونے پاوے گا، اور نہ (داخل ہونے کے قبل) ان کو (کسی میعاد تک) مہلت دی جاوے گی۔ (بیان القرآن ص ۹۰و۹۱، ج۱)

توضیح

یہ بھی اہل حق کے مدعاء میں صریح ہے، کیونکہ جو مسلمان نہ ہو وہ کافر ہے اور کافر کا غیر ناجی ہونا صاف مذکور ہے۔

الآیۃ السادسۃ

ومن یرتد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرۃ، واولئک اصحٰب النارھم فیھا خٰلدون.

اور جو شخص تم میں سے اپنے دین (اسلام) سے پھر جاوے، پھر کافر ہی ہونے کی حالت میں مرجاوے تو ایسے لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہوجاتے ہیں، اور ایسے لوگ دوزخی ہوتے ہیں، اور یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گیں۔ (بیان القرآن، ص ۱۲۳ ج۱)

توضیح

مثل آیت بالا ہے، کیونکہ مدار حکم کفر ہے۔

الآیۃ السادسۃ

الله ولی الذین امنوا یخرجهم من الظلمٰت الی النور والذین کفروا اولیاء هم الطاغوت یخرجونهم من النور الی الظلمات، اولئک اصحاب النار هم فیها خٰلدون (سورۃ بقرہ)

اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر یا بچا کر نور (اسلام) کی طرف لاتا ہے، اور جو لوگ کافر ہیں ان کے ساتھی شیاطین ہیں (انسی یا جنی) وہ ان کو نور (اسلام) سے نکال کر یا بچا کر (کفر کی) تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، ایسے لوگ (جو اسلام کو چھوڑ کر کفر کو اختیار کریں) دوزخ میں رہنے والے ہیں (اور) یہ لوگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔ (بیان القرآن ج ۱، ص ۱۵۳)

یہاں بھی توضیح مثل آیت بالا ہے۔

اطلاع، آیات مثبتہ عدم نجات غیر مسلم تمام قرآن مجید میں صدہا سے بھی متجاوز ہیں، مثلاً اول ہی منزل میں بدون تتبع کے سرسری نظر میں یہ آیتیں خیال میں آ گئیں۔

(۱) **ان الدین عندالله الاسلام** (ال عمران) جو حسب تصریح روح المعانی کے کہ تعریف جزئین مفید ہے حصر کو مرادف ہے۔

آیت (۲) **ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه** (ال عمران) کے جو مقصود میں صریح سے بھی زیادہ ہے، اور آیت اوّل کے سلسلہ میں بہت ہی قریب **وقل للذین اوتوا الکتاب والامیین ءاسلمتم فان اسلموا فقد اهتدوا الخ** میں جس طرح اس کی تصریح ہے کہ اسلام ہی شرط ہے اہتداء کی، اسی طرح اس کی بھی تصریح ہے کہ اہل کتاب بھی مثل مشرکین عرب کے جس حالت میں تھے کہ شریعت محمدیہ کو قبول نہ کیا تھا، اپنے پہلے طریق یہودیت ونصرانیت پر تھے وہ اسلام نہیں ہے، پس

ان احکام میں اسلام بالمعنی الاعم کا احتمال محض منفی و باطل ہے، اور جب اسلام نہیں تو اس لئے اہتدا نہیں ہے، جو شرط نجات ہے، پس ثابت ہو گیا کہ دورۂ شریعت محمدیہ میں دوسری کسی شریعت پر عمل کرنے سے نجات نہ ہوگی۔ اور دوسری آیت سے بہت تھوڑے فاصلہ سے ارشاد ہے **ولا تموتن الا وانتم مسلمون**، پس اس میں بھی تصریح ہے، کہ جس اسلام کا اوپر ذکر ہے کہ اس کا غیر غیر مقبول ہے، اسی پر موت تک ثبات مامور بہ ہے، پھر اس کے بہت قریب امت محمدیہ کی خیریت اور بنا، خیریت امر و نہی وایمان بیان فرما کر ارشاد ہے **ولو امن اهل الكتاب لكان خير الهم**، جس میں تصریح ہے کہ نزول آیۃ کے وقت اہل کتاب اہل ایمان نہیں، وہ مومن جب ہوں گے جب اُمت محمدیہ میں داخل ہو جائیں، پس یہ سب اجزاء جدا جدا بھی اور مل کر مقصود میں اس قدر صاف ہیں کہ ان میں کسی تحریف کی ذرہ برابر گنجائش نہیں۔

(۳) كيف يهدى الله قومًا كفروا بعد ايمانهم وشهدوا ان الرسول حق وجاء هم البينات والله لايهدى القوم الظلمين، اولئک جزاء هم ان عليهم لعنة الله والملئكة والناس اجمعين خالدين فيها لايخفف عنهم العذاب ولاهم ينظرون. (آل عمران)

(۴) ومن يعص الله ورسوله ويتعد حدوده يدخله نارا خالدا فيها وله عذاب مهين. (نساء)

(۵) ان الذين كفروا باياتنا سوف نصليهم ناراً كلما نضجت جلودهم بدلناهم جلوداً غيرها ليذوقوا العذاب ان الله كان عزيزا حكيما. (نساء)

(۶) ان الذين يكفرون بالله ورسله ويريدون ان يفرقوا بين الله ورسله ويقولون نومن ببعض ونكفر ببعض ويريدون ان يتخذوا بين ذلک سبيلًا اولئک هم الكافرون حقا. (نساء)

(۷) ان الذین کفروا وظلموا لم یکن اللہ لیغفرلھم. (نساء)

اس لئے آئندہ ایسی آیات بدون کسی خاص مقتضی کے جس کی طرف کافی اشارہ بھی کردیا جائے گا نقل نہ کی جاویں گی، صرف دوسری آیات جن سے اہل باطن کے تمسک کرنے کا جواب دیا جائے گا منقول ہوں گی۔

الآیۃ الثامنہ

(اور بوجہ تناسب کے بعد کی چند آیات متقاربہ اس کے ساتھ جمع کر کے مجموعہ کی تفسیر اور مقصود کی تقریر یکجا کردی گئی) وکیف یحکمونک وعندھم التوراۃ فیھا حکم اللہ ثم یتولون من بعد ذلک وما اولئک بالمومنین (مائدہ)

شاید کسی جاہل کو شبہ ہوتا کہ اس میں اہل تورات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانے پر نکیر ہے اور اس سے اہل توراۃ کو اس وقت بھی قرآن پر عمل کرنے کے واجب نہ ہونے کا نتیجہ نکالے۔

الآیۃ التاسعۃ

انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی ونور. یحکم بھا النبیون الذین اسلموا للذین ھادوا والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب اللہ وکانوا علیہ شھداء فلا تخشوا الناس واخشون ولا تشترو بایاتی ثمنا قلیلا. ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون (مائدہ)

شاید اس سے کسی جاہل کو ویسا ہی مذکورہ شبہ ہو کہ اس میں توریت کے موافق انبیاء کے حکم کرنے کی بناء پر اہل توریت کو ترغیب دی ہے اس وقت بھی حکم بالتوراۃ کی اور اس کے خلاف پر وعید ہے۔

الآیۃ العاشرۃ والحادیۃ عشر

وقفینا علیٰ اٰثارھم بعیسی بن مریم مصدقالما بین یدیہ من

التوراة، واتيناه الانجيل فيه هدى ونورومصد قالما بين يديه من التوراة وهدى وموعظة للمتقين، وليحكم اهل الانجيل بما انزل الله فيه ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئک هم الفاسقون. (مائدہ)

اس سے بھی جاہل کو ویسا ہی وسوسہ ہوسکتا ہے کہ توریت کے بعد انجیل کا ذکر فرمانا شاید اس زمانہ میں بھی اس پر عمل کرنے کی ترغیب کے لئے ہو، اور وليحكم اهل الانجيل سے یہی مراد ہو۔

الآیۃ الثانیۃ عشر والثالثۃ عشر والرابعۃ عشر

وانزلنا اليک الكتاب بالحق مصدقالما بين يديه من الكتاب ومهيمنا عليه فاحكم بينهم بما انزل الله ولا تتبع اهواء هم عما جاء ک من الحق، لكل جعلنا منكم شرعة ومنهاجا، ولوشاء الله لجعلكم امة واحدة ولكن ليبلوكم فيما أتاكم فاستبقوا الخيرات الى الله مرجعكم جميعا فينبئكم بما كنتم فيه تختلفون، وان احكم بينهم بما انزل الله ولا تتبع اهواء هم واحذرهم ان يفتنوک عن بعض ما انزل الله اليک، فان تولوا فاعلم انما يريد الله ان يصيبهم ببعض ذنوبهم وان كثيرا من الناس لفاسقون، افحكم الجاهلية يبغون، ومن احسن من الله حكماً لقوم يوقنون (مائده)

ان آیتوں میں سے ایک خاص جزو یعنی لكل جعلنا منكم شرعة ومنها جا ولوشاء الله لجعلكم امة واحدة سے جاہل کو وسوسہ مذکورہ ہوسکتا ہے، کہ ہر جماعت کے لئے جدا جدا طریق تجویز فرمایا ہے شاید اس سے یہی مقصود ہو کہ سب کو اپنے اپنے طریق پر سب کو دین واحد اختیار کر کے امت واحدہ بن جانا ضروری نہیں۔

یہ سات آیتیں ہیں اب ان کی تفسیر لکھی جاتی ہے، اور تفسیر سے پہلے ایک تقریر ربط کی بطور تمہید کے مع اس کے ایک حاشیہ کے لکھی جاتی ہے۔

حاشیہ: و کیف یحکمونک پر بظاہر یہ شبہ ہوتا تھا کہ دین اسلام تو ناسخ ادیان ہے، اس کے آنے کے بعد توریت وانجیل وغیرہ سب منسوخ ہوچکی ہیں، پس اس بناء پر ان لوگوں نے یہ تحکیم کی یہ تو ان پر لازم ہی تھی، یعنی یہ کہ وہ آپ سے فیصلہ کراتے، پھر اس پر تعجب کیوں فرمایا گیا، لیکن تقریر ربط اور تفسیر سے (جو عنقریب مرقوم ہے) یہ شبہ بالکل زائل ہوگیا۔ (فالھم واشکر للمفسر نیان حاشیہ بیان القرآن ج۳، ص ۴۳ حاشیہ اخیرہ)

ربط: اوپر مذکور ہوا کہ آپ کے پاس ان کا کوئی مسئلہ یا فیصلہ لے کر آنا معرفت حق کی غرض سے نہیں، بلکہ کوئی آسان بات اپنے مطلب کے موافق تلاش کرنا مقصود ہے، آگے اس پر استدلال ہے صیغہ تعجب سے کہ ظاہر ہے کہ کسی شخص کا اپنی ایسی کتاب کو جس پر وہ ایمان رکھنے کا اقرار رکھتا ہو چھوڑ کر ایسے شخص کے پاس جس پر ایمان لانے سے ان کو انکار ہو کوئی مسئلہ وفیصلہ لانا نہایت عجیب اور بعید ہے، کہ کوئی شخص بے مطلب سچے دل سے ایسا نہیں کرسکتا، اس سے وہی بات ثابت ہوگئی، کہ تحقیق حق کے لئے نہیں آتے بلکہ اپنا مطلب نکالنے کو پھرتے ہیں، جس کا کھلا قرینہ مطلب نہ نکلنے کی صورت میں اس شخص کے فتوے پر عمل نہ کرنا ہے۔ (بیان القرآن ج۳، ص ۴۳)

اب تفسیر لکھی جاتی ہے۔

تقریر وتاکید مضمون سابق

اور (تعجب کی بات ہے کہ) وہ (دین کے معاملہ میں) آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس توراۃ (موجود) ہے، جس میں اللہ کا حکم (لکھا) ہے (جس کے ماننے کا ان کو دعویٰ ہے اول تو یہی بات بعید ہے) پھر (یہ تعجب اس سے اور پختہ ہوگیا کہ) اس (فیصلہ لانے) کے بعد (جب آپ کا فیصلہ سنتے ہیں تو اس فیصلہ سے بھی) ہٹ جاتے ہیں (یعنی اول تو اس حالت میں فیصلہ لانے ہی سے تعجب ہوتا تھا، لیکن اس احتمال سے رفع ہوسکتا تھا کہ شاید آپ کا حق پر ہونا ان پر واضح ہوگیا ہو اس لئے آگئے ہوں، لیکن جب اس فیصلہ کو نہ مانا تو وہ تعجب پھر تازہ ہوگیا کہ اب تو

وہ احتمال بھی نہ رہا، پھر کیا بات ہوگی، جس کے واسطے یہ فیصلہ لائے ہیں) اور (اسی سے ہر عاقل کو اندازہ ہو گیا کہ) یہ لوگ ہرگز اعتقاد والے نہیں (یہاں اعتقاد سے نہیں آئے اپنے مطلب کے واسطے آئے تھے، اور جب نہ ماننا عدم اعتقاد کی دلیل ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جیسے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کو اعتقاد نہیں، اسی طرح اپنی کتاب کے ساتھ بھی پورا اعتقاد نہیں، ورنہ اس کو چھوڑ کر کیوں آتے، غرض دونوں طرف سے گئے، کہ جس سے انکار ہے اس سے بھی اعتقاد نہیں اور جس سے دعویٰ اعتقاد ہے اس سے بھی نہیں)

(ف) حکم اللہ کی توضیح میں جو یہ کہا گیا کہ جس کے ماننے کا ان کو دعویٰ ہے، اس سے یہ شبہ جاتا رہا کہ توراۃ محرّف نہ ہوئی تھی، کیونکہ بنابران کے زعم کے یہ گفتگو ہے یا یہ کہ ان واقعات خاصہ مذکورہ کے احکام توراۃ میں محفوظ ہیں۔

ربط: اوپر بہت سی آیتوں میں یہود کی نسبت اور بعض آیتوں میں نصاریٰ کی نسبت ان کا احکام و مواثیق الٰہیہ کو چھوڑ دینا اور توڑ دینا اور اس کی مذمت مذکور ہے، آگے پورے رکوع میں ان احکام الٰہیہ کا ہر زمانہ میں واجب العمل رہنا اور اس کے ترک کا حرام اور مورد وعید ہونا جن کا ظہور کبھی توراۃ کے واسطے ہوا اور کبھی انجیل کے واسطہ سے ہوا اور اب قرآن مجید کے واسطہ سے بیان فرماتے ہیں جس سے ان ناقضین کی مذمت زیادہ ظاہر ہو، ونیز عمل بالتوراۃ والانجیل سبب ہو جاوے تصدیق رسالۃ محمدیہ کا، جو کہ دونوں میں مبشر بہ ہے۔ چنانچہ فلا تخشوا الناس میں اس کی تصریح بھی ہے، اور بعض قرأت وتفاسیر پر ولیحکم اھل الانجیل میں بھی یہ مضمون ہے، ونیز ذکر انجیل میں یہود پر تعریض ہے، کہ وہ اس کی تکذیب کرتے تھے، اور ذکر قرآن میں یہود ونصاریٰ دونوں پر تعریض ہے، کہ دونوں اس کی تکذیب کرتے تھے۔ اور ذکر توراۃ کے ضمن میں بعض احکام قصاص کے شاید اس لئے فرمادیئے ہوں کہ آیت سابقہ یایھا الرسول لایحزنک کا ایک سبب نزول واقعہ قصاص بھی تھا،

جس کو یہود نے ایک رسم مخترع سے بدل لیا تھا، اور گو رجم کو بھی بدلا تھا، لیکن شاید اس کی تخصیص ذکر میں اس لئے ہو کہ اس کے اخلال میں عباد پر ظلم ہوتا تھا، اور وہ اخلال فی الرجم سے جو کہ حق ہے اشد تھا۔ واللہ اعلم

ذکر وجوب عمل بتوریت در زمان او

انا انزلنا التوراة فیها هدیً ونورالی قوله فاولئک هم الکافرون. ہم نے (موسیٰ علیہ السلام پر) توریت نازل فرمائی تھی جس میں (عقائد صحیحہ کی بھی) ہدایت تھی، اور (احکام عملیہ کا بھی) وضوح تھا، انبیاء (بنی اسرائیل) جو کہ (باوجود لاکھوں آدمیوں کے مقتدا و مطاع ہونے کے) اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے، اس (توراۃ) کے موافق یہود کو حکم دیا کرتے تھے، اور (اسی طرح ان میں کے، اہل اللہ اور علماء بھی (اسی کے موافق کہ وہی اس وقت کی شریعت تھی حکم دیتے تھے) بوجہ اس کے کہ ان (اہل اللہ وعلماء) کو اس کتاب اللہ (پر عمل کرنے اور کرانے) کی نگہداشت کا حکم (حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے) دیا گیا تھا اور وہ اس کے (یعنی اس پر عمل کرنے کرانے کے) اقراری ہو گئے تھے (یعنی (چونکہ ان کو اس کا حکم ہوا تھا، اور انہوں نے اس حکم کو قبول کر لیا تھا اس لئے ہمیشہ اس کے پابند رہے۔

سو (اے اس زمانہ کے رُوساء وعلماء یہود جب ہمیشہ سے تمہارے سب مقتداء تورات کو مانتے آئے ہیں تو) تم بھی (تصدیق رسالت محمدیہ کے باب میں جس کا حکم توریت میں ہے) لوگوں سے (یہ) اندیشہ مت کرو (کہ ہم تصدیق کریں گے تو عام لوگوں کی نظر میں ہماری جاہ میں فرق آوے گا (اور صرف) مجھ سے ڈرو (کہ تصدیق نہ کرنے پر سزا دوں گا)) اور میرے احکام کے بدلہ میں (دنیا کی) متاع قلیل (جو کہ تم کو اپنے عوام سے وصول ہوتی ہے) مت لو (کہ یہی حب جاہ وحب مال تم کو باعث ہوتی ہیں تصدیق نہ کرنے پر) اور (یاد رکھو کہ) جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے (بلکہ غیر حکم شرعی کو قصداً حکم شرعی بتلا کر اس کے موافق حکم

کرے) سوایسے لوگ بالکل کافر ہیں (جیسا اے یہود تم کر رہے ہو، کہ عقائد میں بھی مثل عقیدۂ رسالت محمدیہ اور اعمال میں بھی جیسے حکم رجم وغیرہ اپنے مخترعات کو حکم الٰہی بتلا کر ضلال و اضلال میں مبتلا ہو رہے ہو)۔ (بیان القرآن، ج ۳، ص ۳۳ سے ص ۳۵، س ۱۰ تک)

ربط: اوپر توراۃ کا اپنے زمانہ میں حجت ہونا مذکور تھا، آگے انجیل کی یہی صفت مذکور ہے جیسا تمہید آیت انا انزلنا التوراۃ میں مفصل تقریر اس کی گزر چکی ہے۔

ذکر وجوب عمل بانجیل در زمان او

وقفینا علٰی اثارھم بعیسٰی بن مریم الی قوله فاولئک ھم الفاسقون اور ہم نے ان (نبیوں) کے پیچھے (جن کا ذکر یحکم بها النبیون میں آیا ہے) عیسٰی بن مریم (علیہ السلام) کو اس حالت میں (پیغمبر بنا کر) بھیجا کہ وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق فرماتے تھے (جو کہ لوازم رسالت سے ہے کہ تمام کتب الٰہیہ کی تصدیق کرے) اور ہم نے ان کو انجیل دی، جس میں (توریت ہی کی طرح عقائد صحیحہ کی بھی) ہدایت تھی اور (احکام عملیہ کا بھی) وضوح تھا اور وہ (انجیل) اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق (بھی) کرتی تھی (کہ یہ بھی لوازم کتاب الٰہی سے ہے) اور وہ سراسر ہدایت اور نصیحت تھی خدا سے ڈرنے والوں کے لئے، اور (ہم نے انجیل دے کر حکم کیا تھا کہ) انجیل والوں کو چاہئے کہ اللہ تعالٰی نے جو کچھ اس میں نازل فرمایا ہے، اس کے موافق حکم کیا کریں اور (اے اس زمانہ کے نصارٰی یاد رکھو کہ) جو شخص خدا تعالٰی کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے، (اور اس کے معنے اوپر گزر چکے ہیں) تو ایسے لوگ بالکل بے حکمی کرنے والے ہیں اور انجیل رسالت محمدیہ کی خبر دے رہی ہے، تم اس کے خلاف کیوں چل رہے ہو۔

ربط: اوپر توریت و انجیل کا اپنے اپنے دور میں واجب العمل ہونا بیان فرمایا تھا۔ آگے قرآن مجید کا اپنے دورہ میں جو کہ زمان نزول سے قیام قیامت تک ہے، واجب العمل ہونا بیان فرماتے ہیں، اور ان آیات کے ضمن میں اشارۃً ایک قصہ سے

بھی تعرض ہے جس کو ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے، کہ چند علماء ورؤسا یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر ملتمس ہوئے کہ ہماری قوم سے ہمارا کچھ مقدمہ ہے، اگر آپ ہمارے موافق فیصلہ فرمادیں تو ہم آپ کا اتباع اختیار کرلیں جس سے بقیہ یہود بھی متبع ہوجاویں گے، اور آپ نے صاف انکار کردیا، جس پر آپ کی تصویب کے لئے وان احکم نازل ہوا کذا فی الباب واخرج نحوہ کما فی الروح ابن ابی حاتم والبیھقی فی الدلائل.

ذکر وجوب عمل بالقرآن علی التابید

وانزلنا الیک الکتاب بالحق الی قولہ ومن احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون. اور (توراۃ وانجیل کے بعد) ہم نے یہ کتاب (مسمیٰ بالقرآن) آپ کے پاس بھیجی ہے جو خود بھی صدق (وراستی) کے ساتھ موصوف ہے اور اس سے پہلے جو (آسمانی) کتابیں (آچکی) ہیں (جیسے توراۃ وانجیل وزبور) ان کی بھی تصدیق کرتی ہے (کہ وہ نازل من اللہ ہیں) اور چونکہ وہ کتاب مسمی بہ قرآن قیامت تک محفوظ و معمول بہ ہے، اور اس میں ان کتب سماویہ کی تصدیق موجود ہے، اس لئے وہ (کتاب) ان کتابوں (کے صادق ہونے کے مضمون) کی ہمیشہ کے لئے محافظ ہے۔

کیونکہ قرآن میں ہمیشہ یہ محفوظ رہے گا کہ وہ کتب نازل من اللہ ہیں جب قرآن ایسی کتاب ہے، تو ان (اہل کتاب) کے باہمی معاملات میں (جب کہ آپ کے اجلاس میں پیش ہوں) اسی بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے، اور یہ جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے دور ہوکر ان کے (خلاف شرع) خواہشوں اور (فرمائشوں) پر (آئندہ بھی) عمل درآمد نہ کیجئے۔ (جیسا اب تک باجود ان کی درخواست والتماس کے آپ نے صاف انکار فرمادیا یعنی یہ آپ کی رائے نہایت ہی درست ہے، اسی پر ہمیشہ قائم رہئے اور اہل کتاب تم کو اس قرآن کے حق جاننے سے اور اسکے فیصلہ ماننے سے کیوں انکار ہے کیا دین جدید کا آنا کچھ تعجب کی بات ہے،

آخر) تم میں سے ہر ایک (امت) کے لئے (اس کے قبل) ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی (مثلاً یہود کی شریعت و طریقت توراۃ تھی اور نصاریٰ کی شریعت اور طریقت انجیل تھی، پھر اگر امت محمدیہ کے لئے شریعت و طریقت قرآن مقرر کیا گیا، جس کا حق ہونا بھی دلائل سے ثابت ہے، تو وجہ انکار کیا)۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کو (سب کا ایک ہی طریقہ پر رکھنا) منظور ہوتا تو (وہ اس پر بھی قدرت رکھتے تھے کہ) تم سب (یہود و نصاریٰ و اہل اسلام) کو (ایک ہی شریعت دے کر) ایک ہی امت میں کر دیتے (اور شرع جدید نہ آتا جس سے تم کو توحش ہوتا ہے) لیکن (اپنی حکمت سے) ایسا نہیں کیا (بلکہ ہر امت کو جدا جدا طریقہ دیا) تا کہ جو جو دین تم کو (ہر زمانہ میں نیا نیا) دیا ہے، اس میں تم سب کا (تمہارے اظہار طاعت کے لئے) امتحان فرمادیں (کیونکہ اکثر طبعی امر ہے کہ نئے طریقہ سے وحشت اور مخالفت کی طرف حرکت ہوتی ہے، لیکن جو شخص عقل صحیح و انصاف سے کام لیتا ہے تو اس کی ظہور حقیقت کے بعد اپنی طبیعت کو موافقت پر مجبور کر دیتا ہے، اور یہ ایک امتحان عظیم ہے بس اگر سب کی ایک ہی شریعت ہوتی تو اس شریعت کے ابتداء کے وقت جو لوگ ہوتے ان کا امتحان تو ہو جاتا لیکن دوسرے جو ان کے مقلد اور اس طریق سے مألوف ہوتے ان کا امتحان نہ ہوتا اور اب ہر امت کا امتحان ہو گیا کہ یہ امتحان کی ایک یہ صورت ہوتی ہے کہ انسان کو جس چیز سے روکا جاتا ہے خواہ معمول ہو یا متروک اس پر حرص ہوتی ہے اور یہ امتحان شرائع کے تعدد میں اقویٰ ہے کہ منسوخ سے روکا جاتا ہے اور شریعت کے اتحاد میں گو معاصی سے روکتے لیکن ان میں حقیقت کا تو شبہ نہیں ہوتا، اسلئے امتحان اس درجہ کا نہیں، ان دونوں امتحانوں کا مجموعہ ہر امت کے سلف اور خلف سب کو عام ہو گیا، جیسا کہ صورت اولیٰ کو صرف سلف سے خصوصیت ہے۔

پس جب شرع جدید میں یہ حکمت ہے تو (تعصب کو چھوڑ کر) مفید باتوں کی طرف (یعنی ان عقائد و اعمال و احکام کی طرف جن پر قرآن مشتمل ہے) دوڑو (یعنی

قرآن پر ایمان لاکر اس پر چلو، ایک روز) تم سب کو خدا ہی کے پاس جانا ہے، پھر وہ تم سب کو جتلاوے گا جس میں تم (باوجود وضوح حق کے دنیا میں خواہ مخواہ) اختلاف کیا کرتے تھے، (اس لئے اس اختلاف بے جا کو چھوڑ کر حق کو جو کہ اب منحصر ہے قرآن میں قبول کرلو) اور چونکہ ان اہل کتاب نے ایسی بلند پردازی کی کہ آپ سے (درخواست اپنے موافق مقدمہ طے کردینے کی کرتے ہیں، جہاں کہ اس کا احتمال ہی نہیں اس لئے ان کے حوصلے پست کرنے کو اور اسکو سنا کر ہمیشہ ہمیشہ ان کے ناامید کردینے کو) ہم (مکرر) حکم دیتے ہیں کہ آپ ان (اہل کتاب) کے باہمی معاملات میں (جب کہ آپ کے اجلاس مین پیش ہوں) اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی (خلاف شرع) خواہشوں (اور فرمائشوں پر (آئندہ بھی) عمل درآمد نہ کیجئے (جیسا اب تک بھی نہیں کیا) اور ان سے (یعنی ان کی اس بات سے آئندہ بھی مثل سابق) احتیاط رکھئے کہ وہ آپ کو خداتعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے بھی بچلاویں، (یعنی گو اسکا احتمال نہیں لیکن اس کا قصد بھی رہے تو موجب ثواب بھی ہے) پھر باوجود وضوح قرآن اور اس کے فیصلہ کے حق ہونے کے بھی) اگر یہ لوگ (قرآن سے اور آپ کے فیصلہ سے جو موافق قرآن کے ہوگا)۔

اعراض کریں تو یہ یقین کرلیجئے کہ بس خدا ہی کو منظور ہے کہ ان کے بعضے جرموں پر (دنیا ہی میں) ان کو سزا دے دیں (اور وہ بعضا جرم فیصلہ کو نہ ماننا ہے اور حقانیت قرآن کے نہ ماننے کی سزا پوری آخرت میں ملے گی، کیونکہ پہلا جرم ذمی ہونے کے خلاف ہے اور دوسرا جرم ایمان کے خلاف ہے، حربیت کی سزا دنیا ہی میں ہوتی ہے اور کفر کی سزا آخرت میں، چنانچہ یہود کی سرکشی اور عہد شکنی جب حد تسامح سے متجاوز ہوئی تو ان کو سزائے قتل اور قید اور اخراج وطن کی دی گئی) اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہ حالات سن کر آپ کو رنج ضرور ہوگا، لیکن آپ زیادہ غم نہ کیجئے، کیوں کہ) زیادہ آدمی تو (دنیا میں ہمیشہ سے) بے حکم ہی ہوتے (آئے) ہیں، یہ

لوگ (فیصلہ قرآنی سے جو کہ عین عدل ہے اعراض کر کے) پھر کیا زمانہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں جس کو انہوں نے برخلاف شرائع سماویہ کے خود مخترع کر لیا تھا، جس کا ذکر دو واقعوں کے ضمن میں اس رکوع سے پہلے رکوع آیۃ یایھا الرسول لایحزنک کی تمہید میں گزر چکا ہے، حالانکہ وہ سراسر عدل اور دلیل کے خلاف ہے۔

یعنی اہل علم ہو کر علم سے اعراض کرنا اور جہل کا طالب ہونا عجب در عجب ہے) اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے کون اچھا (فیصلہ کرنے والا) ہوگا (بلکہ کوئی مساوی بھی نہیں) پس خدائی فیصلہ کو چھوڑ کر دوسرے کے فیصلہ کا طالب ہونا عین جہل نہیں تو کیا ہے لیکن یہ بات بھی) یقین (وایمان) رکھنے والوں (ہی) کے نزدیک رہے۔ کیونکہ اس کا سمجھنا موقوف ہے قوت عقلیہ کی صحت پر، اور وہ کفار اس سے بے نصیب ہیں)

(ف) اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہاں سے مفہوم ہوتا ہے کہ ہر امت کا طریقۂ دین جدا ہے اور دوسری آیات سے واحد ہونا معلوم ہوتا ہے، جیسے سورۂ شوریٰ میں ہے شرع لکم من الدین الخ جواب یہ ہے کہ جدا باعتبار فروع واعمال کے ہے اور واحد ہونا باعتبار اصول وعقائد کے۔ (بیان القرآن صفحہ ۳۶ سے صفحہ ۳۹ تک جلد ۳)

توضیح

مجموعی تقریر سے شبہات باطلہ کا زوال واضمحلال باصرح وجوہ معلوم ہوگیا، بالخصوص جب اخیرہ کی دو آیتوں میں اور ان کی تقریر میں غور کیا جاوے، یعنی ان احکم بینھم سے یوقنون تک جن میں قرآن کے موافق فیصلہ کی تاکید اور قرآن کے خلاف فیصلہ چاہنے پر وعید مصرح ہے۔

اور بعض آیات انہی آیات مذکورہ کے متقارب المعنی جن میں توریت وانجیل اور قرآن سب پر عمل کرنے کے متعلق مضمون ہے، اس رکوع سے تیسرے چوتھے رکوع میں آئی ہیں، جس سے کسی جاہل کو وسوسہ ہو سکتا ہے کہ ان سب کتابوں پر عمل کرنے والے ناجی ہیں، اس لئے ان کا مختصراً حاصل بھی نقل کئے دیتا ہوں۔

ایک آیت یہ ہے: **ولو انهم اقاموا التوراة والانجيل وما انزل اليهم من ربهم لاكلوا من فوقهم ومن تحت ارجلهم.**

دوسری آیت یہ ہے: **قل يا اهل الكتاب لستم علىٰ شىء حتى تقيموا التوراة والانجيل وما انزل اليكم من ربكم،**

سوال دونوں کا حاصل یہ ہے کہ اہل کتاب کو جو کہ توریت وانجیل کی تصدیق اور قرآن کی تکذیب کرتے تھے خطاب ہے کہ ان سب کتابوں کی پابندی کی اسی طرح ضرورت ہے کہ ان میں جس جس کتاب پر عمل کرنے کو لکھا ہے سب پر عمل کرو جس میں تصدیق رسالت بھی آ گئی، اوراس سے احکام محرفہ ومنسوخہ خارج ہیں، کیونکہ ان کتب کا مجموعہ ان پر عمل کرنے کو نہیں بتلاتا بلکہ منع کرتا ہے تو آیت بالا اوران آیتوں میں سب میں توریت وانجیل پر عمل کرنے کی حقیقت یہ بتلائی گئی کہ قرآن کی بھی تصدیق کریں اور اس پر عمل بھی کریں، بدون اس کے ان پر عمل کرنے کو کہاں کافی فرمایا گیا۔

بعض الاخبار

روى ابن جرير عن السدى ولو انهم اقاموا التوراة الآية، يقول لو عملوا بما انزل اليهم مما جاء هم به محمد صلى الله عليه وسلم وعن مجا هدولوانهم اقاموا التوراة الخ اما اقامتهم التوراة فالعمل بها واما ما انزل اليهم من ربهم فبمحمد صلى الله عليه وسلم وما انزل اليه قال ابن جرير فان قال قائل وكيف يقيمونَ التوراة والانجيل وما انزل الى محمد صلى الله عليه وسلم مع اختلاف هذه الكتب ونسخ بعضها بعضا قيل (اى فى الجواب) انها وان كانت كذلك فى بعض احكامها وشرائعها فهى متفقة فى الايمان برسل الله التصديق، بما جاء ت به من عندالله فمعنى اقامتهم التوراة وما انزل الى محمد صلى الله عليه وسلم تصديقهم بما فيها والعمل بما هى متفقة فيه وكل

واحد منها فی الخبر الذی فرض العمل به،

اسی طرح بعض آیات میں توریت وانجیل پر عمل کرنے والوں یعنی اہل کتاب کی مدح آئی ہے، شاید اس سے کسی کو مذکورہ وسوسہ ہو، سواکثر آیات تو ان اہل کتاب کے حق میں ہیں جو مسلمان ہوگئے تھے، اگر کسی آیت میں اس قید سے قطع نظر کرلی جاوے تو اس میں محض بعض اعمال کی مدح مقصود ہے، ان کے موجب نجات ہونے کی کوئی دلیل نہیں، مثلاً آیت بالا ولو انهم اقاموا التوراة والانجيل الخ کے اخیر میں ارشاد ہے منهم امة مقتصدة یہ اسلام لانے والوں کے حق میں ہے۔

چنانچہ سورۂ آل عمران میں من اهل الكتاب امة قائمة کے بعد جو ان کے اوصاف بیان فرمارہے ہیں يتلون آيات الله سے من الصالحين تک وہ بمنزلہ تفسیر کے ہے، مقتصدة اور قائمة کی۔

اسی طرح سورۂ بقرہ میں الذين آتينا هم الكتاب يتلونه حق تلاوته میں اسی کے ساتھ اولئك يومنون به اس کی تفسیر مذکور ہے، اور مثلاً آل عمران میں ہے ومن اهل كتاب من ان تامنه بقنطار يؤده اليك، اگر ان روایات سے بھی قطع نظر کرلی جاوے جن میں اس آیت کا نزول خاص ان اہل کتاب کے باب میں مذکور ہے جو ایمان لے آئے تھے۔

جیسا معالم میں بروایت ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے تب بھی یہ مدح باعتبار قبول عنداللہ کے نہیں، بلکہ بناء برانصاف و بے تعصبی کے ہے کہ مخالف کے ہنر کی بھی بقدر واقعی داد دی جاتی ہے، بس اس اصل کلی پر ایسی سب آیتوں کا محمل متعین ہوگیا، اور وسوسہ مذکورہ محض مضمحل وزائل ہوگیا، خوب سمجھ لو۔

بعض الاخبار

روى ابن جرير بسنده عن مجاهد منهم امة مقتصدة وهم مسلمة اهل الكتاب وعن السدى منهم امة مقتصدة يقول مومنة.

الآية الخامسة عشر مع مايليها

یہ کئی آیتیں متقارب اور متناسق ہونے کی وجہ سے بحکم آیت واحدہ قرار دی گئیں، لتجدن اشد الناس عداوة للذين امنوا اليهود والذين اشركوا، ولتجدن اقربهم مودة للذين امنوا الذين قالوا انانصارٰی ذلک بان منهم قسيسين ورهبانا وانهم لايستكبرون واذا سمعوا ماانزل الى الرسول ترٰى اعينهم تفيض من الدمع مما عرفوا من الحق يقولون ربنا امنا فاكتبنا مع الشاهدين ومالنا لانؤمن بالله وماجاء نامن الحق ونطمع ان يدخلنا ربنا مع القوم الصالحين، فاثابهم الله بما قالوا جنٰت تجرى من تحتها الانهٰر خالدين فيها وذلک جزاء المحسنين، والذين كفروا وكذبوا بآياتنا اولئک اصحٰب الجحيم (مائدہ)

(غیر مومنین میں) تمام آدمیوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے آپ ان یہود اور مشرکین کو پاویں گے اور ان (غیر مومنین آدمیوں) میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے قریب تر (بہ نسبت اوروں کے) ان لوگوں کو پائیے گا جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں، (قریب تر کا یہ مطلب کہ دوست تو وہ بھی نہیں مگر دوسرے مذکورین سے غنیمت ہیں) یہ (دوستی) سے قریب تر ہونا اور عداوت میں کم ہونا) اس سبب سے ہے کہ ان (نصاریٰ) میں بہت سے علم دوست عالم ہیں، اور بہت سے تارک دنیا درویش ہیں (اور جب کسی قوم میں ایسے لوگ بکثرت ہوتے ہیں تو عوام میں بھی حق کے ساتھ زیادہ عناد نہیں رہتا، اگرچہ خواص وعوام حق کو قبول بھی نہ کریں) اور اس سبب سے ہے کہ یہ (نصاریٰ) لوگ متکبر نہیں ہیں (قسیسین ورہبان سے جلدی متاثر ہو جاتے ہیں، اور نیز تواضع کا خاصہ ہے امر حق کے سامنے نرم ہو جانا اس لئے ان کو عداوت زیادہ نہیں، پس وجود قسیسین ورہبان اشارہ ہے علت فاعلہ کی طرف اور عدم استکبار قابلیت کی طرف بخلاف

یہود و مشرکین کے کہ محبّ دنیا اور متکبر ہیں، اور گو یہود میں بھی بعض علماء حقانی تھے، جو مسلمان ہو گئے تھے، لیکن بوجہ ان کی قلت کے عوام میں اثر نہیں پہنچا، اس لئے ان میں عناد ہے جو سبب ہو جاتا ہے شدت عداوت کا اسی لئے یہود تو مومن ہی کم ہوئے، اور مشرکین میں سے جب عناد نکل گیا تب مومن ہونا شروع ہوئے)

(ف) آیت کی تفسیر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ تمام ازمنہ وامکنہ کے نصاریٰ کے باب میں نہیں ہے اور اس پر بعض دلائل اور بعض قرائن ہیں۔

دلیل اوّل: اس قرب مؤدت کا سبب ایک یہ فرمایا کہ ان میں سے ایسے ایسے اوصاف کے عالم اور درویش ہیں، اور ہم اس سبب کو عام نہیں پاتے۔

دلیل دوم: اسکا دوسرا سبب یہ فرمایا کہ ان میں تکبر نہیں، ہم اس کو بھی عام نہیں پاتے۔

دلیل سوم: یہاں قرب مودت للمومنین کی خبر دی ہے، خود اس کا وقوع بھی عام نہیں پایا جاتا اور صدق لوازم کلام الٰہی سے ہے معلوم ہوا کہ جو نصاریٰ ان اوصاف سے جو کہ سبب اور مسبب میں مذکور ہیں موصوف ہوں وہی مراد ہیں۔ پس بعض اہل تعلق کا دنیوی غرض سے اس میں عموم مطلق کا دعویٰ کرنا محض ہوا پرستی ہے۔

قرینہ اوّل: سبب نزول خاص ہے جیسا تمہید میں مذکور ہوا (یعنی اصل تفسیر میں)۔ قالوا ماضی کا صیغہ ہے، پس جو لوگ انا نصاریٰ کہنے والے (بعد میں) پائے جاویں۔ وہ آیت میں مذکور و داخل نہیں بلکہ وہ مسکوت عنہ ہیں، دوسرے دلائل سے ان کا حکم ڈھونڈا جائے گا، ان خیرا فخیر وان شراً فشر۔

قرینہ ثالث: لتجدن میں اصل یہی ہے کہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو، پس دوسرے انصار کو شامل نہیں، اب ہم کو جواب میں اس کے قائل ہونے کی ضرورت نہیں رہی کہ آیت کو خاص نو مسلم نصاریٰ کے ساتھ مخصوص کہا جاوے، گو بہت مفسرین اس کے قائل ہیں، اور دو شاہد اس کی تائید بھی کرتے ہیں۔

شاہد اوّل سبب نزول، شاہد دوم: واذا سمعوا کا یقیناً خاص اسلام

لانے والوں کی شان میں ہونا اور اس میں ضمیر کا ماقبل کی طرف راجع ہونا اور راجع اور مرجع کا متحد ہونا لیکن ظاہراً قرائن سے اتنا خصوص بھی معلوم نہیں ہوتا اور صاحب روح المعانی نے بھی خصوص نہیں لیا۔

قرینہ اوّل

ان کو مودت میں اقرب فرمایا ہے اور جو مسلمان ہو گئے تھے وہ تو قرب مودت سے متجاوز ہو کر خود مودت بلکہ شدت مودت کے ساتھ موصوف ہو گئے تھے۔

قرینہ دوم

ان نومسلموں کی دوستی کی اصل علت ایمان ہے نہ کہ اخلاق، ترک دنیا وحب علم وتواضع، پھر ترک دنیا کو عنوان رہبانیت سے تعبیر فرمایا، جو کہ شریعت محمدیہ میں غیر محمود ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم بقاء نصرانیت ہی کی حالت میں فرمایا گیا ہے پس آیت میں نہ مطلقاً عموم ہے اور نہ مطلقاً خصوص اور شانِ نزول عموم من وجہ کو مضر نہیں، کیونکہ ایک جزو اس کا یعنی ذلک بان منھم الخ باعتبار حالت نصرانیت کے ہوسکتا ہے، اور دوسرا جزو یعنی واذاسمعوا الخ باعتبار حالت اسلام کے اور واذاسمعوا کی ضمیر ماقبل کی طرف باعتبار بعض کے راجع ہوسکتی ہے جیسا کہ کبیر میں ہے بس اس سے شاہدین مذکورین کا جواب ہو گیا۔ اور یہاں سے مفسرین نے دو فائدے لکھے ہیں۔

فائدہ اوّل

اَخلاق حمیدہ کسی قوم میں ہوں حمیدہ ہیں۔ فائدہ دوم۔ نصاریٰ کا کفر ذات وصفات میں ہے کہ تثلیث کے قائل ہیں، اور اکثر یہود کا نبوت کے ساتھ صرف بعض نے البتہ عزیر علیہ السلام کو بھی ابن اللہ کہا تھا، اور پہلا کفر اشد ہے، دوسرے کفر سے، لیکن اخلاق کے تفاوت سے ثانی پر زیادہ ملامت کی گئی، یہاں سے فرق مبتدعہ اہل اسلام میں اس تفاوت کا حال سمجھنا چاہئے اور یہاں دو تنبیہ ہیں۔

تنبیہ اوّل

یہاں کفار نصاریٰ کی مدح نہیں، بلکہ انصاف ہے اور اخلاق کی فی نفسہا مدح۔

تنبیہ دوم

اخلاق میں رہبانیت کی مدح باعتبار اس کی جمیع خصوصیت کے نہیں بلکہ صرف اس کے ایک جزو یعنی ترک حب دنیا کے اعتبار سے ہے اور احقر نے جو آیت کی تقریر ربط میں (یعنی اصل تفسیر میں) لفظ عدل وانصاف اور اقرب کے ترجمہ میں لفظ نسبت ظاہر کر دیا ہے اس سے دو امر رفع اشکال حاصل ہو گئے۔ امر اول مقصود آیت میں مدح نصاریٰ کی نہیں بلکہ تقریر میں انصاف ہے جیسا ابھی تنبیہ اوّل میں ذکر کیا گیا۔ امر دوم مقصود آیت میں مودت کا قرب کامل نہیں، بلکہ قرب اضافی ہے، اور یہاں دو نکتے دو تحقیقوں کو مقید ہیں نکتہ اوّل الذین اشرکوا کو ماضی لائے اس سے یہ فائدہ ہے کہ تمام ازمنہ وامکنہ کے مشرکین پر یہ حکم جاری ہونا ضروری نہیں۔ نکتہ دوم، الذین قالوا کو ماضی لائے قرینہ ثانیہ میں اس کا بھی یہی فائدہ گزر چکا۔

پس اگر کسی جگہ پرانے طرز کے ہندو بہ نسبت متعصب عیسائیوں کے مسلمانوں سے زیادہ الفت رکھنے والے پائے جاویں تو قرآن اس کی نفی نہیں کرتا، اور یہود اول تو اب تک الفت کرنے والے سنے نہیں گئے۔

لیکن اگر کہیں پائے جاویں تو الیھود میں الف لام عہد کا ہو سکتا ہے، چنانچہ ترجمہ میں لفظ ان اس طرف مشیر ہے اور یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ کسی قوم پر کوئی حکم باعتبار اکثر کے ہوتا ہے، معدودے چند کا اس حکم سے خارج ہونا موجب تخلف حکم نہیں، اور دو تحقیقیں قرب مودت کے متعلق اور ہیں۔

تحقیق اوّل: یہ حکم مذکور قرب مودت کا نصاریٰ کے حق میں ہے، اور جو قوم واقع میں نصاریٰ نہ ہو گو عام لوگ بعض اوضاع ومشابہت کی وجہ سے ان کو نصاریٰ کہتے ہیں، آیت میں ان کے لئے یہ حکم مذکور نہیں۔

تحقیق دوم: یہاں نصاریٰ کے لئے مسلمانوں سے قرب مودت کی خبر دی ہے، یہ نہیں کہ مسلمانوں کے لئے نصاریٰ سے مودت کی اجازت دی ہو۔

وقد تم ههنا بحمدالله تعالى تفسير هذه الأية مع فوائد تتعلق بها تبلغ عشرين باجمع تقرير وامنعه واحسن بيان واتقن لبين وسميته بخير المودة في تفسير اية المودة.

ربط: اوپر نصاریٰ کے ایک خاص صفات کی جماعت کا ذکر تھا، آگے ان کا ذکر ہے جو ان میں مسلمان ہو گئے تھے۔

مدح نومسلمان نصاریٰ

واذاسمعوا ما انزل الى الرسول ترى اعينهم تفيض من الدمع الى قوله اصحاب الجحيم اور بعضے ان میں جو کہ آخر میں مسلمان ہو گئے تھے ایسے ہیں کہ جب وہ اس (کلام) کو سنتے ہیں جو کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف بھیجا گیا ہے (یعنی قرآن) تو آپ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے حق یعنی اسلام کو پہچان لیا (مطلب یہ کہ حق کو سن کر متاثر ہوتے ہیں اور) یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم مسلمان ہو گئے ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لیجئے (یعنی ان میں شمار کر لیجئے) جو (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے حق ہونے کی) تصدیق کرتے ہیں اور ہمارے پاس کونسا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر (حسب تعلیم شریعت محمدیہ) اور جو (دین) حق ہم کو (اب) پہنچا ہے اسپر ایمان نہ لاویں، اور (پھر) اس بات کی امید (بھی) رکھیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک (مقبول) لوگوں کی معیت میں داخل کر دے گا (بلکہ یہ امید موقوف اسلام پر ہے۔ اس لئے مسلمان ہونا ضرور ہے) سوان (لوگوں) کو اللہ تعالیٰ ان کے (اس) قول (مع الاعتقاد) کی پاداش میں ایسے باغ (بہشت کے) دیں گے، جن کے (محلات کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی، (اور) یہ ان میں ہمیشہ کو رہیں گے،

اور نیکوکاروں کی یہی پاداش ہے، اور (برخلاف ان کے) جو لوگ کافر رہے اور ہماری آیات (واحکام) کو جھوٹا کہتے رہے وہ لوگ دوزخ (میں رہنے) والے ہیں۔

توضیح

شاید اس سے کوئی تمسک کرتا کہ اگر نصاریٰ حق پر نہ ہوتے تو واذاسمعوا میں ان کی مدح کیوں کی جاتی، معلوم ہوا کہ حق اسلام میں منحصر نہیں، تفسیر مذکور سے اس کا جواب صاف ہوگیا، کہ یہ مطلق نصاریٰ کے باب میں نہیں، بلکہ ان میں جو مسلمان ہوگئے تھے (چنانچہ خود قرآن مجید کے الفاظ بتلا رہے ہیں، اور اسکے قبل جو بعض ملکات واخلاق کا ذکر ہے وہ انصاف ہے حکم نجات نہیں، اور اخیر کی آیت میں تو تصریح ہے کہ جو کافر اور مکذب ہو گو نصرانی ہی ہو، کما ہو مدلول العموم وہ دوزخی ہے اور کافر اور مکذب کا خلود فی النار دوسری آیات میں مصرح ہے تو ایسے نصرانی کا غیر ناجی ہونا ثابت ہوگیا۔

بعض الاخبار

روی ابن جریر عن ابن جریج قال قال عطاء فی قوله ولتجدن اقربهم مودة الأیة هم ناس من الحبشة امنوا اذا جاء تهم مهاجرة المؤمنین وعن قتادة قوله ولتجدن الأیة اناس من اهل الکتاب کانوا علیٰ شریعة من الحق مما جاء به عیسیٰ یومنون وینتهون الیه فلما بعث الله نبیه محمدا صلی الله علیه وسلم صدقوابه وامنوا به الخ وفی الباب اثار کثیرة تتفق فی هذا المعنی.

الآیة السادسة عشر

ولکل امة جعلنا منسکا لیذکروا اسم الله علی مارزقهم من بهیمة الانعام فالهکم اله واحد فله اسلموا وبشر المخبتین (سورہ حج)

(اور اوپر جو قربانی کا حرم میں ذبح کرنے کا حکم ہے، اس سے کوئی یوں نہ سمجھے کہ اصلی تعظیم حرم کی ہے، بلکہ اصل مقصود اللہ ہی کی تعظیم اور اس کے ساتھ تقرب ہے، اور

مذبوح اور مذبح اس کا ایک آلہ اور ذریعہ ہے، اور تخصیص بعض حکمتوں کی وجہ سے ہے، اور اگر یہ تخصیصات مقصود اصلی ہوتیں تو کسی شریعت میں نہ بدلتیں، مگر اسکا بدلتا رہنا ظاہر ہے، البتہ تقرب الی اللہ جو اصل مقصود تھا وہ سب شرائع میں محفوظ رہا چنانچہ) ہم نے (جتنے اہل شرائع گزرے ہیں ان میں سے ہر امت کے لئے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمایا تھا (پس اصل مقصود یہ نام لینا تھا) سو (اس سے یہ بات نکل آئی کہ) تمہارا معبود حقیقی) ایک ہی خدا ہے (جس کے ساتھ اس کا ذکر کر کے سب کو تقرب کا حکم ہوتا رہا) تو تم ہمہ تن اسی کے ہو کر رہو، (یعنی موحد خالص رہو کسی مکان وغیرہ کو معظم بالذات سمجھنے سے ذرہ برابر شرک کا شائبہ اپنے عمل میں نہ ہونے دو) اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ ہماری اس تعلیم پر عمل کریں) آپ (ایسے احکام الٰہیہ کے سامنے) گردن جھکا دینے والوں کو (جنت وغیرہ کی) خوش خبری سنا دیجئے۔ (بیان القرآن صفحہ ۱۷۳۷ جلد ۷)

توضیح

شاید کوئی شخص منسک کے معنی مطلق عبادت کے لے کر اپنے دعویٰ باطل پر استدلال کرتا اس کا جواب تو ترجمہ ہی سے ہوگیا، دوسرے ان مناسک کی بقاء مشروعیت تو اس سے لازم نہیں آتی جبکہ ان کا منسوخ ہونا ثابت ہوگیا، ایک ایسی ہی آیت اس سے کچھ بعد ہے، جو لفظ مستقیم پر ختم ہوتی ہے وہاں بھی یہی کلام ہے۔

الآیۃ السابعۃ عشر

اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم لقدیر الذین اخرجوا من دیارهم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا الله ولولادفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبیع وصلوات ومسجد یذکر فیها اسم الله کثیرا، ولینصرن الله من ینصره ان الله لقوی عزیز (سورہ حج)

اس مقام پر اس آیت کا ایک خاص جزو مقصود بالذکر ہے، یعنی ولولا دفع

اللہ الیٰ قولہ تعالیٰ یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ (ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دوسرے (کے ہاتھ) سے زور نہ گھٹواتا رہتا، (یعنی اہل حق کو اہل باطل پر وقتاً فوقتاً غالب نہ کرتا (رہتا) تو (اپنے زمانوں میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور (یہود کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم (اور معدوم) ہوتے۔

ف: اور لھدمت صوامع الخ سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہ سب معبدات اب بھی حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہیں اصل یہ ہے کہ اپنے اپنے زمانہ مشروعیت ومقصودیت ملت میں ان کی مظلومیت مقصود ہے جیسا ترجمہ سے ظاہر ہے۔ (بیان القرآن جلد ۷ صفحہ ۷۴، ۷۵)

توضیح

شبہ اور حل دونوں تفسیر کے ذیل میں مذکور ہیں، تائید کے لئے نیسا پوری کا قول منقول ہے: لولا دفع اللہ لھدم فی شرع کل بنی المکان المعھود لھم فھدم فی زمن موسیٰ علیہ السلام الکنائس وفی زمن عیسیٰ الصوامع والبیع وفی زمن محمد صلی اللہ علیہ وسلم المساجد وعلی ھذا الوجہ انما دفع عنھم حین کانوا علی الحق قبل التحریف والنسخ

الآیۃ الثامنۃ عشر والتاسعۃ عشر

شرع لکم من الدین ماوصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ و عیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (شوریٰ) قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لانعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون. (سورۃ آل عمران)

دوسری آیت گو ترتیب قرآنی میں مقدم ہے، مگر تناسب کے سبب پہلی آیت کے ساتھ ذہن میں آئی اس لئے اس کے ساتھ نقل کی گئی۔

تفسیر آیت اولیٰ

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا، اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے، اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو (مع ان سب کے اتباع کے) حکم دیا تھا (اور ان کی (اُمم کو یہ کہا تھا) کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا (مراد اس دین سے اس اُصول دین ہیں جو مشترک ہیں تمام شرائع میں مثل توحید و رسالت و بعث و نحوہ اور قائم رکھنا یہ کہ اس کو تبدیل مت کرنا اس کو ترک مت کرنا اور تفرق یہ کہ کسی بات پر ایمان لاویں کسی پر نہ لاویں، یا کوئی ایمان لاوے اور کوئی نہ لاوے۔ (بیان القرآن ص ۶۷، ج ۱۰)

تفسیر آیت ثانیہ

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان (مسلم ہونے میں) برابر ہے، (وہ یہ (ہے) کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے۔

خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر پھر اگر (اس کے بعد بھی) وہ لوگ (حق سے اعراض کریں تو تم (مسلمان) لوگ کہہ دو کہ تم (ہمارے) اس (اقرار) کے گواہ رہو کہ ہم تو (اس بات کے) ماننے والے ہیں، (اگر تم نہ مانو تو تم جانو)۔

(**ف**) اس مضمون کو مسلم اس لئے کہا گیا کہ سب شرائع میں اس کی تعلیم ہوئی ہے اور اصلاً و کلیاً اہل کتاب بھی اس کو مانتے ہیں کہ توحید فرض ہے اور شرک کفر ہے، اور کسی مخلوق کو رب قرار دینا شرک ہے لیکن باوجود اس کے وہ لوگ شرک میں اس لئے مبتلا تھے کہ وہ اس کو شرک اور خلاف توحید نہ سمجھتے تھے۔

پس اس تقریر میں لطف یہ ہوا کہ ان کو کلیات مسلمہ یاد دلانے کے بعد جزئیات مختلف فیہا کا ان کلیات میں داخل ہونے کا اثبات سہل رہ گیا۔

توضیح

شاید کسی کو ایسی آیتوں سے شبہ ہوا کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شرائع اصول میں سب متحد ہیں اور وہی اصول مقصود ہیں پس فروع میں اختلاف کچھ مضر نہیں، اہل باطل نے اُصول وفروع کے اسی تفاوت کو مختلف عنوان سے ذکر کیا ہے، لیکن ان آیتوں میں اس مقصود کا کہیں پتہ بھی نہیں، مقصود تو مخاطبین سے محاجہ ہے کہ تم ایسے اصول کے بھی خلاف کر رہے ہو جو اشتراک شرائع کے سبب واجب التسلیم ہیں، (جو آیت اولیٰ کا حاصل ہے) جو تمہارے نزدیک بھی مسلّم ہے (جو حاصل ہے دوسری آیت کا) اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فروع اپنے درجہ میں بھی مقصود نہیں یا شریعت موخرہ سے شریعت سابقہ کے فروع منسوخ نہیں ہو سکے، البتہ مقصودیت کے درجات ہیں، نفس نجات کے لئے تو تصدیق وتسلیم کا درجہ اور نجات اولیہ کے لئے مع انضمام عمل، پھر اصول کے ذکر کرنے کا نکتہ تسہیل ہے فروع کی طرف لانے میں جیسا دوسری آیت میں اس طرف اشارہ بھی ہے فی قولہ اس تقریر میں لطف یہ ہوا الخ پس جب فروع میں مقصودیت بھی ہے اور ان میں نسخ بھی ہوتا ہے، پھر آیتوں کو اس مدعائے باطل سے کیا تعلق ہوا۔

بعض الاخبار

روی ابن جریر عن الربیع قال ذکر لنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا الیھود الی کلمۃ سواء وعن السدی قال ثم دعاھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی الوفد من نصاریٰ نجران.

الآیۃ العشرون

ان الذین کفروا من اھل الکتٰب والمشرکین فی نار جھنم خالدین فیھا اولئک ھم شر البریۃ (سورۃ بینہ)

بیشک جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہوئے وہ آتش دوزخ میں

جاویں گے، جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔
(بیان القرآن، ص ۱۳، ج ۱۲)

توضیح

ان اہل باطل میں سے بعض کے ساتھ میری گفتگو ہوئی وہ عام مذاہب والوں کو تو ناجی نہ کہتے تھے، لیکن اہل کتاب کو ناجی کہتے تھے اس آیت میں تصریح ہے ان کے بھی غیر ناجی ہونے کی۔

عرض مؤلف

میں خطبہ میں تصریح کر چکا ہوں کہ آیات کا استیعاب مقصود نہیں صرف ایک معتدبہ حصہ جمع کرنا مقصود ہے سو بحمد اللہ یہ مقصود حاصل ہوگیا، اس لئے اب اس عجالہ کو ختم کرتا ہوں، اور اس کے نافع ومقبول ہونے کی دعاء کرتا ہوں۔

وقد فرغت منها بفضل الله الكبير المتعال، فی مدة ثلاث ليال، من اٰخر شوال ۱۳۵۸ من حجرة سيد الرسل واكمل اهل الكمال صلے الله عليه وعلٰى اٰله واصحابه خير اصحاب واٰل.

ضمیمہ رسالہ توحید الحق

اس رسالہ کے طرز کا حاصل اثبات مقصود بالجزئیات المنقولہ ہے، اس باب میں بعض فضلاء، کی تحریر دستیاب ہوئی، جس کے طرز کا حاصل اثبات مقصود بالکلیات المعقولہ ہے، تائیداً و تشئیداً رسالہ کے ساتھ اس کا الحاق بھی انفع معلوم ہوا، اور اس تحریر میں بعض ایسے ہی مدعیان باطل کے اقوال نقل کر کے ان پر بہت مفصل کلام کیا گیا ہے، چونکہ یہ مختصر اس تفصیل کا متحمل نہیں۔ لہٰذا اس کا ایک کافی حصہ بقدر ضرورت جو خود صاحب تحریر ہی کا ملخص کیا ہوا ہے نقل کیا جاتا ہے، اصل تحریر مدرسہ امداد العلوم کے دفتر میں موجود ہے، اور وہ ملخص حصہ یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

چونکہ مصنف کے تمام ہذیانات پر کلام کرنا ایک نہایت دشوار امر ہے، اس لئے اس کے باقی ہذیانات کو چھوڑ کر اس کے اس مضمون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جسکو اس نے بطور خلاصۂ بحث کے بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ متذکرہ صدر تفصیلات کا ماحصل حسب ذیل دفعات میں بیان کیا جاسکتا ہے، اس کے بعد اس نے ان دفعات کو اس طرح بیان کیا ہے۔

(۱)....نزول قرآن کے قبل دنیا کا مذہبی تخیل اس سے زیادہ وسعت نہیں رکھتا تھا کہ نسلوں خاندانوں اور قبیلوں کی معاشرتی حد بندیوں کی طرح مذہب کی بھی ایک خاص گروہ بندی کر لی گئی تھی، ہر گروہ بندی کا آدمی سمجھتا تھا کہ دین کی سچائی صرف اسی کے حصہ میں آئی ہے جو انسان اس کی مذہبی حد بندی میں داخل ہے نجات یافتہ ہے، جو داخل نہیں ہے نجات سے محروم ہے۔

(۲)....ہر گروہ کے نزدیک مذہب کی اصل و حقیقت محض اس کے ظاہری اعمال و رسوم تھے جونہی ایک انسان انہیں اختیار کر لیتا یقین کیا جاتا کہ نجات و سعادت اسے حاصل ہوگئی، مثلاً عبادت کی شکل و طریقہ، قربانیوں کی رسوم و عوائد کسی خاص طعام کا کھانا یا نہ کھانا، کسی خاص وضع و قطع کا اختیار کرنا یا نہ کرنا۔

(۳)....چونکہ یہ اعمال و رسوم ہر مذہب میں الگ الگ تھے، اس لئے ہر مذہب کا پیرو یقین کرتا تھا کہ دوسرا مذہب مذہبی صداقت سے خالی ہے، کیونکہ اس کے اعمال و رسوم ایسے نہیں ہیں جو خود اس نے اختیار کر رکھے ہیں۔

(۴)....ہر مذہبی گروہ کا دعویٰ صرف یہی نہ تھا کہ وہ سچا ہے، بلکہ یہ بھی تھا کہ دوسرا جھوٹا ہے نتیجہ یہ تھا کہ ہر گروہ صرف اتنی ہی پر قانع نہیں رہتا کہ اپنی سچائی کا اعلان کرے، بلکہ یہ بھی ضروری سمجھتا کہ دوسروں کے خلاف تعصب و نفرت پھیلائے۔ اس صورت حال نے نوع انسان کو ایک دائمی جنگ وجدال کی حالت میں مبتلا کر رکھا تھا،

مذہب اور خدا کے نام پر ہر گروہ دوسرے گروہ سے نفرت کرتا اور اس کا خون بہانا جائز سمجھتا۔

(۵)....لیکن قرآن نے نوع انسانی کے سامنے مذہب کی عالمگیری سچائی کا اصول پیش کیا لیکن سوال یہ ہے کہ کیا قرآن نے حق و باطل کا امتیاز اٹھا دیا، اگر اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں تو یہ صریح کفر والحاد وزندقہ ہے اور شاید مصنف بھی اس کو تسلیم نہ کرے اور اگر اسکا یہ مطلب نہیں ہے، اور وہ حق و باطل کے امتیاز کو باقی رکھتے ہوئے لوگوں کو حق کے قبول کرنے اور باطل کو چھوڑنے کی دعوت دیتا ہے تو پھر اس نے مذہب کی عالمگیر سچائی کی دعوت کہاں دی بلکہ اس صورت میں اس نے لوگوں کو دو فرقوں میں منقسم کر کے خود بھی اسی گروہ بندی اور فرقہ بندی کا ارتکاب کیا، جس کا الزام وہ دوسروں پر عائد کرتا تھا، اور جبکہ یہ صورت ہے تو اسلام کو کیسے کہا جا سکتا ہے، پس ثابت ہوا کہ قرآن کے مقصود کی جو تشریح مصنف نے کی ہے وہ سراسر بہتان ہے، اور اسی طرح جو غلطیاں اس نے دوسرے مذاہب کی بیان کی ہیں وہ بھی سراسر باطل ہیں، کیونکہ حق و باطل اور ہدایت و گمراہی کے امتیاز کے بعد فرقہ بندی اور جنگ و جدال لازم ہے اس سے کوئی مذہب محفوظ نہیں نہ اسلام اور نہ غیر اسلام، اس لئے اس کو غلطی قرار دینا خود اسلام کو جھوٹا ماننا ہے، اور یہ دعویٰ کہ اسلام ہدایت و گمراہی اور حق و باطل کا تفرقہ نہیں کرتا اور سب کو اہل حق بتلاتا ہے خود کفر بواح اور نزول قرآن کو لغو قرار دینا ہے، کیونکہ اسکا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو گمراہی سے ہٹا کر ہدایت کی طرف لایا جاوے، اور اگر گمراہی کوئی چیز ہی نہیں تو پھر قرآن کا نزول ہی بے معنی ہے۔ اس کے بعد مصنف نے مقصد کی توضیح کرتے ہوئے چند دفعات قائم کی ہیں اور کہا ہے۔

(الف): اس نے نہ صرف یہ ہی بتلایا کہ ہر مذہب میں سچائی ہے بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ تمام مذاہب سچے ہیں، اس نے کہا کہ دین خدا کی عام بخشش ہے، اس لئے ممکن نہیں کہ کسی ایک قوم اور جماعت ہی کو دیا گیا ہو اور دوسروں کا اس میں حصہ نہ ہو الخ لیکن یہ قرآن پر کھلا ہوا بہتان ہے، اور قرآن کسی جگہ بھی تمام مذاہب کی سچائی کا

دعویٰ نہیں کرتا، اتنی بات صحیح کہ قرآن پہلے تمام آسمانی کتابوں اور پہلے تمام نبیوں کی تصدیق کرتا اور اپنے اپنے اوقات میں ان کو صحیح بتلاتا ہے، لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ بعد نزول قرآن ونسخ ادیان بھی ان کو سچے مذاہب اور قابل عمل بتلاتا ہے۔

پس مصنف کا یہ دعویٰ قرآن پر سراسر بہتان ہے یہ صحیح ہے کہ دین خدا کی عام بخشش ہے اور اس لئے وہ کسی خاص قوم یا کسی خاص گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، لیکن یہ دعویٰ قرآن کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام مذاہب کا یہی دعویٰ ہے، اسی لئے تمام اہل مذاہب اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے، اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دیتے ہیں، اس لئے مصنف کا دوسرے مذاہب پر گروہ بندی کا الزام سراسران مذاہب پر بہتان ہے، اور جس قسم کی گروہ بندی دوسرے مذاہب میں ہوسکتی ہے، یعنی اہل حق کا ایک گروہ اور اہل باطل کا دوسرا گروہ۔

اس قسم کی گروہ بندی خود اسلام میں بھی موجود ہے اور وہ بھی لوگوں کو دوفریق ٹھہراتا ہے، ایک گروہ اہل حق، اور دوسرا گروہ اہل باطل، دونوں میں اگر فرق ہے تو وہ صرف اتنا ہی ہے کہ دوسرے مذاہب حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھتے ہیں، اور اسلام حق کو حق اور باطل کو باطل کہتا ہے، پس ثابت ہوا کہ مصنف نے نہ دوسرے مذہب کو سمجھا اور نہ خود اسلام کو اس لئے وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے، اس کے بعد دفعہ (ب) قائم کی ہے اور کہا ہے کہ خدا کے تمام قوانین فطرت کی طرح انسان کی روحانی سعادت کا قانون بھی ایک ہی ہے، اور سب کے لئے ہے۔

پس پیروان مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے دین الٰہی کی وحدت فراموش کر کے الگ الگ گروہ بندیاں کرلی ہیں، اور ہر گروہ بندی دوسری گروہ بندی سے لڑ رہی ہے اھ، لیکن مصنف کا یہ بیان بھی سراسر جہالت ہے، کیونکہ وحدت دین کا اعتقاد ہی گروہ بندیوں کا منشاء ہے، کیوں کہ ہر مذہب والا یہ سمجھتا ہے کہ خدا کا دین ایک ہے، اور وہ وہی دین ہے جس پر قائم ہے، اس لئے اس کے خلاف جتنے

ادیان ہیں سب باطل ہیں، پس جب کہ ہر مذہب والے نے اپنے کو حق پر اور دوسرے کو باطل پر سمجھا، اس کا نتیجہ مختلف گروہ بندیاں ہوگئیں اور ایسی حالت میں مصنف کا یہ بیان کہ اہل مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے دین کی وحدت کو فراموش کر دیا، اور قرآن نے ان کو یہ فراموش کردہ حقیقت یاد دلائی قرآن پر بھی بہتان اور دوسرے پیروان مذہب پر بھی، اور اس سے بھی معلوم ہو گیا کہ نہ مصنف اسلام کو سمجھتا ہے، نہ دوسرے مذاہب کو، اور نہ اسے عقل وفہم کا کوئی حصہ ملا ہے، اس کے بعد اس نے نمبر (ج) قائم کیا ہے اور کہا ہے، اس نے بتلایا کہ خدا کا دین اس لئے تھا کہ نوع انسانی کا تفرقہ اور اختلاف دور ہو اس لئے نہ تھا کہ تفرقہ ونزاع کی ایک علت بن جاوے، پس اس سے بڑھ کر اور گمراہی کیا ہوسکتی ہے کہ جو چیز تفرقہ دور کرنے کے لئے آئی تھی اس کو تفرقہ کی بنیاد بنالیا جاوے۔ اھ

لیکن یہ بھی مصنف کی سراسر جہالت ہے، کیونکہ کسی مذہب کا پیرو بھی اس کا مدعی نہیں ہے، کہ دین الٰہی تفرقہ کی بنیاد ہے، بلکہ ہر مذہب کا یہی دعویٰ ہے کہ دنیا سے اختلاف کو مٹاتا ہے، چنانچہ عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائی ہو جاؤ اور تفرقہ کو مٹادو، یہودی کہتا ہے کہ سب یہودی ہو جاؤ اور تفرقہ کو مٹادو، مسلمان کہتا ہے کہ سب مسلمان ہو جاؤ اور تفرقہ کو مٹادو، اسی طرح ہر فرقہ کا یہی دعویٰ ہے کہ وہ تفرقہ کو مٹانا چاہتا ہے، اور یہ تفرقہ جو پیدا ہوا ہے اس کا منشا اپنے دعوے پر اصرار اور مخالف کے دعوے کی تکذیب ہے اور اس سے اسلام بھی خالی نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی اپنے کو حق اور دوسرے مذاہب کو باطل قرار دیتا ہے، جس کا دوسرے مذاہب انکار کرتے ہیں جس سے تفرقہ اور اختلاف پیدا ہوتا ہے، پس مصنف کا دوسرے مذاہب پر یہ الزام کہ وہ تفرقہ چاہتے ہیں اور اسلام کی نسبت یہ دعویٰ کہ وہ تفرقہ کو مٹاتا ہے، دونوں بہتان ہیں۔

پس اسلام اور دوسرے مذاہب میں یہ اختلاف نہیں ہے کہ اسلام لوگوں کو تفرقہ سے روکتا ہے اور دوسرے مذاہب تفرقہ کی دعوت دیتے ہیں...... بلکہ اسلام میں

اوران میں صرف یہ فرق ہے کہ اسلام لوگوں کو حق پر متفق ہونے کی دعوت دیتا ہے اور دوسرے مذاہب ان کو باطل پر متفق ہونے کی دعوت دیتے ہیں، اور جبکہ پیروان اسلام دوسروں کی دعوت قبول نہیں کرتے اور دوسرے اس کی دعوت منظور نہیں کرتے، اسکا نتیجہ فرقہ بندی اور تفرقہ واختلاف ہوتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ مصنف کا یہ بیان بھی سراسر جہالت ہے اور نہ وہ اسلام کو سمجھا ہے اور نہ دوسرے مذاہب کو اس کے بعد اس نے نمبر (د) قائم کیا ہے اور کہا ہے اس نے بتلایا کہ ایک چیز دین ہے ایک شرع ومنہاج ہے۔ دین ایک ہی ہے اور ایک ہی طرح پر سب کو دیا گیا، البتہ شرع ومنہاج میں اختلاف ہوا اور یہ اختلاف ناگزیر تھا، کیونکہ ہر عہد و ہر قوم کی حالت یکساں نہ تھی اور ضروری تھا کہ جیسی جس کی حالت ہو ویسے ہی احکام و اعمال اس کے لئے اختیار کئے جائیں، پس شرع ومنہاج کے اختلاف سے اصل دین مختلف نہیں ہو جا سکتے، تم نے دین کی حقیقت تو فراموش کر دی ہے محض شرع ومنہاج کے اختلاف پر ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہو۔ اھ

لیکن مصنف کا یہ بیان بھی سراسر جہالت اور قرآن پر افترا ہے کیونکہ قرآن نے کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ دین کوئی اور چیز ہے اور شرع ومنہاج کوئی اور شئے بلکہ خود وہ شرع ومنہاج ہی دین ہے، اور اس کے علاوہ دین کوئی چیز نہیں، کیونکہ دین نام ہے قانون الٰہی کا، پس جس زمانہ میں جو قانون الٰہی ہوگا۔ اس زمانہ میں وہی دین ہوگا، اور جب وہ قانون منسوخ ہو جاوے گا دین بھی نہ رہے گا، پس دوسرے مذاہب کی غلطی یہ نہیں ہے کہ انہوں نے شرع ومنہاج کو دین سمجھ لیا بلکہ ان کی غلطی یہ ہے کہ غیر دین کو دین بنالیا، یا دین منسوخ کو غیر منسوخ قرار دیا، اور دین حق کو جھٹلایا اس کے بعد مصنف نے نمبر (ہ) قائم کیا ہے اور کہا ہے کہ اس نے بتلایا کہ مذہبی گروہ بندیوں اور ان کے ظواہر و رسوم کو انسانی نجات و سعادت میں کوئی دخل نہیں۔ یہ گروہ بندیاں تمہاری بنائی ہوئی ہیں ورنہ خدا کا ٹھہرایا ہوا دین تو ایک ہی ہے وہ دین حقیقی کیا ہے، وہ

کہتا ہے کہ ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی، جو انسان بھی ایمان اور نیک عملی کی راہ اختیار کرے گا اس کے لئے نجات ہے، خواہ وہ تمہاری گروہ بندیوں میں داخل ہو یا نہ ہو اھ لیکن یہ بھی مصنف کی ایک مجنونانہ بڑ ہے جس کے کوئی معنی نہیں، کیونکہ ایک طرف وہ شرع ومنہاج کے اختلاف کو تسلیم کرتا ہے، اور دوسری طرف وہ اس کو شرع ومنہاج قرار دے کر اس کو نجات وسعادت انسانی میں موثر تسلیم کرتا ہے اور دوسری طرف اس کو انسانی گروہ بندیاں قرار دے کر نجات وسعادت انسانی میں غیر موثر مانتا ہے، پھر وہ کہتا ہے کہ دین حقیقی ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی بتلاتا ہے، لیکن وہ نہیں بتلاتا کہ ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی کا مطلب کیا ہے اگر وہ اس کی کوئی صورت متعین کرتا ہے تو پھر وہ اس کی تعریف سے خارج ہو کر شرع و منہاج کی حد میں آجاتا ہے، اور وہ اس کو دین سے خارج کہتا ہے، پھر ہم نہیں سمجھتے کہ وہ دین حقیقی کیا چیز ہے، اور اس پر انسان کیونکر قائم ہوسکتا ہے، پس ثابت ہوا کہ یہ کلام سراسر مجنونانہ ہے اور اس کے کوئی معنی ہی نہیں۔

اس کے بعد اس نے نمبر (و) قائم کیا ہے اور کہتا ہے اس نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اس کی دعوت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام مذاہب اپنی مشترک اور متفقہ سچائی پر جمع ہوجاویں، وہ کہتا ہے تمام مذاہب سچے ہیں، لیکن پیروان مذاہب سچائی سے منحرف ہوگئے ہیں اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی از سر نو اختیار کرلیں، تو میرا کام پورا ہوگیا، اور انہوں نے مجھے قبول کرلیا، تمام مذاہب کی یہی مشترک ومتفقہ سچائی ہے، جسے وہ الدین اور الاسلام کے نام سے پکارتا ہے۔ اھ

لیکن یہ بھی اس کا قرآن پر افتراء ہے، قرآن نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ تمام مذاہب سچے ہیں، اور الدین اور الاسلام اس مشترکہ سچائی کا نام ہے، ہاں وہ یہ ضرور کہتا ہے کہ اپنے اپنے وقت میں ہر مذہب سچا تھا، اور اسوقت میں وہ ہی الدین اور الاسلام کا مصداق تھا، لیکن اب جبکہ تمام مذاہب منسوخ ہوچکے، اور ان کی اجگہ ایک نیا آگیا، تو

اب وہی الدین اور الاسلام کا مصداق ہے، نہ کہ دوسرا کوئی مذہب، اور اس بیان میں اور مصنف کے بیان میں......وہ ہی اختلاف ہے جو ایمان اور کفر میں ہے۔

اس کے بعد مصنف نمبر (ز) قائم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ خدا کا دین اس لئے نہیں ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے نفرت کرے، بلکہ اس لئے ہے کہ ہر انسان دوسرے سے محبت کرے، اور سب ایک ہی پروردگار کے رشتۂ عبودیت میں بندھ کر ایک ہو جائیں، وہ کہتا ہے کہ جب سب کا پروردگار ایک ہے، جب سب کا مقصود اسی کی بندگی ہے، جب ہر انسان کے لئے وہ ہی ہے جیسا اس کا عمل ہے تو پھر خدا اور مذہب کے نام پر یہ تمام جنگ ونزاع کیوں ہے۔اھ

لیکن یہ بھی قرآن پر افتراء اور کھلا ہوا بہتان ہے، قرآن کہیں ان کفریات کی تبلیغ نہیں کرتا، قرآن انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے، ایک کو وہ مسلمین کہتا ہے دوسرے کو کفار، مسلمین کو آپس میں محبت کی تعلیم کرتا ہے۔ اور کفار سے نفرت دلاتا ہے، ان سے جنگ کا حکم دیتا ہے، ان کو شیطان کا پرستار قرار دیتا ہے، نہ کہ خدا کا، اور یہ مضمون قرآن میں نا قابل انکار طریق پر موجود ہے تو اس کی نسبت جو دعوے مصنف نے کئے ہیں سراسر بہتان ہوں گے۔

تمت الضميمة وبتمامها اختتمت رسالة توحيد الحق

ولله الحمد (النور، ص۷، ذی الحجه ۱۳۵۸ھ)

شَہَادَۃُ الْاَقْوَامِ عَلٰی صِدْقِ الْاِسْلَامِ

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مَوْلَانَا مُحَمَّدْ اَشْرَفْ عَلِی التَّھَانَوِی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

اس رسالہ میں غیر مسلم اقوام کے سر برآوردہ اور عمائدین کے وہ اقوال جو از روئے انصاف کبھی ان کی قلم یا زبان سے نکل گئے یا انہوں نے اسلام یا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے، جمع فرمائے گئے ہیں۔ یہ رسالہ الفضل ما شهدت به الاعداء کا مصداق ہے اور حقانیت اسلام کے عام فہم نام سے معروف ہے۔

شَہادۃُ الاَقوامِ علیٰ صِدقِ الاِسلام

حقانیت اسلام

یعنی مصرعہ مشہورہ الفضل ماشهدت به الاعداء کا ایک کھلا مصداق

الحمد و الصلاۃ! حق تعالیٰ نے اہل کتاب کے حق میں ارشاد فرمایا: "یعرفونه کما یعرفون ابنآء هم" اور مشرکین کے حق میں فرمایا "ام لم یعرفوا رسولهم فهم له منکرون" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے یہود و نصاریٰ و مشرکین آپ کی اور آپ کے دین کی حقانیت کے اضطراراً دل سے معتقد تھے۔ اس کے بعد تاریخ و مشاہدہ بتلا رہا ہے کہ اس وقت سے اس وقت تک برابر دوسری قومیں کثرت سے حقانیت کا اقرار کرتی چلی آئی ہیں۔ چند روز سے ان شہادات کے جمع کرنے کی طرف توجہ ہوئی۔ گو بہ وجہ فقدان ذرائع مجھ کو اس کا کافی ذخیرہ نہیں مل سکا۔ لیکن اتنا بلا اہتمام جمع ہو گیا۔ اس کی اشاعت کو جی چاہتا تھا۔ گو متفرق طور سے وقتاً فوقتاً کچھ کچھ شائع ہوتا رہا۔ مگر اجتماعاً اشاعت کا موقع نہیں ہوا۔ اب بعض احباب نے اس کی اشاعت کا قصد کر کے اس مجموعے کی درخواست کی۔ چنانچہ ان کے حوالے کرتا ہوں اور اجازت دیتا ہوں کہ اگر ان کو کوئی مضمون اس قسم کا مل جائے اس کو اس رسالے کا جز بنا دیں اور امتیاز کیلئے اس کی ابتدا پر لفظ "ضمیمہ" اور انتہا پر لفظ "تمت الضمیمہ" لکھ دیا کریں اور اس کا نام "شهادة الاقوام علی صدق الاسلام" رکھتا ہوں۔ فالا ن أقول وبه أصول وأجول

کتبہ: شاہ محمد اشرف علی اواخر ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ

اسلام کے واجبات اور فرائض حفظ صحت

جرمنی کے مشہور علمی رسالہ ''دی ہایف'' کے نامور جرمن فاضل اور مستشرق علامہ جوا کیم دی یوسف نے اسلام کے واجبات اور فرائض حفظ صحت پر ایک نہایت قابل قدر مضمون لکھا ہے جس کی نقل ذیل میں ہے۔

وہ تحریر کرتا ہے کہ دین اسلام کے اصول وعقائد وقواعد کو اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی مانند ظاہر ہو جاتی ہے کہ موجودہ مسلمان ان کی پابندی سے کوسوں دور ہیں اور اگر مسلمانوں میں کوئی ایسی اولوالعزم روح پردہ غیب سے شہود میں آئے جوان کو از سر نو اسلام کے اصلی اور صحیح مرکز پر لے آئے تو اس میں کلام نہیں کہ ان کی قوت کا طرہ افتخار آسمان تک جا پہنچے اور سیاسی اعتبار سے نہ سہی' اخلاقی' اجتماعی اور علمی پہلو سے وہ دنیا کی بساط پر ایک نہایت اہم مہرہ بن سکتے ہیں۔ مجھے اس وقت اسلام کی سیاسی اہمیت سے سروکار نہیں۔ بلکہ میں صرف اس کے ایک خاص پہلو پر بحث کرنا چاہتا ہوں جس پر اس وقت تک شاید کسی یورپین نے غور نہیں کیا۔ یہ پہلو ان احکام وقوانین سے تعلق رکھتا ہے جو قرآن کریم نے حفظان صحت اور تندرستی کے متعلق اپنے ماننے والوں پر فرض کئے ہیں۔ میں نہایت وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ روئے زمین کی تمام کتب سماوی پر قرآن کو اس لحاظ سے خاص امتیاز حاصل ہے۔ اگر ہم شاندار مگر سادہ واجبات وفرائض حفظان صحت پر نظر کریں جو قرآن کریم میں مذکور ہوئے ہیں اور پھر اس امر پر غور کریں کہ ان کی پابندی کرنے والوں کو جنت الفردوس کے مستحق قرار دینے میں اس کی کیا حکمت ہے تو ہم پر یہ روشن ہو جائے گا کہ اگر یہ صحیفہ آسمانی اور کلام ربانی ساکنان ایشیا کو نہ ملتا تو ایشیا کا سادابا آفرین خطہ زمین یورپ کے حق میں اور بھی بلاخیز ہو گیا ہوتا۔ اسلام نے صفائی اور پاکیزگی اور پاک بازی کی صاف وصریح ہدایات کو نافذ کر کے جرائم ہلاکت کو مہلک صدمہ پہنچا دیا ہے۔

غسل اور وضو کے واجبات نہایت دور اندیشی اور مصلحت پر مبنی ہیں۔ غسل میں تمام جسم اور وضو میں ان اعضا کا پاک صاف کرنا ضروری ہے جو عام کاروبار یا چلنے پھرنے میں کھلے رہتے ہیں۔ منہ کو صاف کرنا اور دانتوں کو مسواک کرنا' ناک کے اندرونی گرد و غبار وغیرہ کو دور کرنا' یہ تمام حفظ صحت کے لوازم ہیں اور ان واجبات کی بڑی شرط آب رواں کا استعمال ہے۔ جو فی الواقع جراثیم کے وجود سے پاک ہوتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لحم خنزیر میں اور بعضے ممنوع جانوروں کے اندر امراض ہیضہ' وثان' فالین' بخار وغیرہ کا خطرہ دریافت کرلیا تھا۔ حیوانات کے ذبح کرنے کا جو طریقہ شارع اسلام نے تلقین کیا ہے وہ بہت ضروری اور اہم ہے۔ گرمی اور حدت جانوروں کے خون میں مواد فاسد پیدا کرتی ہے۔

ہزار ہا ایسی بیماریوں کا باعث ہوتی ہے جو نسل انسانی کیلئے قاتل کا حکم رکھتی ہے ایسے بیمار جانوروں کے جراثیم پیدا کر دیتا ہے۔ اس لئے ذبح کرنے کے عمل میں جانور کے خون کا کثرت سے خارج ہونا لازمی ہے۔ غسل اور وضو سے جو صفائی اور پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور حفظ صحت کی ان دو شرطوں کے بعد تیسری اہم اور قابل قدر شرط ورزش جسمانی کی ہے۔ یہ شرط نہایت آسانی کے ساتھ ادائے نماز سے پوری ہوتی ہے۔

نماز میں قیام و رکوع و قعود و سجود کی حرکات اعلیٰ حکمت عملی اور تدبیر پر مبنی ہیں۔ اگر اہل یورپ میں اسلامی نماز کا رواج ہوتا تو ہمیں جسمانی ورزش کیلئے نئی نئی ورزشیں حرکتیں ایجاد نہ کرنا پڑتیں۔ ایشیا کے گرم ملک میں انسانی جسم کے اندر چربی زیادہ پیدا ہوتی ہے اور سجدے میں دونوں ہاتھ اور دیگر اعضاء ایک خاص کشش کے ساتھ پھیلانا اور سمیٹنا نامناسب فربہی کی مضرتوں کو دور کر دیتا ہے۔ اسلام میں تعدد ازواج کی اجازت قوم کی کمی' نسل کی ناقابل تلافی نقصان سے محفوظ رکھنے کیلئے ایک بے نظیر اصول ہے جس کی ہمیں تہ دل سے قدر کرنی چاہئے۔ یہ ایک ایسا اصول ہے کہ اگر بہ وقت ضرورت اس کی پیروی کی جائے تو اس سے توالد و تناسل میں خلل انداز ہونے

والے امراض پیدا نہیں ہونے پاتے۔ آپ ایشیا میں عمر رسیدہ دوشیزہ لڑکیاں بہت کم پائیں گے جو زیادہ عمر تک شادی نہ ہونے کے سبب ہسٹریا کی تکلیف دہ بیماری میں مبتلا ہوں۔ منشیات و مسکرات کو حرام قرار دینا اسلام کا اتنا بڑا احسان ہے کہ جس کے بارگراں سے انسان کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتا اور ہم مدعیان تہذیب وتمدن یعنی اقوام یورپ کو اس بارے میں مسلمانوں پر حسد کرنا لازم ہے۔

حیات مستعار کو ایک بے حقیقت شے سمجھنا اور جان کی مطلق پروانہ کرنا جس کے ساتھ ایک قادر مطلق ہستی کا پختہ اعتقاد بھی شامل ہے اور مزید برآں حفظ صحت کے قدرتی وفطرتی اصول وقوانین جن میں انسانی فکر وتدبر کو کچھ بھی دخل نہ ہو۔ یہ تمام باتیں جسم انسانی کی تمام طاقتوں اور قوتوں کو مدت دراز تک صحیح وسالم ومضبوط ومستحکم رکھنے کیلئے نہایت موثر اور یقینی وسائل ہیں۔ بایں ہمہ اگر ایشیا بعض خصائص میں ہم پر بہ مراتب فوقیت رکھنے کے باوجود اکثر امور میں ہم اہل یورپ سے بہت پس ماندہ ہیں تو اس کے خاص وجوہ ہیں۔ من جملہ ان کے ایک امر مختلف قوموں کا باہمی اختلاط بھی ہے۔ جن میں سے اکثر کو اسلام کے ساتھ موہوم سا تعلق ہے اور ایک قصہ یہ بھی ہے کہ خالص عربی النسل مسلمانوں کی سوسائٹی میں دوسرے قوموں کی عورتوں کا عقد نکاح کے ذریعے سے داخل ہوجانا ان کی ہمت اجتماعیہ کے فساد کا موجب ہوا ہے اور یہ قانون قدرت ہے کہ کامل چیز وہی ہے جو خالص بھی ہو۔

بہر حال اسلامی تعلیمات کی یہ بڑی فضیلت اور منزلت اظہر من الشمس ہے۔ بالخصوص اختلاط اجناس واقوام کے لحاظ سے اس کے دل میں قدرتاً پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں نے اسلام کی پیروی ترک کردی ہے۔ تعلیمات قرآنی کی جانب سے روگرداں ہوگئے ہیں۔ سچا اسلام عملی صورت میں آج کل کہیں بھی موجود نہیں ہے اور اس کی بگڑی ہوئی ہیئت نے اپنے پیروؤں کو تنزل اور ضلالت وجہالت کے عمیق غار میں دھکیل دیا ہے تو آخر ان کا انجام کیا ہوگا؟ ہمارے نزدیک اس کے ساتھ ہی یہ سوال

بھی ہونا چاہئے کہ اگر اسلام نہ ہوتا تو ان قوموں کا جواب مسلمان کہلاتی ہیں' کیا حشر ہوسکتا تھا؟ اور ان ہی قوموں پر کیا منحصر ہے ہمیں خود اپنی نسبت یہ سوال کرنا چاہئے کہ اگر اسلامی تہذیب دنیا میں جلوہ فگن نہ ہوتی تو ہماری کیا کیفیت ہوتی؟

آئین احسان مندی کی رو سے ہم پر واجب ہے کہ عربی علوم وفنون نے ہمارے علوم وفنون پر جو حیرت انگیز اثر ڈالا ہے اس کو فراموش نہ کریں۔ اگر عربوں نے فلسفہ ارسطو کا اپنی زبان سے ترجمہ نہ کیا ہوتا اور پھر عربوں کی معرکتہ الآراء تالیفات و تصانیف لاطینی زبان میں ترجمہ ہوکر ہم تک نہ آئی ہوتیں تو ہمیں اس فلسفے کی اصل یونانی کتب کے حصول سے بہت مدت پیشتر ہی اس کا علم کیوں کر ہوسکتا؟ چند سو سال قبل ہی کا زمانہ لیجئے۔ یورپ کے تشنگان علوم کا چشمہ شیریں اندلس کے عربی اسلامی دارالعلوم تھے اور سچ پوچھو تو آج بھی جبکہ اسلام روبہ تنزل ہے۔ ہم اسلام کے سیاسی علوم سے بہت کچھ اخذ کرسکتے ہیں۔ فقط (منقول از اخبار ''وکیل'' ۱۸ جون ۱۹۱۳ء)

پیغمبر اسلام سے ایک جرمن ڈاکٹر کی عقیدت

جرمن کے مشہور ڈاکٹر کوخ نے ایک مضمون اخبار ''نصیحت'' میں لکھا تھا جس کا اقتباس ہم یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ یہ ظاہر ہو کہ حدیث شریف کی جو تعلیم ہے وہ ایسی معقول ہے کہ ہر ایک سلیم الفطرت انسان خواہ وہ کسی مذہب وملت کا ہو اس کو قبول کرے گا۔

ڈاکٹر مذکور لکھتا ہے کہ جس وقت سے مجھ کو نوشادر کا داء الکلب کیلئے تیر بہ ہدف علاج ہونا دریافت ہوگیا ہے اس وقت سے میں عظیم الشان نبی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی خاص طور پر قدرومنزلت کرتا ہوں۔ اس انکشاف کی راہ میں مجھ کو ان ہی کے مبارک قول کی شمع نور نے روشنی دکھائی۔ میں نے ان کی وہ حدیث پڑھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس برتن میں کتا منہ ڈالے اس کو سات بار دھو ڈالو' چھ مرتبہ پانی سے اور ایک مرتبہ مٹی سے۔ یہ حدیث دیکھ کر مجھے خیال آیا ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم الشان پیغمبر کی شان

میں فضول گوئی نہیں ہوسکتی۔ ضرور اس میں کوئی مفید راز ہے'' اور میں نے مٹی کے عنصروں کی کیمیائی تحلیل کر کے ہر ایک عنصر کا داء الکلب میں الگ استعمال شروع کیا۔ اخیر میں نوشادر کے تجربے کی نوبت آتے ہی مجھ پر منکشف ہوگیا کہ اس مرض کا یہی علاج ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی سے برتن کو دھونے کی رغبت کیوں دلائی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ نوشادر ہمیشہ مٹی میں موجود رہتا ہے اور اگر آپ نے محض نوشادر ہی سے برتن دھونے کی ہدایت فرمائی ہوتی تو بسا اوقات اس کا ملنا غیر ممکن ہوتا۔ اس لئے مٹی جو ہر وقت اور ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ برتنوں کی صفائی کیلئے بہترین ذریعہ صفائی تھی۔

اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث: ''**الحمی من فیح جهنم فاطفؤها بالماء**'' پر اطبا ہنسا کرتے تھے حالانکہ آپ کی غرض ارشاد سے یہ تھی کہ صفراوی بخار کا علاج آب سرد سے کرو۔ چنانچہ اب تحقیقات نے واضح کر دیا ہے کہ بخار کا علاج صرف ٹھنڈا پانی ہی نہیں ہے بلکہ برف بہ آب ہے۔ غرض یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی حدیثیں فن طب کی جان اور اصل الاصول ہیں اور تحقیق و تفتیش ان کی صداقت کاملہ کا اظہار کرتی ہے۔ میں اس پیغمبر کا ادب و احترام کرتا اور کہتا ہوں کہ ابتدائے آفرینش آدم سے اب تک کوئی طبیب و حکیم دنیا میں آپ کا ہم پلہ پیدا نہیں ہوا۔ (منقول از اخبار مدینہ بجنور ۹ مارچ ۱۹۱۷ء نمبر ۱۹ ج ۶)

اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم

قرآن تمام آسمانی کتابوں میں بہترین کتاب ہے

ڈاکٹر موریس نے جو فرانس کے نامور اہل قلم مستشرق اور ماہر علوم عربیہ ہیں اور جنہوں نے گورنمنٹ فرانس کے حکم سے قرآن کریم کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا تھا۔ اپنے ایک مضمون میں جو ''لا بارول فرانس رومان'' میں شائع ہوا تھا۔ ایک فرانسیسی مترجم قرآن موسیو سالمان ریناش کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے قرآن

کیا ہے؟ قرآن اگر کوئی ایسی منقبت ہوسکتی ہے جس میں کسی طرح کا نقص نہ نکل سکتا ہو تو وہ اس کی فصاحت و بلاغت ہے۔ وہ عظیم الشان فضیلت جس پر تیس کروڑ (چالیس کروڑ مؤلف) انسان فخر کر رہے ہیں وہ یہی ہے کہ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے انسان کیلئے جو کتابیں تیار کی ہیں ان سب میں یہ بہترین کتاب ہے۔ اس کے نغمے انسان کی خیر و فلاح کے متعلق فلاسفہ یونان کے نغموں سے کہیں اچھے ہیں۔ اس میں آسمان و زمین کے بنانے والے کی حمد و ثنا بھری ہے۔ خدا کی عظمت سے اس کا حرف حرف لبریز ہے جس نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں اور ہر ایک چیز کی اس کی استعداد کے مطابق رہنمائی کی ہے۔ (منقول از اخبار وحدت ۲ فروری ۱۹۲۵ء نمبر ۲۱ ج ۲) (پیام امین)

مسٹر آرنلڈ وہائٹ نے اسلامک ریویو ماہ مئی ۱۹۱۶ء میں ۲۲۶ میں لکھا ہے ''وہ اسباق جو ہم عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید سے یہودیوں کے توسط سے سیکھتے ہیں۔ نصف یورپ ایک یہودی جناب بنی نوع انسان کے ساتھ انسانیت سے پیش آنا اور تمام لوگوں کے خیالات کا احترام کرنا سکھاتے ہیں لیکن قرآن نے جس کو ایک ساربان کے فرزند نے لکھا۔ مسلمانوں کو نہ صرف زبردست جنگ آرائی سکھائی۔ بلکہ پرائیویٹ زندگی میں ہمدردی' خیرات' فیاضی' شجاعت اور مسلمان نوازی کا سبق پڑھایا۔

(منقول از اخبار ''وحدت'' ۸ فروری ۱۹۲۵ء نمبر ۲۶ ج ۲)

بابا نانک نے لکھا ہے ''توریت' زبور' انجیل' ترے پڑھ' قرآن کتاب کل جگ میں پروار (جنم ساکھی کلاں' ص ۱۴۷) (توریت' زبور' انجیل اور وید وغیرہ تمام پڑھ کر دیکھ لئے۔ قرآن شریف ہی قابل قبول اور اطمینان قلب کی کتاب نظر آئی) رہی کتاب ایمان دی سچ کتاب قرآن (اگر سچ پوچھو تو سچی اور ایمان کی کتاب جس کی ملاقات سے دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ قرآن شریف ہی ہے) (منقول از اخبار ''وحدت'' ۸ فروری ۱۹۲۵ء نمبر ۲۶ ج ۲)

پروفیسر اڈورڈ جی براؤن ایم اے بی نے اپنی تالیفات ''دوائے لٹریری ہسٹری آف پرشیا'' (تاریخ ادبیات ایران) میں ژنداوستا اور قرآن کا مقابلہ کرتے ہوئے ص۱۰۳ میں لکھا ہے ''میں جوں جوں قرآن پر غور کرتا اور اس کے مفہوم و معانی کے سمجھنے میں کوشش کرتا میرے دل میں اس کی قدر و منزلت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ لیکن ژنداوستا کا مطالعہ بجز ایسی حالتوں کے کہ اس کو علم الادثان یا تحقیق لسانی یا اسی قسم کے دیگر اغراض کیلئے پڑھا جائے۔ طبیعت میں تکان پیدا کرتا اور بار خاطر ہوجاتا ہے۔

(منقول از اخبار ''وحدت'' ۸ فروری ۱۹۲۵ء نمبر ۲۶ ج ۲)

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی جلد ۱۶ ص ۵۹۹ میں لکھا ہے ''قرآن کے مختلف حصص کے مطالب ایک دوسرے سے بالکل متفاوت ہیں۔ بہت سی آیات دینی و اخلاقی خیالات پر مشتمل ہیں۔ مظاہر قدرت، تاریخ، الہامات انبیا کے ذریعے اس میں خدا کی عظمت، مہربانی اور صداقت کی یاد دلائی گئی ہے۔ بالخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے خدا کو واحد اور قادر مطلق ظاہر کیا گیا ہے۔ بت پرستی اور مخلوقات کی پرستش کو (جیسا کہ جناب مسیح کو خدا کا بیٹا سمجھ کر پوجا جاتا ہے) بلالحاظ ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کی نسبت یہ بالکل بجا کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا بھر کی موجودہ کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔ (منقول از اخبار ''وحدت'' ۸ فروری ۱۹۲۵ء نمبر ۲۶ ج ۲)

ڈاکٹر کینن آئزک لیٹر نے ۱۸۷۷ء میں بحیثیت صدر نشین کلیسائے انگلستان ایک تقریر کی تھی جو اسی زمانے میں لنڈن ٹائمز میں شائع ہوئی تھی اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے۔ جو تمدن کا جھنڈا اڑاتا ہے جو تعلیم دیتا ہے کہ انسان جو نہ جانتا ہو اس کو سیکھے۔ جو بتاتا ہے کہ صاف کپڑے پہنو صفائی سے رہو۔ جو حکم دیتا ہے کہ استقلال و استقامت لازمی فرض ہے۔ بے شبہ دین اسلام کے تمام اصول ارفع ہیں اور اس کی خصوصیات شائستگی اور تمدن سکھاتی ہے۔ (منقول از اخبار ''وحدت'' ۸ فروری ۱۹۲۵ء نمبر ۲۶ ج ۲)

''ہربرٹ لکچرز'' میں یہ فقرات موجود ہیں۔ ''اسلامی قانون قابل تعریف اصول پر مشتمل ہے اور زیادہ قابل تعریف امر یہ ہے کہ اسے ان اصول کی تعلیم وانجام دہی کی زبردست حمائل میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ شریعت اسلام نہایت اعلیٰ درجے کی عقلی احکام کا مجموعہ ہے جن فضائل واعمال کی اس میں ہدایت کی گئی ہے وہ ایسے برگزیدہ اور شائستہ ہیں کہ کسی مشہور مسیحی قسیس کی ہدایتیں بھی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتیں''

(منقول از اخبار ''وحدت'' ۸فروری ۱۹۲۵ء نمبر ۲۶ ج ۲)

مسٹر وڈول جس نے قرآن شریف کا ترجمہ شائع کیا لکھتا ہے ''جتنا بھی ہم اس کتاب (قرآن) کو الٹ پلٹ کر دیکھیں اسی قدر پہلے مطالعے میں اس کی نامرغوبی نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے لیکن فوراً ہمیں مسخر کرلیتی، متحیر بنا دیتی اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کر چھوڑتی ہے۔ اس کا طرز بیان بہ اعتبار اس کے مضامین و اغراض کے عفیف' عالی شان اور تہدید آمیز ہے اور جابہ جا اس کے مضامین سخن کی غایت رفعت تک پہنچ جاتے ہیں۔ غرض یہ کتاب ہر زمانے میں اپنا پرزور اثر دکھاتی رہے گی۔ (منقول از اخبار ''وحدت'' ۸فروری ۱۹۲۵ء نمبر ۲۶ ج ۲)

قرآن کی کرنیں مغرب پر

کلام الٰہی کا ایک یہ بھی نادر معجزہ ہے کہ سخت متعصب مخالفین اور نکتہ چیں عیسائیوں سے اپنا لوہا منوالیا۔ ''الفضل ماشهدت به الأعداء'' یعنی جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے''۔ عنوان بالا پر مولانا عبداللہ صاحب نے نہایت تن دہی سے ایک ضخیم رسالہ ''پیام امین'' مرتب فرمایا ہے۔ اسی میں ملخصاً ناظرین ''العدل'' کی دلچسپی کیلئے چند نامور مستشرقین کی صائب آراء جو قرآن کے متعلق ہیں پیش کی جاتی ہیں۔

کونٹ ہنری دی کاسٹری اپنی کتاب ''الاسلام'' میں جو کونٹ موصوف نے فرنچ میں لکھی تھی۔ جس کا ترجمہ مصر کے مشہور مصنف احمد فتحی بک زاغلول نے ۱۸۹۸ء میں

شائع کیا تھا۔ کہتے ہیں ''قرآن کی وحی کا مسئلہ اور بھی زیادہ مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ کیونکہ ارباب بحث اس کو مفصل طور پر حل نہیں کرتے۔ عقل حیران ہے کہ اس قسم کا کلام ایسے شخص کی زبان سے کیوں کر ادا ہوا جو بالکل امی تھا۔ تمام مشرق نے اقرار کیا ہے کہ یہ وہ کلام ہے کہ نوع انسانی لفظاً و معناً ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ وہی کلام ہے جس کی بلند انشا پردازی نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مطمئن کر دیا۔ ان کو خدا کا معترف ہونا پڑا۔ یہ وہی کلام ہے کہ جب یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کے متعلق اس کے بعد جملے جعفر بن ابی نے نجاشی بادشاہ کے سامنے پڑھے ہیں تو اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے اور پشپ چلا اٹھا کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نکلا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو اپنی رسالت کی دلیل کے طور پر لائے اور وہ اس وقت سے تا ایں دم ایک ایسا مہتم بالشان راز چلا آتا ہے جس کے طلسم کو توڑنا انسانی طاقت سے باہر ہے''۔

انگلستان کے نامور مورخ ڈاکٹر گبن اپنی مشہور تصنیف ''سلطنت روما کا انحطاط وزوال'' کی جلد ۵ باب ۵۰ میں لکھتے ہیں ''قرآن کی نسبت بحر اطلانتک سے لے کر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے کہ یہ پارلیمنٹ کی روح ہے۔ قانون اساسی ہے اور صرف اصول مذہب ہی کیلئے نہیں بلکہ احکام تعزیرات کیلئے اور ان قوانین کیلئے بھی ہے جن پر نظام کا مدار ہے۔ جن سے نوع انسان کی زندگی وابستہ ہے۔ جن کو حیات انسانی کی ترتیب و تنسیق سے گہرا تعلق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سب پر حاوی ہے۔ وہ اپنے تمام احکام میں بڑے بڑے شہنشاہ سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے فقیر و گداگر تک کیلئے مسائل و مبانی رکھتی ہے۔ یہ وہ شریعت ہے اور ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم کے عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔''

ایک اور جگہ فرماتے ہیں ''تثلیث اور خدا کے مجسم ہونے کے رموز و اسرار وحدۃ الوجود کے عقیدے اور اصول کی نفی اور تکذیب کرتے ہیں۔ ان رموز و اسرار سے صاف ظاہر ہے کہ دو تین ہم رتبہ خداؤں کی تعلیم دیتے ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کو جو ایک انسان ہیں۔ خدا کا بیٹا ظاہر کرتے ہیں۔ قدیم زمانے کی تفسیر صرف ان پختہ عقیدہ کے عیسائی کو مطمئن کر سکتی ہے۔ لیکن (حضرت) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان وعقیدہ ہر قسم کی پیچیدگی اور ابہام وغیرہ سے بالکل پاک وصاف ہے اور قرآن (مجید) خدا کی وحدانیت کی ایک زبردست شہادت ہے''۔

آگے چل کر رقم فرماتے ہیں ''قرآن وحدانیت خدا کا ایک شاہد عظیم ہے۔ ایک فلسفی موحد بے تکلف مذہب اسلام میں شریک ہو سکتا ہے۔ وہ ایک مذہب ہے جو ہم لوگوں کی موجودہ سمجھ کیلئے بہت عالی ہے''۔

جان جاک ریملک مشہور جرمن فلاسفر جس نے ''مقامات حریری'' اور ''تاریخ ابوالفدا'' اور ''معلقہ طرفہ'' وغیرہ وغیرہ تصنیفات کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا تھا۔ لکھتا ہے ''بعض لوگ ایسے دیکھے گئے ہیں کہ جہاں انہیں عربی میں کچھ شد بد ہونے لگی قرآن مجید کی ہنسی اڑانے لگے۔ اگر خوش نصیبی سے کہیں انہیں وہ موقع ہاتھ لگتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فصیح اور موثر لہجے میں قرآن کی کوئی سورت پڑھ رہے ہیں دلوں پر بجلیاں گر رہی ہیں اور جب کسی آیت کے متعلق یہ احتمال ہوتا ہے کہ سامعین اس کے حقیقی مفہوم تک نہ پہنچ سکیں گے تو آپ نے اس کو بیان سے اس طرح فرمایا تو وہ آیت سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدے میں گر پڑتا اور سب کے وہی آواز ان کے منہ سے نکلتی کہ ہمارے نبی! پیارے رسول! علیک الصلاۃ والتسلیم ہاتھ بڑھایئے اور مجھے اپنے پردوں میں شامل کرنے میں دیر نہ فرمایئے۔

(مولوی اظہار الحق بہل عباسی امروہی) (منقول از اخبار ''العدل'' گوجرانوالہ ۷ جنوری ۱۹۲۷ء)

اِسلام میں روحانیت

حق کو باطل سے الگ یوں عقلا کرتے ہیں جس طرح پھول کو کانٹوں سے جدا کرتے ہیں

۱۵ نومبر ۱۹۲۳ء کو پنڈت اندر ناتھ صاحب نے آریہ سبھا میں بیان کیا کہ عیسوی اور مذہب اسلام ایک عمارت کے مانند ہیں جو کبھی نہ کبھی مسمار ہو کر رہے گی اور آریہ مذہب گنگا جمنا کی طرح ہے جو کبھی برباد نہیں ہوسکتا۔ میں پہلے یہ دیکھوں گا کہ دنیا کے تمام مذاہب کی کتابیں اور ان کے عالم اسلام اور بانی اسلام کے بارے میں کیا لکھتے ہیں۔

سائنس کی نیرنگیاں' اجرام فلکی کا انکشاف' کالبد انسانی کا علم اور طرح طرح کی کلوں کی ایجاد' یہ سب باتیں مادی قوت سے تعلق رکھنے والی ہیں اور روحانیت مادیت سے افضل ترین ہے۔ جب کبھی روحانیت معجزہ اور کرامت کے رنگ میں چمکی تو فلسفی حکیم اور فاضل ششدر و حیران رہ گئے اور ان کی عقلیں اس گتھی کو سلجھانے میں ناکامیاب رہیں۔ انہیں حاملان قوت روحانی کے گلے کی آواز پر وحوش و طیور اور پانی نے اپنی روانی چھوڑ دی۔ ہاتھوں میں عصا نے اژدہائے مہیب کی صورت اختیار کی۔ قم باذن اللہ کہنے پر مردے جی اٹھے' انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے اور کنکروں اور پتھروں نے بات چیت کی۔ یہ اسی قوت کا ادنی کرشمہ تھا جس نے ظالموں کو رحم اور بخیلوں کو کرم کا سبق دیا۔ وحشیوں کو تاج دار بنایا اور حکما فلاسفروں اور تاریک دل رکھنے والوں کو مادیت سے علیحدہ کر کے روشنی دکھائی اور روحانی گروہ کا سردار وہ ہے جس کو خلق اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے پکارتی ہے چنانچہ اسی مبارک ہستی کی صفت زبور' باب ۴۵ میں بایں الفاظ موجود ہیں۔

تو صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہے۔ بادشاہ کی بیٹیاں تیری عزت والیوں میں ہیں۔ میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا۔ بس سارے لوگ تیری ستائش ابد الآباد تک کریں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی کتاب ''غزل الغزلات'' باب ۱۵ میں اسی برگزیدہ ہستی کا پیرایہ بیان کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ''میرا محبوب گندم گوں ہزاروں میں سردار ہے۔ اس کا سر سونے سے زیادہ چمکدار ہے۔ اس کی زلفیں مثل کوے کے کالی ہیں''۔

پھر فرماتے ہیں ''کملہ تہ نمسھاتون (اس کا قد سرو سا با حور کا راز یم) (اور پیکر خوبصورت عزت کے چونہ جیسا ہے لوکلو محمدیم (اور وہ حسینہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے۔

پھر خداوند نے مجھ سے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا۔ میں ان کیلئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اس سے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا۔ اور پھر فرماتے ہیں وہ فاران کی چوٹی سے جلوہ گر ہوگا'' (فاران مکہ معظمہ کو کہتے ہیں)۔ (دیکھو باب استثناء باب ۱۸، ۲۳)

حضرت مسیح انجیل یوحنا باب ۱۶ آیت ۵ لغایت ۱۵ میں فرماتے ہیں:

لیکن اب میں اس کے پاس جس نے مجھے بھیجا جاتا ہوں، لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو تسلی دینے والا تمہارے پاس نہ آئے گا۔ میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں، پر اب تم اس کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گی تو وہ تمہیں ساری سچائی کی باتیں بتا دے گی۔ اس لئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی جو کچھ وہ سنے گی وہی کہے گی اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گی۔ اس کے بعد میں تم سے کلام نہ کروں گا۔ اس لئے کہ جہاں کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں۔

اب میں اہل ہنود کی کتابوں پر نظر ڈالوں گا۔ (ماخوذ از بشارت احمدی و ثمرۃ المکاشفہ)

پوتھی رلماسنگ بارہویں اسگند چھٹے کانڈ جس کے حاشیہ پر گوشائیں تلسن داس کا زبان بھاکا میں ترجمہ موجود ہے۔ چوپائی ۳ و ۴ و ۵ و ۶ عرب کی سرزمین کہ ستارے کی

طرح اچھی ہے اوراس ستارے کا مقام مغربی ملک سے جو بہت ہی عمدہ اور شاندار ہے سوائے کوگ رائے۔اورآپ کے ظہور کی باتیں (معجزات) ظاہر ہوں گی اور یہاں ان کا ولی قائم کیا جائے گا۔بکری سمیت سے ساتویں صدی میں وہ اس طرح پیدا ہوگا جس طرح اندھیری رات میں چاند۔ وہ بادشاہی قاعدے سے ڈرائے گا۔محبت وخلق دکھائے گااوراپنا دین سب کو سمجھائے گا۔چوپائی ۱۹ ۱۵ و۱۶ و۱۷ اس کا دین جاری رہنے تک جوکوئی خدا تک پہنچنا چاہے تو بے وسیلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ پہنچے گا۔

مضمون چوپائی یہ ہے:

تب لگ مندرم چھے کوئے بنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پار نہ ہوئے

خدا کی محبت میں منکر لوگ نجات پائیں گے۔وید بھی کہتا ہے۔پھر ایک مرد کامل ظاہر ہوگا جس کو سب مہدی کہیں گے چوپائی حسب ذیل ہے۔

تب ہوئے نہک نہک اوتارا مہدی کہیں سکل سنسارا

اس کے بعد پھر ولایت نہ ہوگی۔تلسن داس سچ کہتے ہیں۔کلنکی پراں کلنکی اوتار کی پیدائش کا مقام شنبھل نگری ہے۔شنبھل ایک قسم کی روئی ہے جو بڑے بڑے درختوں سے نکلتی ہے اور عرب میں یہ روئی بہ کثرت ہوتی ہے۔وہ برش رام سے تعلیم پائیں گے۔برش بمعنی روح' رام بمعنی خدا۔یعنی خدا کی روح۔یہی معنی روح القدس کے ہیں۔جس نے غار حرا میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی۔

باپ کا نام دشنولیس لکھا ہے۔''دشنو'' بمعنی خدا ''لیس'' بمعنی غلام' یعنی خدا کا غلام۔یہی نام آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کا ہے۔یعنی عبد بمعنی غلام یا بندہ۔اللہ بمعنی خدا' خدا کا بندہ۔ ماں کا نام سومتی لکھا ہے۔سومتی بمعنی معتمدہ۔یہی نام آپ کی والدہ ماجدہ کا ہے۔یعنی امان والی یا معتمدہ۔

علاوہ بریں بہادر اسکنت سمرت وسما اسکنت (۲۸ سمرتیوں میں ایک سمرتی ہے)

میں کلسکی اوتار کی جائے پیدائش کا پتہ یہ لکھا ہے کہ ان میں دست لانے والی پتی پیدا ہوتی ہے۔ سناء جو سنائے مکی کے نام سے مشہور ہے۔

دیگر مذاہب کے عالموں کا خیال

ڈاکٹر گستاولی بان کی تحریر: اسلام کے اصلی اعتقادات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام گویا ایک قسم کا عیسائی مذہب ہے جس میں سے مشکل باتیں اور پیچیدگیاں نکال ڈالی گئی ہیں۔ البتہ فروعات اور اصول کا فرق ہے۔ یعنی اسلام میں خالص وحدانیت خدائے تعالیٰ کی موجود ہے اور وہ واحد مطلق سب سے برتر تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کے گرد نہ ملائکہ ہیں نہ اولیاء اور نہ ایسے لوگ جو واجب التعظیم ہیں۔

یہ خالص وحدانیت آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کیونکہ اس میں کوئی بھید اور معما نہیں ہے نہ ان میں متضاد باتوں کے ماننے کی ضرورت ہے جو دوسرے مذہبوں میں واقع ہے۔ جن کو عقل سلیم قبول نہیں کرتی۔ مذہب اسلام وہ مذہب ہے جس کے اعتقادات مسائل علوم طبعی کے بالکل مطابق ہیں۔ فرانس کے مشہور عالم ایم ڈی سینٹ ہیلر نے لکھا ہے کہ اسلام نے کسی مذہب کے مسائل میں دست اندازی نہیں کی۔ کوئی مذہبی عدالت خلاف مذہب والوں کو سزا دینے کیلئے قائم نہیں کی اور کبھی اسلام نے لوگوں کے مذہب کو جبراً تبدیل کرنے کا قصد نہیں کیا۔

لندن کے کواٹرلی ریویو نمبر ۲۵۴ بابت اکتوبر ۱۸۶۸ء کے اندر ایک آرٹیکل میں جس کا عنوان ''الاسلام'' ہے لکھا ہے یورپ کے بڑے بڑے محققین نے تمام جہان پر یہ بات ثابت کی ہے کہ اسلام ایک زندگی بخشنے والی چیز ہے۔ ہزاروں فائدہ مند جواہروں سے بھرا ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مروت کی سنہری کتاب میں اپنے لئے جگہ کر لی ہے۔

پنجاب کے مشہور منصف مزاج ہندو مصنف شرو ہے پرکاش دیو جی نے اپنی

کتاب میں جہاں اس واقعے کا ذکر کیا ہے آں حضرت نے زید پر رحم فرما کر جو بہ طور غلام آپ کی نذر کیا گیا تھا آزاد کیا۔ وہاں لکھتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب نے ہمدردی بنی نوع انسان کا ایک ایک پورا نمونہ صرف اپنے اہل وطن کو بلکہ کل دنیا کو دکھایا۔ (سوانح عمری حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب ص ۲۷)

اب میں دیکھتا ہوں کہ دیگر مذاہب کا آریہ اور وید کی نسبت کیا خیال ہے۔ خود مہاشے دیانند سرستی نے اپنی کتاب ''ستھیارتھ پرکاش'' میں جابجا وید' سمرتی اور پرانوں کے اشلوک اور قواعد کو غلط مانا ہے اور لکھا ہے کہ یہ دام مارگیوں کی کارستانی ہے اور پرہتوں کو برے الفاظ سے یاد کیا ہے اور لطف یہ کہ ان ہی کتابوں کی بعض باتوں کو تسلیم بھی کرتے ہیں اس میں بہت سے عیسائیوں اور ہندوؤں کے اعتراضات بھی موجود ہیں۔ شاید ہی ان کا جواب بھی دے سکے ہوں۔ پھر کس مزے سے ص ۴ کے ۲۳ ویں سطر میں فرماتے ہیں کہ ''اگر بھول چوک میں غلطی رہ گئی ہو تو صحیح کر دیں گے مگر اعتراض و تردید و تائید پر توجہ نہ کی جائے گی۔ ہاں! انسانی ہمدردی سے کوئی بات بتائی جائے گی تو رائے منظور کی جائے گی''۔ مذکورہ بالا تحریر ظاہر کرتی ہے کہ یہ معترضین کی تشفی بھی نہ کر سکے ہوں گے۔ کیونکہ توجہ نہ کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔

مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دھرم پال اس اشلوک کا ترجمہ سوامی دیانند کی تحریر کے مطابق فارسی میں لکھتے ہیں واچم شند ھالی۔ (یجروید ۱۴/۶)

''بیاید کہ زبان شمارا پاک بکنم۔ پران شمارا پاک بکنم۔ گوش شمارا پاک بکنم۔ ناف شمارا پاک بکنم۔ شمارا پاک بکنم۔ کون شمارا پاک بکنم۔ افعال شمارا پاک بکنم''۔

اس اشلوک کو سوامی دیانند فرماتے ہیں کہ یہ منتر گرو یا گرو کی عورت کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو مخاطب کر کے کہے۔ اسی طرح بہت سی باتیں ہیں۔ مگر تہذیب مانع ہے کہ نہ لکھی جائیں۔ پارسیوں کی کتاب ''دساتیر'' میں بہت سی آیتیں ایسی موجود ہیں جو

لفظاً بہ لفظاً وید کے منتروں سے ملتی ہیں اور جن کا مقابلہ مولانا خلیل احمد صاحب (المعروف بہ) داس چتر ویدی نے اپنی کتاب "ویدوں کا ماخذ" کے صفحہ ۱۱ الغایت ۱۶ میں کیا ہے۔ مگر میں پارسیوں کی کتاب نامہ "وخشوز زرتشت" مطبوعہ ایران کے ص ۱۲۶ سے ص ۱۵۸ تک کی تحریر کو لکھتا ہوں جس کا ذکر مولانا خلیل داس نے ص ۲۲ میں کیا ہے۔ تحریر حسب ذیل ہے۔

"گویند چوں بیاس ہندی بہ بلخ رسید گستاسپ بادشاہ زرتشت را بخواند با او آمدن آں دانا گفت وخشور پاسخ داد کہ یزداں آساں کند۔ پس شہنشاہ فرمود تا ہر کشورے فرزکاں و موبداں را بخواند چوں ہمہ گرد آمدند زرتشت از آفرین خانہ برآمد و بیاس بانجمن آمدہ وخشور گفت: اے زرتشت! از پاسخ و راز گزاری شنکر جی جہانیاں آہنگ کیش تو خبر دارند و خبر ایں فرجو بہائے بسیار شنیدہ ام من مردے ہستم ہندی نژاد و برآتش بے نظیر راز سربستہ دارم کہ از برزبان نیاوردہ ام اگر چہ گرو ہے کہ اہرمنان با اہرمن کیشاں دیو پرستاں آگہی مید ہند و خبر از دل من ہم گوش نشنیدہ گر دریں انجمن از اں راز ہا یک برمن بخوانی بہ آئین تو آئیم۔ زرتشت گفت: پیش از آمدن تو اے بیاس یزداں ازاں راز ہا بمرا آگہی بخشیدہ ازیں ورسم را از آغاز تا انجام برو خواند چوں شنیدو چم پرسید بمغز رسید یزداں راز نماز بردو بہ آئین درآمد و بہ ہند و بازگشت۔ وید ویاس کے پہلے شنکر گئے تھے اور وہ زرتشتی ہو کر آئے جیسا کہ "دساتیر" مطبوعہ ایران ص ۱۳۵ میں لکھا ہے۔ اس کے بعد وید ویاس گئے جیسا کہ مذکورہ بالا تحریر سے ظاہر ہے۔ بعدہ وید ویاس نے وہاں سے آنے کے بعد اس مذہب کی ویدوں کے ذریعے اشاعت کی۔

اسی لئے مراسم جنتری طریق عبادت سامان ہوم ویدک لحن' انداز بیان پارسیوں کی کتاب اور وید کا ایک ہے۔ مثال کیلئے میں ارش یعنی صبح صادق اور میں جھوٹی صبح یعنی صبح کاذب کو سراہتا ہوں (گاہ اشہن آیت ۴ اور ۵) (ماخوذ "از ویدوں کا ماخذ" مصنفہ بابا خیل داس ص ۱۴) میں ارش یعنی صبح صادق کی تعریف کرتا ہوں (رگوید

منڈل اسوکت ۵۲ منترا) ڈاکٹر گیگر کی تحقیق ہے کہ ایرین اور زرتشتی کی قدیم جنتری ایک ہے۔ ڈاکٹر جان یسوز نے اپنی کتاب ''اکونٹ آف دی ویداس'' میں لکھا ہے کہ وید پرجاپتی (خدا) کی ڈاڑھی ہے۔ اس کی سند برہمنا (۳-۹۳-۱) سے دی ہے اور لکھا ہے کہ اشلوک بنانے والوں کا نام اور ولدیت بھی موجود ہے۔

آج تیرہ سو برس کا زمانہ گزرا مگر مدعیان توحید آج تک قرآن پاک کے ایک جملے کا سا جملہ نہ بنا سکے اور عرب کے فصحا و بلغا کو سورہ اخلاص دیکھ کر کہہ دینا پڑا کہ یہ انسان کا کلام نہیں۔ اسلام کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ہزاروں دشمن موجود تھے اور ہیں۔ مگر تحریف کرنے سے مجبور۔ جامعیت ایسی کہ دنیا ویسا کلام دوبارہ نہ پیش کر سکی۔

وید پران اور منوسمرتیاں بتائیں کہ ہمارے یہاں تحریف موجود ہے۔ موجودہ انجیل بھی شہادت دیں۔ مگر اسلام اور اس کی مقدس کتاب کو ابدالآباد تک فخر رہے گا کہ وہ تمام نقائص سے پاک ہے۔ تعریف وزیادتی سے محفوظ ہے اور محفوظ رہے گی۔

یہ روحانیت ہی کا نسخہ ہے کہ وہ نور جو فاران پر چمکا تھا اس نے قریب قریب ساری دنیا کو روشن و منور کر کے چھوڑا۔ بنی اسرائیل کی روٹی دوسروں کے آگے نہ ڈالی جائے مگر دنیا کا سب سے بڑا روحانی فلاسفر تخلقوا باخلاق اللہ (اخلاق کا سبق خدا سے لو) کہہ کر دنیا کو اخلاق کا سبق دے گا۔ یہیں تک نہیں بلکہ فرماتا ہے کہ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ پھر مکرر ارشاد ہوتا ہے: نیک اللہ کیلئے اور گناہ گار میرے لئے ہیں اور اس کے بعد اللہ کا کلام ''یوم لایخزی اللہ النبی والذین امنوا معہ) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور مومنوں کو رسوا نہ کرے گا) سنا کر تسکین دے دیتا ہے۔ یہی سب وجوہ ہیں کہ اسلام نے ایک دنیا کو گرویدہ بنا کر غیروں سے بھی خراج تحسین حاصل کر لیا۔ مذکورہ بالا باتوں کو دیکھ کر ایک منصف مزاج کہہ دے گا کہ اسلام کی روحانیت کے مقابلے میں گنگا اور جمنا کا پانی 'پانی' ہے۔

(آزاد کراکتی) (منقول از اخبار ''مشرق'' گورکھپور ۱۰ جنوری ۱۹۲۷ء)

ہندوستان کے مشہور راجہ بھوج کا اسلام لانا

گورکھپور ہمیشہ سے مہمان نواز شہر ہے اور جو ایک مرتبہ اس سرزمین پر قدم رکھتا ہے اس کو اس کی خاک پھر کبھی نہ کبھی اپنی خاک پیمائی کیلئے کھینچ بلاتا ہے۔ اس کی وہ گلیاں جنہیں شاعر ریاض خواب میں نہیں معلوم کتنی بار دیکھ چکا اور اپنی آنکھوں سے ان کی جاروب کشی کر چکا ہے۔ اپنے اندر ایک قوت جاذبہ اور کشش تازہ رکھتی ہیں۔ میں ابھی اس کشمکش کے ماتحت اکثر گورکھپور آتا رہا۔ میں سمجھتا ہوں کہ عرصہ تین سال کا ہوا جب میں کسی ضرورت سے گورکھپور اپنے مکرم جناب مولوی سبحان اللہ صاحب کے یہاں آیا تھا۔ صبح کا وقت تھا اور اس وقت اتفاق سے میرے بزرگ مولوی محمد نصیر صاحب صدیقی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ مولوی سبحان اللہ صاحب کی بہشت کتب کی سیر میں مصروف تھے۔ ایک کتاب دیکھی جارہی تھی جو غالباً مشاہیر کے احوال میں بہ طور لغت اور قاموس کے ساتھی۔ اس میں ایک تذکرہ راجہ بھوج کے متعلق تھا۔ وہ ایسا حیرت انگیز اور سراپا تسخیر دلربا تھا کہ ہم سب لوگ اس کے مضامین سے بے حد متاثر ہوئے۔

بالآخر میں نے اپنے دوست سید مقبول حسین وصل بلگرامی کو تکلیف کتابت دی اور انہوں نے اس عبارت کو جو فارسی میں تھی۔ میری بیاض پر نقل کر دیا۔ یہ عبارت اکثر دوستوں نے بسبیل تذکرہ جب ترغیب و تبلیغ اسلام کا ذکر آ گیا اپنے طور پر لکھ کر محفوظ کر لی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ راجہ بھوج نے حضرت نبی اُمی، رسول و مخبر صادق، سراپا معجزہ فطرت، سراپا صداقت و بشارت، تکمیل دہندہ وحدانیت حق، عطا کنندہ حریت و مساوات واخوت عالمگیر کے معجزہ شق القمر کو ہندوستان میں دیکھا تھا۔

اس نے کچھ لوگوں کو عرب بھیج کر اس کی تصدیق اور اس کے اعتراف سے بہرہ اندوز ہو کر اسلام قبول کیا۔ نام اس کا شیخ عبداللہ رکھا گیا اور وہ بہت با خدا اور عابد وقت گزرا اور اس کا مزار دھار دار (گجرات) میں ہے۔ میں اس واقعے پر اپنی جگہ پر

اکثر غور کرتا رہا اور لوگوں سے اس کی تحقیق و تفتیش کرتا رہا۔ مگر کوئی خاص ثبوت مجھ کو میرے اطمینان کے لائق نہیں ملا۔ ہاں! اس مرتبہ جب میں گورکھپور گیا تو بعض کاغذات میں جو ایک میزبان کے دوست کے یہاں گوشے میں پڑے ہوئے کسمپرسی اور معدومیت کے تصرفات کا ہر لمحہ انتظار کر رہے تھے۔

ایک کتاب میں جس کا نام اس کے شروع کے صفحات کے نہ ہونے سے نہیں بتا سکا۔ کتاب ص ۷ سے ص ۱۴۴ تک بادامی کاغذ پر چھپی ہوئی ہے۔ اس میں اکثر صوفیائے کرام کے تصنیفات اور ضلع اعظم گڑھ، بستی اور گورکھپور کے بعض مرحومین کا ذکر آیا ہے۔ کتاب کا تخاطب ان لوگوں سے ہے جو حق کے پیاسے اور نجات کے بھوکے ہیں اور قدیم ہندو کتب سے وحدانیت خدا اور رسالت محمدی کو ثابت کرتے ہوئے تبلیغ و قبولیت اسلام کے بعض عجیب واقعات بھی مؤلف نے لکھے ہیں۔ نام مؤلف کا معلوم نہیں ممکن ہے کوئی صاحب گھورکھپوری اس کو بتا سکیں۔ یہ دلچسپ کتاب ہے۔ یہ بوسیدہ عمارت کی طرح اپنے نقش و نگار سے اپنی محنت و تلاش کی داد دے رہی ہے۔ اس کے ستانویں صفحے پر آخری سطور میں یہ تحریر ہے۔

مولوی صاحب کا بیان ہے کہ شیخ امید علی جو موضع کولا واماری ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں فتح خاں تحصیل دار ضلع اعظم گڑھ کے یہاں طالب علمی کرتا رہا۔ انہوں نے اپنے کتب خانے کی نگہبانی میرے حوالے کی تھی۔ میں نے ایک روز ان کتابوں کو دیکھا تو اس میں سے راجہ بھوج کے روزنامچے کا ترجمہ جو فیضی نے لکھا تھا وہ بھی نکل آیا۔ اس کو جب میں نے پڑھا تو اس میں ایک روز کے ذکر میں چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کا احوال بھی لکھا تھا۔ وہ اصل پوتھی کا ترجمہ تھا اور مولوی حسن رضا خاں صاحب جو موضع سہسی ضلع بستی کے رہنے والے ہیں۔ وہ مجھ سے کہتے تھے کہ راجہ بھوج دو ہیں۔ ایک راجہ بھوج اوّل ایک دوسرے ہیں۔ دوسرے

راجہ بھوج کی اولاد میں میں ہوں۔ وہ شہر دھار کا رہنے والا ہے اور وہاں کا راجہ تھا۔
ایک روز اپنی کوٹھی پر بیٹھا ہوا تھا۔ رات کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس نے برہمنوں کو جمع کیا۔ برہمنوں نے خبر دی کہ کوئی شخص ملک عرب میں پیدا ہوئے ہیں ان کا یہ معجزہ ہے۔ راجہ نے ایک شخص کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ کوئی شخص ہمارے پاس بھیج دیجئے کہ آپ کے دین کی باتیں ہمیں سکھلا دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو بھیج دیا۔ انہوں نے اس کو مسلمان کیا اور نام اس کا راجہ عبداللہ رکھا اور جب وہ مسلمان ہوا سب لوگوں نے ان کو راج سے اٹھا دیا اور اس کے بھائی کو راجہ بنایا اور وہ صحابی جو آئے تھے وہ بھی اسی شہر میں مر گئے۔ جہاں راجہ کی قبر ہے وہاں ان کی بھی قبر ہے۔ (منقول از اخبار "مشرق" گورکھپور۔ ۱۳ اپریل ۱۹۲۷ء)

چند نکتہ آرائیاں

(از بیانات مولوی سیف اللہ صاحب گھورکھپوری واقعہ ۱۳۰۲ھ)

❶ .... میں نے پرانے لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ فتح خان نامی تحصیل دار اعظم گڑھ میں گزرے ہیں۔ ان کی یادگار ان کی بنوائی ہوئی سرائے واقع متصل ہسپتال اب تک قائم کئے ہے۔ اس پر ایک کتبہ بھی موجود ہے۔

❷ .... موضع کولا واماری ضلع اعظم گڑھ میں اس وقت نہیں معلوم ہوتا۔ انباری یا اماری البتہ ہے۔ ممکن ہے کہ وہ موضع کولدواباری جو آج گھورکھپور کے ضلع میں ہے۔ پہلے اعظم گڑھ میں رہا ہو۔

❸ ... مولوی سیف اللہ گورکھپوری نے ۱۳۰۲ھ میں شیخ امید علی صاحب سے اس واقعے کو بحوالہ روزنامچہ راجہ بھوج مترجم فیضی سنا تھا۔ خیال ہوتا ہے کہ مولوی سیف اللہ شاید مولوی مجیب اللہ صاحب کے خاندان میں کوئی اگلے بزرگوں میں سے تھے۔

❹ ... راجہ بھوج ہندوستان کا بہت بڑا مشہور راجہ گزرا ہے۔ "کہاں راجہ بھوج

گنگوا تیلی' پرانی مثل راجہ بھوج کی قدامت اور عظمت کو ظاہر کر رہی ہے۔

5 ... مولوی حسن رضا خان بستی ضلع کے رہنے والے تھے۔ وہ معلوم ہوتا ہے راجہ بھوج ثانی کے خاندان سے تھے اور وہ راجہ بھوج کے مسلمان ہونے کی وجہ سے کسی نسل میں مادر زاد مسلمان تھے۔

6 ... بھوج پور بلیا کے پاس آرہ کے راستے میں ایک پرانا گاؤں اب تک ہے اور بلیا کی زبان اب تک بھوجپوری کہی جاتی ہے۔ اس گاؤں کے باہر کچھ پرانے کھنڈرات ہیں جن میں ایک بلا چھت کے محل شاہی اور کچھ زمین دوز راستے اور آثار ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ راج بھوج کے محل کے گرے پڑے نشانات ہیں۔

7 ... بھوج پتی یا بھوج پوتھی کی بابت اکثر لوگوں سے ذکر آیا ہے۔ یہ وہی پوتھی ہے جس کو علامہ فیضی نے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ اس کی بابت مزید تحقیقات کی ضرورت ہے کہ آیا راجہ بھوج کا روزنامہ فارسی میں اس وقت کسی کتب خانے میں ہے یا نہیں۔

8 ... بلیا کے پرانے قصص تاریخی میں ہے کہ دریائے گنگا کے اسی ساحل جس پر غازی پور اور بلیا ہے۔ دسوا متر مشہور ہندو رشی کی کٹی تھی اور یہ مشرقی حصہ کسی بڑی ہندو حکومت کا پتا اپنے روایات سے دیتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس نواح میں اسلام راجہ بھوج کے مسلمان ہونے پر پھیلا ہو اور غازی پور' اعظم گڑھ اور گورکھپور میں جو بڑی تعداد راجپوت مسلمانوں اور شریف ہندوؤں کی پھیلی ہے وہ ایک بڑے راجہ کو مسلمان ہونے پر مبنی ہو۔ اسی نواح بلیا میں پرسرام ایک مشہور ہندو راجپوت فاتح گزرا ہے جس نے برہمنوں کے خلاف ایک سلسلہ جنگ و حرب کو تادیر جاری رکھا تھا۔

9 ... میرے ایک عزیز جو بھوجپور کے قریب رہنے والے اور اکثر ان ہی اطراف میں اپنی آمد و رفت رکھتے ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ یہاں گنواروں میں شہرت ہے کہ راجہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کو تخت سے اتار دیا گیا تھا اور وہ گجرات کی طرف چلا گیا تھا۔

⑩...راجہ بھوج اوّل اور راجہ بھوج ثانی کی بحث میں مزید کاوش اور جگ پیائی کی حرکات سے ممکن ہے کہ نام اور کچھ ہوتا رہا ہو۔ صرف لقب راجہ بھوج ظاہر بات کے ساتھ مشہور ہوا ہو۔ بہرحال یہ راجہ بڑا راجہ گزرا ہے۔

⑪...راجہ بھوج کے آثار پیشین اور ذرات قدامت میں ایک چیز ایسی بھی مٹی ہوئی پائی جاتی ہے۔ جس کو رصد خانہ کہہ سکتے ہیں اور جس کے دھندلے نشانات بہ زبان حال کہہ رہے ہیں کہ اس راجہ کے دربار میں بڑے بڑے نجومی، بڑے بڑے مقدس عالم سنسکرت کے تھے۔ جنہوں نے اپنے کتب اور روایات سے اس کو تسلیم کیا تھا کہ کوئی سچا پیغمبر عرب میں گزرا ہے۔

مزید یادداشتیں

جب موپلوں کے واقعات یعنی ہندوؤں پر کیا کیا مظالم موپلوں نے کئے اس کی تحقیقات کیلئے مہاتمہ لالہ ہنسراج بی اے نے سواحل مالا بار کی سیر کی تھی تو اس میں ایک روز ان کو ساحل مالا بار پر اسلام کے پھیلنے کا راز معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ اتفاقیہ انہیں مالا بار کے کسی پرانے مندر میں جس کی کہنگی اور تبرکات ماضیت موجب جذب تشویق سیاح تھے۔ سنسکرت کی ایک پرانی تاریخ میں وہ واقعہ ملا جس کو لالہ ہنسراج بی اے اسلام کے پھیلنے کا سبب ٹھہراتے ہیں اور اس کو وہ اپنی رپورٹ میں لکھ چکے ہیں۔ اسی کا ترجمہ مجھ کو یاد پڑتا ہے۔ آگرہ سے جو اخبار ''مبلغ'' یا ''تبلیغ'' نکلتا تھا اس میں بھی چھپ چکا ہے۔ اس حوالے میں بھی لکھا تھا کہ ساحل مالا بار کے راجہ صاحب نے چاند کا دوٹکڑے ہونا دیکھا تھا۔

رات کے وقت ایسے واقعے کے پیش آنے سے جو گھبراہٹ ہوئی۔ اس کے باعث اپنے خاص الخاص مصاحبوں کو جس میں ایک مرتاض اور باخدا پنڈت بھی تھا، بلوایا۔ اس نے اپنے عقیدے کے مطابق بعض پیشین گوئیاں بعثت حضور انور، سرخیل

انبیاء، سردفتر پیغمبراں، راعی بندگان خدا، کمبل پوش حرا، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت بیان کیں۔ راجہ نے دوسرے دن دربار کیا۔

اعیان حکومت اور سرداران رعایا کو بلایا اور واقعہ بیان کرنے کے بعد سات آدمیوں کو مکہ معظمہ تصدیق رسالت کیلئے روانہ کیا۔ وہ لوگ یہاں سے گئے جس کے بعد جب وہ لوگ واپس آئے تو راجہ مسلمان ہوا اور اس کے ساتھ اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ہندوستان میں کئی جگہ یہ واقعہ پیش آیا تھا اور اس کی خبریں پرانے حوالہ جات میں ملتی ہیں۔

بابو بپن چندر پال کے خیالات

وید اور شاستر میں گائے کشی کا تذکرہ

ویدوں میں قربانی گائے کا اکثر ذکر آیا ہے۔ گھوڑے کی قربانی (اسومیدہ یاجنہ) اور گائے کی قربانی (گئو میدھ یاجنہ) کا تذکرہ نہایت وضاحت سے کیا گیا ہے۔ "سرادت" کی کتابوں میں جن میں تمام ہندوؤں کے مذہبی قوانین ہیں۔ اس کی ناقابل انکار شہادتیں موجود ہیں کہ مقدس سے مقدس برہمن بھی گائے کا گوشت کھاتے تھے۔ اس میں یہ صاف الفاظ ہیں کہ جب راجا پرجا میں سے کسی کے یہاں جائے تو اس کو لازم ہے کہ راجا کے سامنے گائے کا تازہ گوشت پیش کرے۔ یہی حکم گرو اور پردہت کیلئے بھی ہے کہ جب وہ تشریف لائیں تو گائے کے گوشت سے انکی تواضع کی جائے نیز یہ بھی حکم ہے کہ جب داماد ایک سال کے بعد سسرال میں آئے تو سسرال والوں کا فرض ہے کہ گائے کے گوشت سے اسکی خاطر مدارات کریں۔

بھوا بھوتی کا زمانہ

ویدوں کے ابتدائی زمانے میں بھی یہی قانون اور رواج تھا اور اس کے بعد

سنسکرت کی اونچے درجے کی کتب میں اسی کا پتا چلتا ہے۔ بھوا بھوتی کے مشہور ناٹک ''اوتر رام چرت سین'' ایک سین ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ راکھو خاندان کے راجاؤں کا سب سے بڑا (مہا) پروہت واملیکی کے آشرم میں قدم رنجہ فرماتا ہے (یہ آشرم قدیم ہندو یونیورسٹیوں کے قائم مقام تھے جہاں تمام ملک سے طلبہ آ کر تحصیل علوم کیا کرتے تھے) جب مہا پروہت تشریف لائے تو ان کے اعزاز میں طلبا کو چھٹی دی گئی۔ ناٹک کے مین میں سب سے پہلے طلبا کی بات چیت ہے۔ ایک لڑکا سوال کرتا ہے کہ یہ بوڑھا کون ہے؟ دوسرا جواب دیتا ہے کہ رشی سسٹ گین جو راکھو راجاؤں کے مہا پروھت ہیں۔ پہلا لڑکا کہتا ہے کہ ہاں! میں سمجھتا تھا شیر ہیں۔ دوسرے نے کہا: تم توہین کرتے ہو۔ پہلے نے کہا: نہیں، یہ بگڑنے کی بات نہیں۔ یہ بڈھا جب ہمارے آشرم میں آیا تو اس کیلئے ہمارا پیارا بچھڑا اس کی ضیافت کیلئے ذبح کر ڈالا گیا۔ پھر یہ شیر کیوں نہیں؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بھوا بھوتی کے زمانے تک یہی رسم جاری تھی۔

آریہ ہندو گوشت خور

پال بابو کہتے ہیں کہ آریہ ہندو یعنی زمانہ حال کے برہمنوں کے باپ دادا گائے کا گوشت کھاتے تھے۔ اس کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ سنسکرت میں مہمان کو ''گوگہنا'' کہتے ہیں جس کے معنی ''گائے کو مارنے والا'' ہے۔ جب گائے کا گوشت کھانا اور گائے کا ذبح کرنا ترک کر دیا گیا تو بجائے اس کے گائے مہمان کو نذر دینے کی رسم قرار دی گئی۔ یعنی جب مہمان رخصت ہوتا تو گائے اس کے حوالے کر دی جاتی۔ رفتہ رفتہ یہ نذرانہ گائے بھی متروک ہوا مگر اس کی جگہ مہمان کے گھر میں داخل ہوتے ہی ایک گائے دروازے پر باندھ دی جاتی تھی اور مہمان کی رخصتی پر خاندان کا نائی بلند آواز سے چلا کر کہتا تھا کہ گوگوگوگو (یعنی گائے، گائے) اور دروازے پر بندھی ہوئی گائے کھول دی جاتی تھی۔ چنانچہ یہ رسم ملک کے اکثر حصوں میں اب تک جاری ہے اور بنگال میں

جب کسی ہندو گھرانے میں شادی ہوتی ہے تو اس کی بعض رسوم میں نائی "گئو" گئو" گئو" گئو" کے نعرے لگایا کرتا ہے۔ اس لئے ہندوؤں کوکوئی حق نہیں کہ بقر عید کے تہوار پر گائے کی قربانی کے خلاف وہ مسلمانوں کا سر پھوڑتے پھریں۔

زنار بندی میں گائے کا چمڑا

سب سے زیادہ مضبوط دلیل یہ ہے کہ جب برہمن کو زنار پہنایا جاتا ہے اور یکھو یوپت کی رسم ادا کی جاتی ہے جس پر اس کے تمام تر برہمنی تقدس کا انحصار ہوتا ہے تو یہ لازمی ہے کہ پہلے زنار میں گائے کی کھال باندھی جائے۔ ظاہر ہے کہ گائے کو ذبح کئے بغیر اس کی کھال حاصل نہیں ہوسکتی اور یہ مسلمہ امر ہے کہ مقدس مقاصد میں مردار گائے کی لاش مستعمل نہیں ہوسکتی۔ غرض پال بابو نے جس طرح مسجد کے سامنے باجے کی ممانعت خلاف مذہب اسلام بتائی ہے (خواہ یہ دعویٰ ہونے کے سبب مقبول ہو یا نامقبول) اس سے زیادہ ذبح گائے کی مخالفت ہندو مذہب کے خلاف ثابت کی ہے (جو اقرار ہونے کے سبب یقیناً مقبول ہے)۔ (منقول از اخبار "مشرق" گورکھپور ۳۱ مئی ۱۹۲۷ء)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ورسالت کا ثبوت غیروں کی تحریروں سے

اگر سچے رسول میں ان علامتوں کا پایا جانا ضروری ہے کہ وہ ایثار نفس اور اخلاص نیت کی جیتی جاگتی تصویر ہو اور اپنے نصب العین میں یہاں تک محو ہو کہ طرح طرح کی سختیاں جھیلے' انواع واقسام کی صعوبتیں برداشت کرے لیکن اپنے مقصد کی تکمیل سے باز نہ آئے۔ ابنائے جنس کی غلطیوں کو فوراً معلوم کر لے اور ان کی اصلاح کیلئے اعلیٰ درجے کی دانشمندانہ تدابیر سوچے اور ان کی تدابیر کو قوت سے فعل میں لائے تو میں نہایت عاجزی سے اس بات کے اقرار کرنے پر مجبور ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے نبی تھے اور ان پر وحی نازل ہوئی تھی۔ (ڈاکٹر جے ڈبلیو۔ لیٹنر)

حقیقی اور سچے ارادوں کے بغیر یقیناً کوئی اور چیز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا اگاتا
استقلال کے ساتھ جس کا آپ سے ظہور ہوا آگے نہیں بڑھا سکتی۔ ایسا استقلال جس
میں پہلی وحی کے نزول کے وقت سے لے کر آخر دم تک نہ کبھی آپ مذبذب ہوئے اور
نہ کبھی آپ کے قدم سچائی کے اظہار سے ڈگمگائے۔ (پروفیسر فریمین)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقط ایک صاحب علم ہی نہ تھے بلکہ صاحب عمل بھی
تھے۔ انہوں نے اپنی امت کو عمل کی تاکید کی۔ چنانچہ جیسی انسانیت ومروت مسلمانوں
میں ہے شاذ ونادر ہی کسی قوم میں پائی جاتی ہے۔ (رومن صاحب)

میں (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے بہت اولوالعزم لوگوں میں شمار کرتا
ہوں۔ انہوں نے قبائل عرب سے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر کے بہت بڑی
پولیٹیکل گتھی کو سلجھایا اور میں ان کی کماحقہٗ تعظیم وتکریم کرتا ہوں۔ (ڈاکٹر مارگیلوش)

میں مذہب اسلام سے محبت کرتا ہوں اور اسلامی پیغمبر کو دنیا کے بڑے بڑے
مہاپرشوں میں سمجھتا ہوں۔ آپ کی سوشل اور پولیٹیکل تعلیم کا مداح ہوں اور اسلام کا
بہترین رنگ وہ تھا جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھا۔ (لالہ لاجپت رائے)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب صاف شک وشبہ سے بالاتر ہے اور خدا کی
وحدانیت کی تصدیق میں قرآن ایک شاندار شہادت ہے۔

(منقول از اخبار ''اہل سنت وجماعت'' امرتسر یکم جون ۱۹۲۷ء) (ایڈورڈ گبن)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام (اس واقعے کی تفصیل النور شوال ۱۳۴۵ھ ص ۲۹ تا ص
۳۴ میں مذکور ہے) ۸ فروری ۱۹۲۷ء کی شام کو ایک نور آسمان پر پیدا ہوا اور اس نور میں
محمد صلی اللہ علیہ وسلم نام بخط نور نظر آیا جو بہت دیر تک قائم رہا اور اس کو بہت سے شہروں
میں لاکھوں ہندو مسلمانوں نے دیکھا۔ اس واقعے کی نسبت ۴ مارچ ۱۹۲۷ء کو ایک شخص
نے حیدرآباد سے جبل پور کے یورپین کلکٹر صاحب سے تصدیق چاہی اور کلکٹر صاحب

نے اس کے جواب میں یہ خط لکھا۔

از دفتر کلکٹری جبل پور! میں آپ کو ۱۴ مارچ ۱۹۲۷ء کے کارڈ کے جواب میں مطلع کرسکتا ہوں کہ یہ خبر بالکل سچ ہے کہ نام پاک حضرت پیغمبر صاحب مغرب کی جانب آسمان پر ۸ فروری ۱۹۲۷ء کو صاف نظر آیا اور ہزاروں آدمیوں نے جبل پور میں اس نظارے کو دیکھا۔ یہ تصدیق دیکھنے کے بعد جو ایک غیر مسلم یورپین افسر نے کی ہے ہر مسلمان پر واجب ہوگیا کہ وہ ایک دوسرے کو اس واقعے کی خبر دے دے تاکہ مسلمانوں کو خوشی ہو کہ ان کے رسول پاک کا نام اس انکار کے زمانے میں بخطِ نور آسمان پر چمکتا اور دمکتا ہوا نظر آیا۔ (منقول از اخبار ''المشرق'' یکم جولائی ۱۹۲۷ء)

تصدیق رسالت رسول ربانی ایک مسیحی عالم کی زبانی

(از مولانا حبیب اللہ صاحب امرتسری)

واضح ہو کہ ایک مسیحی عالم نے ایک کتاب مسمی بہ ''قرآن السعیدین'' لکھی ہے۔ یہ کتاب ۲۸ صفحوں کی ہے اور ۱۹۲۹ء میں آر بی ایس پریس لاہور میں چھپی ہے۔ اس کتاب کا مصنف وہی ہے جس نے اس سے پیشتر ایک کتاب ''موازنہ انجیل وقرآن'' لکھی تھی۔ کتاب ''قرآن السعیدین'' کا دوسرا نام ہے ''محمد عربی و مسیح ناصری''۔

اس کتاب ''قرآن السعیدین'' کے مصنف نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جو اپنا عقیدہ ظاہر کیا ہے اس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

❶ ...عرب کے امی رسول کی زندگی کے حالات نہایت تفصیل کے ساتھ موجود ہیں یہاں تک کہ عقیدت مندوں نے معمولی نقل وحرکت اور نشست و برخاست کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور ضخیم جلدوں میں روایت درایت اور حکایت کی بنا پر نہایت مفصل سوانح حیات لکھی ہے اور اگر کسی قوم کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے اپنے راہبر وراہنما اور اپنے ہادی ومقتدا کے حالات زندگی کو کامل اور اکمل طور پر جمع کیا ہے تو وہ صرف اہل

اسلام ہیں جنہوں نے نہ صرف اقوال کو محفوظ رکھا۔ بلکہ اقوال کو بھی گفتار کو منضبط کیا
کردار کو بھی۔ ولادت، رضاعت، لڑکپن، شباب اور کہولت کے سارے حالات
وواقعات سوانح نگاروں، تذکرہ نویسوں اور محدثوں نے لکھ مارے اور وہ بھی اس
جامعیت کے ساتھ کہ بقول علامہ شبلی مرحوم اقوال وافعال، وضع قطع، شکل وشباہت
رفتار وگفتار، مذاق طبیعت، انداز گفتگو، طرز زندگی، طریق معاشرت، کھانے پینے چلنے
پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی۔ (ص ۳)

❷ ...خاتمہ میں ہم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر زور دیا ہے اور بتایا
ہے کہ ایمان داری، بے تعصبی، وسیع القلبی اور شرافت اس بات کی مقتضی ہیں کہ عیسائی
دوست اپنے دلوں کو صاف کریں اور یقین جانیں کہ دین داری اس کے علاوہ کچھ اور ہے
کہ آں حضرت کو برا بھلا کہیں اور ان سے بغض وعداوت رکھیں۔ بلکہ مناسب ہے کہ ان
کی خوبیوں پر نظر کریں حسب مرتبہ ان کی قدر کریں تعظیم کریں اور حتی المقدور مسلمانوں
کے جذبات کا پاس کرتے ہوئے ان کے ساتھ رواداری سے پیش آئیں۔ (ص ۵)

❸ ...حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور نرم دلی کی آیات بھی ہم نے نقل
کی ہیں۔ لکھا ہے کہ رسول ایمانداروں پر شفیق ومہربان ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روشن چراغ تھے۔ رحمۃ للعالمین اور صاحب خلق عظیم
تھے کہ ان کے اوصاف سے آخر ان کی کوشش بارآور اور سعی مشکور ہوئی۔ (ص ۵۸)

❹ ...آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات حمیدہ وفضائل حسنہ، خلق عظیم، شرافت
ونجابت بلکہ منصب رسالت کا انکار بھی محال ہے۔ وہ جس نے عرب کے بادیہ نشینوں
کی کایا پلٹ دی اور اس کندہ ناتراش جاہل اور کینہ پرور قوم کو اخلاق فاضلہ وپسندیدہ
کے زیور سے مزین کر دیا۔ شراب جوان کی گھٹی میں پڑی تھی، چھڑا دی۔ قمار بازی کی
لت جوان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی، ہٹا دی اور زنا ولواطت کی رسم کو مٹا دیا۔

غرض بے شمار اخلاق ذمیمہ اور افعال شنیعہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور شرک و بت پرستی کی بجائے توحید کا علم نصب کیا اور وہ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ان میں ایک بے نظیر اخوت و الفت اور مواسات و مساوات کا جذبہ پیدا کر دیا۔ اس شاندار انسان اور قابل قدر مصلح پر بے بنیاد اعتراضات کرنا اور اس پر بہتان باندھنا اور ہر ملامت کیلئے اسے نشانہ بنانا نہایت مکروہ اور نازیبا فعل ہے۔ (ص ۸۴)

۵ ...ہمارا یقین ہے کہ وہ ایک عظیم الشان' ذی قدر اور بلند مرتبہ انسان تھا' مرسل تھا' مامور من اللہ تھا اور اس میں وہ الٰہی روشنی اور حقیقی نور پرتو فگن تھا جو دنیا میں آ کر ہر شخص کو منور کرتا ہے اور یہ کچھ ہمیں پر موقوف نہیں بلکہ بیشتر غیر مسلم مصنفین باوجود مخالفت و دشمنی کے آپ کی خوبیوں کا اقرار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یہاں تک کہ بعضوں نے صاف الفاظ میں ان کا مامور من اللہ اور رسول اللہ ہونا تسلیم کیا ہے۔

(ص ۸۴ و ۸۵) الخ ملخصاً (منقول از ''العدل'' گوجرانوالہ ۲۹ جولائی ۱۹۲۷ء)

مسٹر کارلائل لکھتے ہیں: عرب کی قوم کے حق میں اسلام کا آنا گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب کا ملک پہلے پہل اسی کے ذریعے سے زندہ ہوا۔

اہل عرب گلہ بانوں کی ایک غریب قوم تھی اور جب سے دنیا بنی تھی عرب کے چٹیل میدانوں میں ہی پھرا کرتی تھی اور کسی شخص کو اس کا کچھ خیال ہی نہ تھا۔ اس قوم نے ایک اولوالعزم پیغمبر ایسے کلام کے ساتھ جس پر وہ یقین کرتے تھے بھیجا گیا اب دیکھو کہ جس چیز سے کوئی واقف ہی نہ تھا وہ تمام دنیا میں مشہور ہو گئی۔ چھوٹی چیز نہایت ہی بڑی چیز بن گئی۔ اس کے بعد ایک صدی کے اندر عرب کے ایک طرف ''غرناطہ'' اور ایک طرف ''دہلی'' ہو گئی۔ عرب کی بہادری' عظمت کی تجلی اور عقل کی روشنی زمانہائے دراز تک دنیا کے ایک بڑے حصے پر چمکتی رہی۔ اعتقاد ایک بڑی چیز ہے اور جان ڈال دینے والے ہے جس وقت کوئی قوم کسی پر اعتقاد لاتی ہے تو اس کے خیالات

بارآور اور روح کو عظمت دینے والے اور رفیع الشان ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے عرب اور یہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ ہے کہ ایک صدی کا زمانہ۔ گویا ایک چنگاری ایسے ملک میں پڑی جو اندھیرے میں کسمپرسی ریگستان تھا مگر دیکھو کہ اس ریگستان نے زور وشور سے اڑ جانے والی بارود کی طرح نیلے آسمان پر اٹھتے ہوئے شعلوں سے دہلی سے غرناطہ تک روشن کیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حیات ابدی کا ایک نورانی وجود تھا جو قدرت کے وسیع سینہ سے دنیا کو منور کرنے کو نکلا تھا اور بے شبہ اس کیلئے امر ربانی یوں ہی تھا۔

ایک اور یورپین لکھتا ہے کہ جو نتیجے اسلام سے حاصل ہوئے وہ اس قدر وسیع، دقیق اور مستحکم ہیں کہ ان کی تکمیل کر لینا تو درکنار، ہم یقین نہیں کر سکتے کہ وہ انسان کے خیال میں بھی آسکیں۔ اسی سبب سے بہ عوض اس کے کہ اس کی نسبت اس طرح بحثیں کی جائیں جس طرح کہ ''سولن'' کے قانون اور یا ''نپولین'' کی فتوحات کے نتائج کے اندازہ کرنے میں کی جاتی ہیں یا تو اس کی نسبت یہ کہا جائے کہ اتفاقیہ ہو گئے ہیں یا بہ مجبوری ربانی مرضی کی طرف منسوب کیا جائے۔

بایں ہمہ یہ نظم ایک شخص واحد نے کیا تھا جس نے اپنے ملک کے تمام باشندوں میں اپنی روح پھونک دی اور تمام کے دل پر نہایت تعظیم وتکریم کا خیال جو کسی انسان کیلئے کبھی ظاہر نہیں کیا گیا، نقش کر دیا۔ جو سلسلہ قوانین واخلاق کا ان سے بنایا وہ اعلیٰ درجے کی ترقی سے بھی ایسا ہی موافق تھا جیسا کہ ادنیٰ ترین لوگوں سے اور اس سلسلے نے ایک قوم سے دوسری قوم میں گزر کر ہر ایک قوم کو جس نے اسے قبول کیا ان قوموں اور سلطنتوں سے فائق کر دیا جن سے ان کا میل ہوا۔

مؤرخ اوکھلوٹ لکھتا ہے کہ اصول شرح اسلام میں سے ہر ایک اصل کو دیکھئے تو فی نفسہ ایسی عمدہ اور موثر ہے کہ شارع اسلام کے شرف وفضیلت کو قیامت تک کافی ہے اور ان سب اصول کے مجموعے سے ایسا انتظام سیاست قائم ہو گیا جس کی قوت و

متانت کے سامنے اورسب انتظام ہیچ ہیں۔ایک شخص کی عین حیات اور وہ بھی ایسا شخص جوایک جاہل' وحشی' تنگ مایہ اورکم ظرف قوم کے قابو میں تھا وہ شرع ان ممالک میں شائع ہوگئی جو رومۃ الکبریٰ کی سلطنت قاہرہ سے کہیں عظیم و وسیع تھا۔ جب تک اس میں اس کی اصلی کیفیت باقی رہی اس وقت تک کوئی چیز اس کا مقابلہ نہ کرسکی۔

(منقول از الحمود دیوبند' جلدا بابت ماہ محرم الحرام ۱۳۴۶ھ) الخ

ایک تعلیم یافتہ ہندو کی رائے

مسٹر ایل' ایم سوالے ایک تعلیم یافتہ اور وسیع الخیال ہندو مرہٹہ ہیں۔انہوں نے ۱۹۲۴ء میں عراق اور ایران کا بھی سفر کیا ہے۔

فرقہ وارانہ ذہنیت اور مشترک انتخاب کے عنوان سے ان کا ایک قابل قدر مضمون مرہٹہ مورخہ ۱۴ اگست میں شائع ہوا ہے جس کے دوران میں وہ فرماتے ہیں کہ ۱۹۲۴ء میں میں نے عراق اور ایران کی سیاحت کی تھی۔

اور میں ترقی کی اس رفتار کو دیکھ کر بہت زیادہ متاثر ہوا تھا جو ان اسلامی ممالک نے اس عرصہ قلیل میں کی ہے اور کررہے ہیں جو مغربی اقوام کے ساتھ تعلق اور میل جول ہوا ہے مجھے اس کا یقین ہے کہ اسلام پر تعصب مذہبی کا جو الزام لگایا جاتا ہے وہ ثابت نہیں کیا جاسکتا۔پیغمبر عربی کا مذہب اپنے پیرووؤں کے دل و دماغ پر ہرگز ایسے قیود نہیں عائد کرتا جو ان کی تہذیب و تمدن کی ترقی میں آگے بڑھنے اور دیگر اقوام عالم کے دوش بدوش ترقی کرنے میں مانع آئیں۔

ہندوستان سے باہر کی اسلامی حالت کا وسیع جائزہ لینے کے بعد جو جنگ عمومی کے اختتام کے بعد ظہور پذیر ہوا۔ مجھے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے اندر فرقہ وارانہ ذہنیت کی تنگ خیالی ہندو آباء و اجداد کے اثر اور ہندوؤں کی صحبت اور میل جول کا نتیجہ ہے۔

ہندوؤں کا مسلمان ہونا جبریہ نہ تھا

مسٹر گوبند رام کھنہ ایک تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہندو اہل قلم لالہ لاجپت رائے کے انگریزی اخبار ''پیپل'' مورخہ ۸ اگست میں ایک مضمون کے سلسلے میں ہندو جاتی کے معاشرتی نقائص اور کمزوریوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے ہندوستان میں مسلمانوں کی تبلیغی کوششوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ خیال کرنا غلط ہے کہ لاکھوں ہندوؤں کا اپنا آبائی مذہب ترک کر کے مذہب اسلام اختیار کرنا تمام تر مسلمان حکمرانوں اور مسلمان حملہ آوروں کے جبر وتشدد کا نتیجہ تھا۔ مسلمان حملہ آوروں میں تبلیغ مذہب کا جوش ضرور تھا اور انہوں نے بڑی تعداد جبراً مسلمان کی لیکن گزشتہ آٹھ صدیوں میں لوگوں نے جو تبدیل مذہب کیا ہے ان سب کو محض جبر کا نتیجہ وسبب نہیں کہا جاسکتا۔ مسلمانوں کے سیاسی غلبہ واقتدار کا تو سلطنت مغلیہ کی بربادی وتباہی پر عملاً خاتمہ ہو چکا تھا اور دکن وممالک متوسط میں اور پنجاب میں سکھوں کو قوت حاصل تھی لیکن بایں ہمہ تبدیلی مذہب کا سلسلہ بند نہیں ہوا تھا۔ یہ اگرچہ ناگوار اور دل آزار بات تو ضرور ہے مگر اس تلخ صداقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہندوؤں کا مذہب آبائی چھوڑ کر ایک مسلسل سرچشمہ کی حیثیت میں مذہب اسلام میں داخل ہونا اس کا سبب خود ہندوؤں کے نظام معاشرت کی فرسودگی اور مذہب اسلام کی قوت جذب وقبولیت رہا ہے۔ ہمیں اس مروجہ خیال سے اپنے دل کو تسلی نہیں دینا چاہئے کہ ہندوؤں کا مذہب اسلام اختیار کرنا جبر اور تشدد کا نتیجہ تھا خود بینی انسان کا سب سے زیادہ مہلک دشمن ہے۔ میرے خیال میں بیوگی کی زندگی کا جبریہ رہنا' ہندوؤں کے مختلف طبقات میں معاشرتی مساوات کا نہ ہونا اور ان لوگوں کے ساتھ جن کو ہم نیچ ذات کے نام سے موسوم کرنا پسند کرتے ہیں۔ قریب قریب جانوروں کا سا اور وحشیانہ برتاؤ کرنا' ان سب باتوں نے لاکھوں ہندوؤں کو اسلام کے حلقے میں داخل کر دیا اور تاوقتیکہ حالات

میں پوری تبدیلی نہ ہو جائے۔ مستقبل قریب میں اس تبدیلی مذہب کے بجائے گھٹنے کے اور زیادہ بڑھنے کا امکان ہے۔ (ہمدرد)

الفضل ما شهدت به الأعداء

بے شک بزرگی اور فضیلت وہی ہے جس پر دشمن اور اعدائے اسلام گواہی دیں۔

یورپ اور امریکا کے بڑے بڑے محقق اصحاب فراست ولیاقت نے اس بات کو تسلیم کرلیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اور مرتبہ دنیا کے بڑے بڑے لوگوں میں سب سے اونچا اور بلند ہے اور عیسائی محققوں نے تو آپ کی تہذیب' دیانت' امانت داری' غریبوں پر رحم وکرم مساوات بین الاقوام' انسانی صفات کا مکمل نمونہ آپ کو مان لیا ہے۔ ان میں واشنگٹن اورنگ سر ولیم میور ڈاکٹر لیٹز' جان ڈیوں پورٹ کے نام نامی قابل ذکر ہیں جن کی تصانیف میں بہت شرح وبسط سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک آیا ہے۔ ڈاکٹر اینی بسنٹ صاحب نے حضرت کی سوانح عمری نہایت شرح وبسط سے لکھی ہے۔ سکھوں کے گرونانک صاحب نے بھی اپنی کتاب میں اسلام اور آں حضرت کو ذریعہ نجات تحریر فرمایا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آریہ کی نظر میں

پروفیسر رام دیو صاحب بی اے سابق پروفیسر گروکل کانگڑی وایڈیٹر ویدک میگزین نے ایک لیکچر میں جو لاہور آریہ سماج میں کچھ مدت ہوئی' دیا تھا' بیان کیا ''چھٹی صدی میں عرب کی اخلاقی حالت بہت خراب تھی۔ جب کوئی باشندہ مرجاتا تھا تو وہ اپنی عورتیں بہ طور ورثہ چھوڑ جاتا تھا جس کے بعد اس کا بیٹا سوائے اس عورت کے جس کے پیٹ سے وہ پیدا شدہ تھا۔ باقی سب عورتوں کو اپنی بیویاں بنالیتا تھا۔ علاوہ ازیں عارضی شادیاں بھی ہوتی تھیں۔ عرب قوم میں اتفاق کا نام ونشان نہ تھا' یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے گلے کاٹا کرتے تھے۔ خیال تھا کہ یہ قوم کبھی اٹھ نہیں سکتی' لیکن دنیا کی تاریخ میں یہ معجزہ ہوا کہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم میں جان ڈال دی۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سکھایا کہ بت پرستی چھوڑ دو اور ایک خدا کو مانو۔شروع میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کے صرف ۳۰ معاون اور مددگار تھے۔ان کی جاتی (قوم) قریش ان کی سخت مخالف تھی۔یہاں تک کہ آخر کار انہیں مکہ سے بھاگ کر مدینہ جانا پڑا' لیکن مدینہ میں بیٹھے ہوئے محمد صاحب نے ان میں جادو کی بجلی بھر دی۔وہ بجلی جو انسان کو دیوتا (فرشتہ) بنا دیتی ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بجلی راجوں مہاراجوں میں نہیں بھری تھی۔بلکہ تمام لوگوں میں اور یہ غلط ہے کہ اسلام محض تلوار سے پھیلا ہے۔یہ امر واقع ہے کہ اشاعت اسلام کے لئے کبھی تلوار نہیں اٹھائی گئی۔اگر مذہب تلوار سے پھیل سکتا ہے تو آج کوئی پھیلا کر دکھائے۔محمد صاحب نے عرب میں کس قسم کا وشواش (یقین) بھر دیا تھا۔اس کی ایک مثال سنئے۔

ایک غلام کو جو مسلمان ہو چکا تھا اس کا آقا دھوپ میں بٹھا کر اور اس کی چھاتی پر پتھر رکھ کر پوچھا کرتا تھا کہ بتا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دے گا یا نہیں؟ لیکن غلام صاف انکار کرتا ہے۔(منقول از مشرق گورکھپور نمبر ۵۰ جلد ۲۱ مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۲۷ء) (اخبار ''پرکاش'')

بہائی مذہب اور شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

شریعت محمدیہ موجودہ زمانے کے مطابق اور نا قابل تنسیخ ہے۔ایک حق پسند ہندو پنڈت پرشوتم صاحب دیوست دھاری کے قلم سے۔

ہر مذہب کی شریعت کسی ہادی کو ضرورت زمانہ کے اعتبار سے دی گئی اور جب اقتضائے وقت میں تبدیلی ہوئی تو شریعت بھی تبدیل کر دی گئی۔میرے نزدیک اس اقتضائے وقت کا بھی تعین ہے اور وہ قدرت کی ہر شے سے ثابت وعیاں ہے اور چونکہ مذہب صرف نسل انسان ہی کے واسطے مخصوص ہے۔اس لئے انسانی نسل کے واسطے چار دور مخصوص ہیں یعنی رضاعت' طفلی' شباب اور کہولت اور یہ چاروں باتیں ایسی ہیں

کہ جس سے کوئی شے کائنات ہستی کی مستثنیٰ نہیں۔نسل انسانی پر بھی چاروں زمانے آئے اور ہر زمانے کے مطابق اس حکیم مطلق نے نسل انسانی میں چار قسم کی شریعت اپنے انبیا کی وساطت سے بنی آدم کیلئے بھیجی اور چونکہ محمدی دور شریعت کے سلسلے میں چوتھا اور آخری دور ہے۔اس لئے اب کسی جدید شریعت کی گنجائش نہیں اور نہ ضرورت زمانہ کے اعتبار سے شریعت محمد یہ قابل ترمیم نظر آتی ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مثل انبیائے سابق کے کسی خاص قوم یا ملک کیلئے مبعوث نہیں ہوئے بلکہ وہ رحمت عالمیاں جو مذہب لایا وہ دنیا کیلئے ہے اور اسی لئے ہر ملک وقوم کے طبائع کے لحاظ سے ایک مشترک اور عالم گیر شریعت دی گئی ہے اور کسی مذہب وملت کی شریعت ایسی نہیں ہے کہ جس میں عالمگیر شریعت ہونے کی اہلیت ہو ہاں ایک مسئلہ سود اسلام کا ضرور ایسا ہے کہ بادی النظر میں قابل ترمیم نظر آتا ہے اور مسلمان بھی حرمت سود کی وجہ سے پریشان نظر آتے ہیں۔بہائی اس پر یہ کہتے ہیں کہ مسلمان شریعت محمد یہ کی ترمیم کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ جس طور پر ہمیشہ احکام الٰہی کی ترمیم وتنسیخ ہوتی رہی ہے اب بھی اسی طرح ہونا چاہئے۔یعنی حضرت بہاء اللہ نے اس شرعی مسئلے میں جو ترمیم کی ہے وہ اقتضائے وقت کے لحاظ سے ہے اور چونکہ دنیا اس کو قبول کرنے کیلئے مجبور ہے۔پس بہاء اللہ کی نبوت تشریعی ثابت ہے۔

(رد بہائیہ) مذہب کو اگر مذہب سمجھا جائے اور اس کے اوامر ونواہی کو قابل یقین تصور کیا جائے تو اس کا ہر حکم واجب التعمیل ہے۔اگر اس کے فوائد ونقصان ہماری فہم سے باہر ہوں تو اس بنا پر وہ حکم مذہب رد نہیں کیا جا سکتا۔ہم جب بیمار ہوتے ہیں حکیم وڈاکٹر کا علاج کرتے ہیں مگر صحت کے خیال سے کبھی یہ ضرورت نہیں سمجھتے کہ اپنے نسخے کے تمام اجزا کے خواص معلوم کر لینے کے بعد اگر ہماری رائے میں مفید ہوں تب استعمال کریں۔اگر ہم ایسا کریں تو غالباً ہر حکیم وڈاکٹر ہماری حجت کے باعث

ہمارے علاج سے پرہیز کرے گا اور ہم شفا کے مقصد سے دور ہو جائیں گے مگر کیا لطف کی بات ہے کہ اس حکیم مطلق نے نجات اخروی کا جو نسخہ ہمارے واسطے تجویز کیا ہے۔ ہم کو اس بنا پر اس کے استعمال سے تامل ہے کہ اس کا فلاں جز ہمارے مفید نہیں۔ پس کیوں نہ کتاب الٰہی کے نسخے سے علیحدہ کر دیا جائے یا اس میں ترمیم نہ کی جائے۔ اگر بہشت و دوزخ کی حقیقت ہے اگر بعد از مرگ محاسبہ اعمال و وعید صحیح ہے اور نجات دائمی کچھ اصلیت رکھتی ہے۔ تب فوائد دنیاوی اور اسباب معیشت کی فراوانی کا خیال ہی عبث ہے اور جو انسان احکام مذہبی کا پابند اور کتاب اللہ پر مضبوط ایمان رکھتا ہے وہ دنیاوی ساز و سامان کی طرف کبھی دیکھتا بھی نہیں مگر چونکہ ایسے انسان ہر زمانے میں قلیل رہے ہیں۔ اب ضرورت طبقہ کثیر کے افہام کے مطابق بھی کچھ انکشاف کرنے کی ہے اور جس میں ہمارے دوست ایڈیٹر کوکب ہندوان کے ہم خیال بھی شامل ہیں۔ اس لئے ہم انہیں آگاہ کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور بعثت میں بھی انسانوں کے دو طبقے تھے۔ ایک دولتمندوں کا ایک غربا کا۔ غربا اپنی ناداری کے باعث دولتمندوں کی اعانت اور دستگیری کے محتاج تھے اور دولت مندوں کی سودخوری کی یہ کیفیت تھی کہ وہ غربا کے ہاتھ میں کبھی پیسہ رہنے نہیں دیتے تھے اور جب افلاس کی حد ہو جاتی اور ان سے کچھ وصول نہ ہوتا تو آخر میں دائن اپنے مدیون کی بچیوں پر بھی قبضہ کر لیتا۔ اگر کسی اخلاق اور مذہب میں دولت مندوں کی یہ چیز دی روا رکھی گئی ہے تب تو حقیقتاً کوکب کا یہ خیال صحیح ہے کہ جس بدعت کو رسول اکرم روحی فداہ نے مٹایا اب پھر اس کے زندہ کرنے کی ضرورت ہے اور اگر اخلاق انسانی آج بھی اس کا متحمل نہیں ہے تو اسلام کا یہ حکم آخری اور نا قابل تغیر ہے۔ مذہب الٰہی جس طرح دولتمندوں کی حالت کو درست کرتا ہے۔ اسی طرح غربا کی بھی دستگیری و اصلاح و فلاح اس کا مقصد ہوتا ہے۔ بلکہ انبیاء کی صف سے علیحدہ ہمیشہ صاحب ذکا و فہم نے

معاشرتی زندگی کے فرق ومراتب کو مٹانے کی کوشش کی اور انبیائے بنی اسرائیل میں تو ہر نبی کا یہی نصب العین رہا ہے اور جناب مسیح علیہ السلام تو اس قدر بلند آہنگی کے ساتھ غربا کے حقوق کا مطالبہ کرتے تھے کہ انہوں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ

آسمان کی بادشاہت صرف غریبوں کیلئے ہے اور اس میں دولت مندوں کا داخل ہونا اس سے زیادہ دشوار ہے جتنا اونٹ کا سوئی کے نکہ میں داخل ہونا۔

مذہب اسلام نے تمام ایسی برائیوں کا انسداد کیا ہے جو انسانی اخلاق کیلئے ضرر رساں ہیں۔ راشی اور مرتشی پر اس لئے لعنت بھیجی گئی کہ راشی سے انسانی ہمدردی اٹھ جاتی ہے اور راشی کبھی دوسرے انسان کا کام خلق و مروت کی بنا پر جو خاص جوہر انسانیت ہے نہیں کرتا۔ اس طرح سود خور انسان بغیر سود کی امید کے روپیہ دے کر اعانت ودست گیری نہیں کرتا۔ اس کی نظر ہمیشہ غربا کے مال پر رہتی ہے اور جس انسان میں اپنی نوع سے ہمدردی نہ ہو وہ صفت اخلاق انسانی سے معری ہے اور اسلام نے سود کا جواز تو کیسا اس کے بالمقابل مسئلہ زکاۃ قائم کیا کہ ہر سال دولت مندوں کی جیب سے ایک کثیر رقم غربا کی اعانت ودست گیری میں صرف ہوتی ہے تا کہ دولت مند وغربا کے درمیان کامل اخوت و ہمدردی رہے اور وہ کسی وقت دولت مندوں کی تباہی و بربادی یا منافرت پر آمادہ نہ ہوں جو لوگ سود کے حامی ہیں وہ دراصل دولت مند فرقے کی طرف نظر کرتے ہیں جو افراد کا غلام بنانا اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے اور اس دولت مند فرقے کی یہ کیفیت ہے کہ اس نے اخلاق وعقائد سے معری ہو کر صرف اپنی ذات کو اپنا مطمح نظر بنالیا ہے اور اپنی زندگی کو جہاں تک ممکن ہو عیش وتنعم میں بسر کرنا چاہتا ہے اور چونکہ یورپ میں اس کی فراوانی ہے اس لئے زرطلبی کی خواہش بھی بہ درجہ اتم پہنچ گئی ہے جس سے عام اخلاقی انحطاط پیدا ہو گیا ہے اور جس کا بدترین نتیجہ یہ نکلا ہے۔

دولت مند طبقے نے دنیا کے سامنے کوئی اچھا اخلاقی نمونہ پیش نہیں کیا۔ بلکہ تمام

اخلاقی پابندیوں سے آزادی حاصل کرلی ہے اور فرض اور وطنیت کو ایک تمسخر انگیز چیز سمجھنے لگا ہے۔ اس کا صرف یہ کام ہے کہ جب روپیہ ہاتھ آئے ذلیل ترین شہوانی لذائذ میں بے دریغ صرف کرے۔ (از معارف)

پس اگر حضرت بہاء اللہ یا ان کے متبع کوکب ہند وغیرہ اجرائے سود کے مؤید ہیں جس سے یہ بیماری اور زیادہ ہو جائے جو اخلاقاً مذموم تر ہے تو اس سے نہ تو بہاء اللہ کی نبوت ہی ثابت ہوتی ہے اور نہ کلام الٰہی میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ لازم آتی ہے۔ حمایت سود دراصل سرمایہ داری کی اعانت ہے۔ سرمایہ داری کی برائی سے دنیا رفتہ رفتہ واقف ہوتی جاتی ہے مگر اسلام نے تیرہ سو سال قبل دنیا میں سرمایہ داری کی مخالفت کر کے اپنے آسمانی مذہب ہونے کی صداقت کی مہر ثبت کردی ہے۔ روس میں فرقہ بالشویک کی پیدائش کا سبب بھی سرمایہ داری کی چیرہ دستی ہوئی اور متمدن دنیا میں ایسے اصحاب پیدا ہوگئے ہیں جو دنیا سے سرمایہ داری کو مٹانے کی فکر میں ہیں۔ چنانچہ میسولینی کے تازہ حکم سے سودی کاروبار کرنے والوں کو دشمن ملک کی صفت میں شمار کیا گیا ہے اور ملک کے ہر مشہور شہر میں خاص عدالتیں ایسے اشخاص کے انسداد کیلئے قائم کی گئی ہیں۔ روم فلورمینس اور ملان میں ایک کثیر تعداد سودخوار اشخاص کی سزایاب ہوئی ہے اور جو سزائیں دی گئی ہیں ان میں ملک بدر ہونے کی بھی سزا ہے اگر اس سے سود کا انسداد نہ ہوا تو ملک کے جملہ بینک جو سودی کاروبار کرتے ہیں توڑ دیئے جائیں گے۔ (از اخبار لیڈر ۸ جون ۱۹۲۷ء)

اب ظاہر ہے کہ بہاء اللہ کا شریعت خداوند کے خلاف حلت سود کا اعلان کرنا خود بہاء اللہ کی غلطی ہے، نہ کہ شریعت کی منسوخی۔ ورنہ یوں ہر شریعت کے خلاف اکثر انسانوں کے اقوال کچھ نہ کچھ ہر جگہ ملتے ہیں تو کیا ان کے مقابلے میں شرعی احکام منسوخ قرار دیئے جاسکتے ہیں؟ اگر بہائیوں کے خیالات شریعت خداوندی کے خلاف ہیں تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ضروریات زمانہ کسی شریعت کی تنسیخ کی محتاج

ہیں۔حضرت بہاء اللہ کو اپنے معین و انصار پیدا کرنے کی ضرورت تھی۔لہٰذا انہوں نے دولت مند فرقے کو خوش کرنے کیلئے حلت سود کا اعلان کیا۔

اے کاش کہ حضرت بہاء اللہ فرقہ غربا کی بے کسی کا خیال کرتے اور دنیا میں مظالم سرمایہ کو ملحوظ رکھتے تو ان کو ہرگز حلت سود کے اعلان کی ضرورت نہ ہوتی۔ ایک نبی کی شان سے بعید ہے کہ وہ سرمایہ داری کی اعانت کرے اور سرمایہ دار جماعت کے ظلم سے غربا کی رست گاری نہ کرے الخ۔

اِسلام اور علمائے فرنگ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر چند نامور محققین یورپ اور مشہور مستشرقین کے خیالات درج کئے جائیں جو انہوں نے مختلف مواقع پر اسلام اور قرآن پاک کے متعلق ظاہر کئے ہیں۔تاکہ متلاشیان حق پر اسلام کی حقانیت اور قوت کا سکہ بیٹھ جائے۔

الفضل ماشهدت به الأعداء

ڈاکٹر موریس (یہ ایک فرانس کا مشہور اہل قلم ہے جو علوم عربیہ میں کافی ماہر تھا۔ اس نے حکومت فرانس کے حکم سے قرآن کریم کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا تھا) اپنے ایک مضمون میں جو لا بارول فرانس رومان میں شائع ہوا تھا۔لکھتے ہیں کہ

قرآن کیا ہے؟ قرآن کی اگر کوئی ایسی تعریف ہوسکتی ہے جس میں کسی طرح کا نقص نہ نکل سکتا ہو تو وہ اس کی فصاحت و بلاغت ہے۔وہ عظیم الشان فضیلت جس پر تیس کروڑ (چالیس کروڑ) انسان فخر کر رہے ہیں وہ یہی ہے کہ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے۔بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے انسان کیلئے جو کتابیں تیار کی ہیں ان سب میں یہ بہترین کتاب ہے۔اس کے نغمے انسان کی خیر و فلاح کے متعلق فلاسفہ یونان کے نغموں سے کہیں اچھے ہیں۔اس میں آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے کی حمد و ثنا بھری ہے۔خدا

کی عظمت سے اس کا حرف حرف پُر ہے جس نے کہ یہ چیزیں بنائی ہیں اور ہر ایک چیز کی اس کی استعداد کے مطابق راہنمائی کی ہے۔ قرآن علماء کیلئے ایک علمی کتاب' شائقین لغت کیلئے ذخیرہ لغات' شعرا کیلئے عروض کا مجموعہ اور شرائع و قوانین کا ایک عام انسائیکلوپیڈیا ہے جو تمام آسمانی کتابوں سے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے سے جان تالموس کے عہد تک نازل ہوئیں کسی ایک نے اس کی ایک ادنیٰ سورت کا بھی مقابلہ نہ کیا۔ یہی سبب ہے کہ مسلمانوں کے اندر اعلیٰ طبقے کے لوگوں میں جس قدر علم بڑھتا جاتا ہے اور حقائق پر عبور ہوتا ہے اسی قدر قرآن کے ساتھ بھی ان کا تعلق بڑھتا جاتا ہے۔ اس کی تعظیم میں زیادتی ہوتی ہے۔ اس کے عجائبات کے ساتھ ان کی دلچسپی ترقی کرتی جاتی ہے۔ آیات کا اقتباس کرتے ہیں۔ کلام کی آرائش ان آیتوں سے بڑھاتے ہیں جس قدر ان کا پایہ رفیع ہوتا ہے اور خیالات میں شستگی اور شگفتگی ہوتی ہے اسی قدر اپنی رائے اور خیال کا مدار آیات قرآنی کو ٹھہرانے میں کوشش کرتے ہیں۔

ان لوگوں کے سینے قرآن کی محبت سے معمور ہیں۔ دل سے اس کو مقدس مانتے ہیں۔ دوسری قوموں کو جو کتابیں یا شریعتیں ملی ہیں ان کی نسبت نہ انہیں کوئی خیال پیدا ہوتا ہے نہ رشک آتا ہے۔ اس لئے کہ وہ دیکھ چکے ہیں کہ رشکی کتابیں ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں۔ اس کی فصاحت و بلاغت انہیں سارے جہان کی فصاحت و بلاغت سے بے نیاز بنائے ہوئے ہے۔

یہ واقعی بات ہے اور اس کی واقعیت کی دلیل یہ ہے کہ بڑے بڑے انشا پردازوں اور شاعروں کے سر اس کے آگے جھک جاتے ہیں۔ اس کے عجائبات جو روز بروز نئے نئے نکلتے آتے ہیں اور اس کے اسرار جو کبھی ختم نہیں ہوتے۔ مسلمان شعرا اور نثاران کو دیکھ کر سجدہ کرنے لگتے ہیں۔ قیامت تک کیلئے اس کو سرمایہ ناز جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ فصیح کلام اور دقیق معانی کا یہ ایک بحر مواج ہے۔

ڈاکٹر مورلیس ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔ کوئی چیز عیسائیان روم کو اس ضلالت و غوایت کی خندق سے جس میں وہ گرے پڑے تھے۔ نہیں نکال سکتی تھی بجز اس آواز کے جو سرزمین عرب میں غار حرا سے آئی۔ اعلائے کلمۃ اللہ جس سے یونانی انکار کرتے جاتے تھے۔ اسی آواز نے دنیا میں کیا اور ایسے عملی پیرایہ میں کیا جس سے بہتر ممکن نہ تھا اور ایک ایسا سیدھا سادا اور پاک وصاف مذہب دنیا کو سکھایا۔

جس میں بقول فاضل محقق گاڈفری ہگنس (یہ سب باتیں عیسائی مذہب میں اب تک موجود ہیں' رومن کیتھولک فرقے کے مذہب کی بنیاد ہی ایسی باتوں پر ہے) نہ پاک پانی ہے نہ تبرک' نہ صورت نہ تقریر' نہ سینٹ اور نہ خدا کی ماں سے اس پر داغ لگتا ہے اور نہ ایسے مسائل اس میں ہیں کہ ایمان بدوں عمل کے موثر ہو اور نزع کے وقت کی توبہ کام آئے اور غایت درجے کی عنایات اور مغفرت اور خفیہ اقرار کار آمد ہوں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس دین کے پیروؤں کو بگاڑ دیں اور پھر مقتداؤں کے حوالے کر دیں جو فی الحقیقت ان مسائل سے بھی بدتر اور ناچیز بات ہے۔

ریورنڈ ر جی ایم راڈویل جو ایک متعصب پادری ہیں لکھتے ہیں (قرآن کی تعلیم سے) عرب کے سیدھے سادے خانہ بدوش بدو ایسے بدل گئے جیسے کسی نے سحر کر دیا ہو۔ وہ سلطنتوں کے قائم کرنے والے' ملکوں کے فاتح' شہروں کے بسانے والے' علمی ذخیروں اور کتب خانوں کو جمع کرنے والے ہو گئے۔ ان کی قوت و عظمت وسطوت و جبروت فسطاط و بغداد' قرطبہ اور دہلی وغیرہ سے ایسی ظاہر ہوئی کہ عیسائی یورپ کو اپنی ہیبت وشوکت سے کپکپا دیا اور اس میں ایک تہلکہ ڈال دیا۔ بت پرستی مٹانے' جنات اور مادیات کے شرک کے عوض اللہ کی عبادت قائم کرنے' اطفال کشی کی رسم کو نیست و نابود کرنے' بہت سے توہمات کو دور کرنے اور ازواج کی تعداد کو کم کر کے اس کی ایک حد معین کرنے میں قرآن بے شک عربوں کیلئے موجب برکت وفلاح تھا۔

ریونڈ آر میکسویل کنگ اپنی تقریر ’’دین اسلام‘‘ کے اندر جو انہوں نے ۱۷ جنوری ۱۹۰۵ء کو قدیم پریسی ٹیرین چرچ نیوٹو نارڈز میں کی تھی۔ بیان کرتے ہیں ’’اسلام کی جمہوری تعلیم ایک حصہ عورتوں کے متعلق بھی ہے۔ قرآن میں جہاں کہیں عورتوں کا ذکر آیا ہے تعظیمی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ ماں کے ساتھ محبت رکھنے اور اس کی تعظیم کرنے اور بیوی کے ساتھ محبت و شفقت کرنے پر پورا پورا زور دیا گیا ہے۔ پیروان اسلام کا حسن اخلاق قابل تعریف ہے۔ ان کا طرز عمل خدا کے احکام کے تابع ہے۔

تسلیم و رضا یعنی اپنے تمام امور خدا کے سپرد کر دینا مسلمانوں کی مذہبی زندگی کی ایک لازمی شرط ہے جو مذہب رضائے الٰہی پر راضی رہنے کی ایسی عمدہ تعلیم دے اس کے پیرو یقیناً صداقت دوست‘ انصاف پسند‘ داد و ستد کے کھرے اور عہد کے پکے ہوں گے۔ یہ قرآن سے ثابت ہو سکتا ہے اگر ہم اس کے برخلاف ثابت کرنا چاہیں تو ہماری اپنی عقل ہی انکار کر دے گی۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف اور اس میں جو کچھ ہے وہ سب توریت اور انجیل وغیرہ سے لیا گیا ہے مگر میرا ایمان ہے اگر الہامی دنیا میں الہام کوئی شے ہے اور الہام کا وجود مکمل ہے تو قرآن ضرور الہامی کتاب ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام سچے نبی نہ تھے اور قرآن ان کی ذاتی تصنیف ہے۔ اگر یہ ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی کتاب کی کیا ضرورت پڑی تھی کہ اپنے کو خود ہی ملامت کرتے اور پھر اس سرزنش کو قرآن میں رہنے بھی دیتے۔

مسٹر ڈیون پورٹ اپنی کتاب موسومہ محمد اینڈ قرآن میں کہتے ہیں قرآن عالم اسلامی کا ایک مشترکہ قانون ہے۔ یہ معاشرتی‘ ملکی‘ تجارتی‘ فوجی‘ عدالتی اور تعزیری معاملات پر حاوی ہے لیکن بایں ہمہ ایک مذہبی ضابطہ ہے اس نے ہر چیز کو باقاعدہ بنایا ہے۔ مذہبی رسوم سے لے کر حیات روزمرہ کے افعال مثلاً روحانی نجات سے لے کر جسمانی صحت‘ اجتماعی حقوق سے لے کر انفرادی حقوق شرافت سے لے کر دنائت اور

دنیوی سزا سے لے کر اخروی عقوبت تک تمام امور کو سلک ضابطہ میں منسلک کر دیا ہے۔

اور ایک جگہ لکھتے ہیں قرآن کے بے شمار اوصاف میں سے دو زیادہ واضح ہیں۔

اوّل وہ ہیبت و احترام کا لہجہ جو اس خالق اکبر کے متعلق ہر جگہ اس میں ملحوظ رکھا گیا ہے جس کی طرف کوئی انسانی کمزوری اور خواہش منسوب نہیں کی گئی۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ اس میں اوّل سے آخر تک غیر فصیح' مخرب اخلاق اور نامناسب خیالات' محاورات اور حکایات کا نام ونشان تک نہیں پایا جاتا۔ یہ تمام خرابیاں افسوس ہے کہ اس کتاب میں بہ کثرت موجود ہیں جس کا نام پیروان مسیح نے ''عہد قدیم'' رکھا ہے۔

انگلستان کے نامور مورخ ڈاکٹر گین اپنی مشہور تصنیف ''سلطنت روما کا انحطاط و زوال'' (دی ڈکلائن اینڈ مال آف دی رومن امپائر) کی جلد ۵ باب ۵۰ میں لکھتے ہیں قرآن کی نسبت بحر اٹلانٹک سے لے کر دریائے گنگا تک مان لیا ہے کہ یہ پارلیمنٹ کی روح اور قانون اساسی ہے اور صرف اصول مذہب ہی کیلئے نہیں بلکہ احکام تعزیرات' تمدن اور ان قوانین کیلئے بھی ہے جن پر نظام عالم کا مدار ہے جن سے نوع انسانی کی زندگی وابستہ ہے اور جن کو حیات اجتماعی کی ترتیب وتنسیق سے تعلق ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سب پر حاوی ہے۔ وہ اپنے تمام احکام میں بڑے سے بڑے شہنشاہ سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے فقیر وگدا تک کیلئے مسائل رکھتی ہے۔ یہ وہ شریعت ہے جو ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم کے عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

جان جاک ریسک جرمنی کے ایک مشہور فلاسفر ہیں جنہوں نے مقامات حریری' تاریخ ابوالفدا اور معلقہ طرفہ وغیرہ کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں ''بعض لوگ تھوڑی سی عربی سیکھ کر قرآن کا تمسخر اڑاتے ہیں اگر انہیں اپنی خوش نصیبی سے کبھی یہ موقع حاصل ہوتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فصیح زبان اور موثر لہجہ میں قرآن کی کوئی

سورت پڑھ رہے ہوں جس کا قلوب پر بجلی کا سا اثر پڑتا اور جب کسی آیت کے متعلق یہ احتمال ہوتا کہ سامعین اس کے حقیقی مفہوم تک رسائی نہیں حاصل کر سکیں گے تو اپنی معجز نما قوت بیان سے اس کی توضیح فرما دیتے تو یقیناً یہ شخص بے ساختہ سجدہ میں گر پڑتا۔ اور سب سے پہلے آواز اس کے منہ سے یہ نکلتی کہ

پیارے رسول! علیک الصلاۃ والسلام میرا ہاتھ پکڑ لیجئے اور مجھے اپنے پیرووں میں شامل کرنے کی عزت وافتخار سے مشرف کرنے میں دریغ نہ فرمایئے۔

موسیو اجین کلائل بیان کرتے ہیں کہ ''قرآن مذہبی قواعد واحکام ہی کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس میں وہ اجتماعی اور سوشل احکام بھی ہیں جو بنی نوع انسان کی زندگی کی ہر حالت میں مفید ہیں۔ اس میں تمدن کے قوانین جن میں دنیا کی مختلف اقوام کے درمیان تعلق ورابطے کا سلسلہ قائم ہو جائے موجود ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اس وسیع نظام کو تمام دنیا کی قوموں میں جو پھیلانا چاہتے تھے اس سے ان کا مقصد اعظم یہ تھا کہ اس کے قبول کرنے والوں کو مادی ترقی کا بلند ترین درجہ حاصل ہو اور دنیا کی مختلف اور متفرق قومیں اسلام کے علم کے نیچے جمع ہوں۔ حیرت ہے کہ ایسا ملکی وتمدنی نظام جس کی بنیاد کامل اور سچی آزادی پر ہے کس طرح قائم ہو گیا ساری دنیا کو معلوم ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اُمی تھے۔ آپ نے نہ تو یونان ہی کا فلسفہ پڑھا تھا نہ قدیم آرمیا سلطنتوں کے قوانین واحکام سے واقف تھے۔ اس لئے وہ دقیق مسائل جو قرآن کریم میں کھول کھول کر بیان کئے گئے ہیں جن پر یورپ کے ممتاز ترین مقنن و حکما سر دھنتے ہیں۔ ایک ایسے دماغ میں کیوں کر پیدا ہو سکتے تھے جن کو اپنی چالیس سالہ زندگی میں کبھی سابقہ حکومتوں کے قوانین کے مطالعے کا موقع نہ ملا ہو؟ ایک صدی کے اندر بقول ٹامس کارلائل سرزمین عرب کے ایک طرف غرناطہ اور دوسری طرف دہلی جو ہو گئی۔ گویا وہ ایک چنگاری تھی جس نے بھک سے اڑ جانے والی بارود کی طرح

اٹھتے ہوئے شعلوں پہ سے دہلی سے غرناطہ تک روشن کر دیا۔ یہ ایک ایسا زبردست نظام تھا جو ایک صدی کے اندر ساری دنیا پر چھا گیا اور جس کے قوانین وضوابط کے لوہے کو آج دنیا باایں ہمہ ترقی علم وحکمت ماننے پر مجبور ہے۔

سراڈ منڈ برگ پکار رہے ہیں کہ اسلامی قانون ایک تاجدار سے لے کر ادنیٰ ترین افراد رعایا تک کو حاوی ہے۔ یہ ایک ایسا قانون ہے جو معقول ترین علم وادراک پر مشتمل ہے اور جس کی نظیر اس سے پہلے پیش نہ کی جا سکی تھی۔

مشہور علامہ جوا کیم دی بوائف چلا رہے ہیں کہ اقوام یورپ کو اس بارے میں مسلمانوں پر رشک ہونا چاہیے۔ اسلامی تعلیم کی بہتری، فضیلت ومنزلت بالکل روشن ہے، وہ ایک کامل مذہب ہے اور اس کی تعلیم بالکل خالص۔ اگر اسلامی تہذیب کی روشنی دنیا میں جلوہ گر نہ ہوتی تو ہماری کیا کیفیت ہوتی؟ اس احساس مندی کے لحاظ سے دنیا پر واجب ہے کہ پیغمبر اسلام نے تہذیب وتمدن کا جو حیرت انگیز اثر دنیا پر ڈالا ہے اس کو کبھی فراموش نہ کرے۔

پروفیسر باسورتھ سمتھ ایم اے اپنی کتاب (محمد اور دین محمدی) میں بابانگ دہل یہ منادی کر رہے ہیں کہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ دنیا کو مسیحی مذہب نے زیادہ فائدہ پہنچایا یا اسلام نے؟ تو کہنا پڑے گا کہ اسلام نے۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش ہجرت سے پہلے خدانخواستہ شہید کر دیتے تو مشرق ومغرب دونوں ناقص ونا کارہ رہ جاتے۔ اگر آپ دنیا میں نہ آتے تو دنیا کا ظلم بڑھتے بڑھتے اس کو تباہ کر دیتا۔ اگر آپ نہ ہوتے تو یورپ کے تاریک زمانے دو چند بلکہ سہ چند تاریک ہو جاتے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو انسان صحراؤں میں پڑے بھٹکتے پھرتے اگر آپ نہ ہوتے تو عیسائی دنیا اجڑ جاتی۔

جب میں آپ کی صفات اور تمام کارناموں پر میں بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالتا ہوں کہ آپ کیا تھے اور کیا ہو گئے؟ اور آپ کے تابع دار غلاموں نے جن میں آپ نے زندگی کی روح پھونکی تھی۔ کیا کیا کارنامے دکھلائے؟ تو مجھے آپ سب سے بزرگ و

برتر اور اپنی نظیر آپ دکھائی دیتے ہیں آپ نے ابتدا سے انتہا یعنی بعثت سے لے کر دار البقا تک خود کو صرف نبی ہی دکھایا اور اس سے انچ بھر خود کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ میں یہ اعتقاد کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ نہایت اعلیٰ درجے کے فلاسفر، سائنس دان اور فضلائے عالی دماغ اور عیسائی ایک دن بالاتفاق اس کی تصدیق کریں گے بلاشک وشبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول تھے۔

محقق جے جے پول اپنی کتاب ''اسلام پر ایک نظر'' میں یوں لکھتا ہے کہ ''جہاں دنیا اسلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اور شعبوں میں اس قدر رہین منت ہے وہاں اس میں بھی ممنون احسان ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کے ذریعے علم وادب میں ایک جدید طرز کی بنیاد ڈالی اور اعلیٰ حقائق کے مطالعے کا شوق پیدا کیا۔ تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کریم اپنی خوبیوں کے لحاظ سے ایک حیرت انگیز کتاب ہے اور گزشتہ کئی سال میں نے غور سے جو اس کا مطالعہ کیا ہے تو اس کی بلاغت، الفاظ کی شان وشوکت اور مضمون کی شاندار روانی سے حیران رہ گیا ہوں۔ بلاشبہ کلام پاک کی مہتم بالشان بلاغت اور خیالات کی بلند پروازی نے ممالک اسلام کی تمام تصانیف مابعد پر بے انتہا اثر ڈالا ہے۔

مشہور روسی فلاسفر کاؤنٹ ٹالسٹائی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان عظیم الشان مصلحین میں سے ہیں جنہوں نے اتحاد امم کی بڑی خدمت کی ہے۔ ان کے فخر کیلئے یہ بالکل کافی ہے کہ انہوں نے ایک وحشی قوم کو نور حق کی جانب ہدایت کی اور اس کو ایک امن وصلح پسند اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے والی قوم بنا کر اس کو خون ریزی اور انسانی قربانی سے روکا اور اس کیلئے ترقی وتہذیب کے راستے کھول دیئے اور پھر یہ کہ اتنا بڑا کام صرف ایک فرد واحد کی ذات سے ظہور پذیر ہوا۔

مسٹر ڈی رائٹ مشہور نامہ نگار انگلستان لکھتا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنی ذات اور قوم ہی کیلئے نہیں بلکہ دنیائے ارضی کیلئے ابر رحمت تھے۔

آپ نے مدتوں مساعدت کا سلسلہ جاری رکھا اور سر توڑ کوشش کی کہ ذات پات کا تفرقہ مٹ جائے اور یہی سبب ہے کہ آج اسلام کے اندر ذات' نسل اور قوم کے امتیاز کا کوئی نام ونشان نہیں ہے۔ دشمنان احمد باوجود تعصب میں اندھے ہونے کے اس کے اقرار پر پابہ زنجیر ہیں کہ اس نے اپنے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا تاریخ میں کسی ایسے شخص کی مثال موجود نہیڈ جس کے احکام خداوندی کو اس مستحسن طریقے سے انجام دیا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرائض کو باوجوہ احسن پایہ تکمیل کو پہنچایا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بے شمار آرا ہیں جو بہ خوف طوالت درج نہیں کی گئیں۔ اگر ان سب کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

تعدد ازواج اور انبیائے سابقین

مسٹر ڈیون پورٹ اپنی کتاب میں بائبل کی بہت سی آیتوں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ان آیتوں سے پایا جاتا ہے کہ تعدد ازواج صرف پسندیدہ ہی نہیں۔ بلکہ خاص خدا نے اس میں برکت دی ہے۔ پادری فکس صاحب مشنری لکھنو اپنی کتاب موسومہ ''اصلاح سہو'' مطبوعہ ۱۸۷۰ء کے ۲۶ میں لکھتے ہیں۔ تعدد ازواج کے مقدمے میں ہم بے تردد تسلیم کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں بھی اس دستور نے رواج پایا تھا اور خدا نے بھی اس کو منع نہیں کیا بلکہ ان کو برکت کا وعدہ کیا جو اس پر چلتے ہیں۔

جان ملٹن جو تعدد ازواج کا ایک مشہور حامی ہے۔ بائیبل میں سے بہت سی آیتیں نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ علاوہ اس کے خدا نے ایک تمثیلی صورت (صحیفہ حزقیل کے باب ۲۳/۴ میں مسماتان اھولا اور اھولیا) سے اپنا نکاح کرنا ظاہر کیا ہے اور یہ ایک ایسا طرز بیان ہے کہ اس کو خداوند تعالیٰ بالتخصیص اس طوالت کے ساتھ ایک تمثیل میں بھی ہرگز اختیار نہ کرتا اور نہ درحقیقت ایسی بات کا مرتکب ہوتا اگر وہ رسم

جس کی دلالت اس سے ہوتی ہے فی نفسہ معیوب یا مذموم ہوتی۔

پس جس کا امتناع انجیل میں بھی کسی کو نہیں وہ کیونکر معیوب یا مذموم خیال کی جاسکتی ہے؟ کیونکہ انجیل میں ان کی ملکی آئینوں میں سے کوئی بھی منسوخ نہیں کیا گیا ہے جو انجیل سے پیشتر جاری تھے۔ (لائف مؤلفہ جان ڈیون پورٹ ص ۱۵۸)

ایزک ٹیلر صاحب لکھتے ہیں "تعدد ازواج ایک بڑا دقیق مسئلہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو نہیں روکا اور داؤد علیہ السلام جس کا خدا کا سا دل تھا۔ اس کو عمل میں لایا اور انجیل میں صاف طور سے ممنوع نہیں ہے۔ (اخبار سینٹ جیمس گزٹ لنڈن مطبوعہ ۱۸ اکتوبر ۱۸۸۷ء)

مسٹر باسورتھ سمت اپنی کتاب "محمد اینڈ محمڈن ازم" کے صفحہ ۱۳۶ کے نوٹ میں لکھتے ہیں۔ آپ کی قریباً تمام شادیاں بیوگان سے ہوئیں جو نہ تو اپنے حسن و جمال کی خاطر مشہور تھیں اور نہ ہی دولت مندی کے لحاظ سے' بلکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ (منقول از "العدل" گوجرانوالہ مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۲۷ء)

دنیا کا عظیم ترین انسان

الفضل ماشهدت به الأعداء داؤد آفندی مجاعض نامور عیسائی اہل قلم کی نظر میں دنیا کا عظیم ترین اور سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے صرف دس سال کے قلیل زمانے میں ایک محکم دین اور اعلیٰ درجے کا فلسفہ طریق معاشرت اور قوانین تمدن وضع کئے۔ قانون جنگ کی کایا پلٹ دی اور ایک ایسی قوم و سلطنت بنا دی کہ وہ عرصہ دراز اور مدت مزید تک دنیا پر حکمران رہی اور آج تک زمانے کا ساتھ دے رہی ہے اور لطف یہ ہے کہ وہ شخص باوجود ایسے عظیم ترین اور بے مثل کام کرنے کے محض ناخواندہ اور امی تھا۔ وہ مرد گرامی اور اجل اعظم محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب قریشی عربی مسلمانوں کے نبی ہیں۔

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عظیم الشان کام اور مقصد کی تمام ضرورتیں

فراہم کر دی ہیں۔ جن کی وجہ سے ان کی امت اور پیروؤں کو اور سلطنت کو جس کا سنگ بنیاد نبی ممدوح صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا۔ دنیا قائم و دائم رہنے اور پھلنے پھولنے کے اسباب نہایت وفور کے ساتھ میسر ہوئے۔ کیونکہ اگر ایک مسلمان تمام باتوں سے قطع نظر کر کے اور اس کے اقوال کو چھوڑ کر فقط قرآن اور حدیث صحیح ہی کا مطالعہ اور ان کے احکام وہدایات کی سچی پابندی کرلے تو اسے اپنے دین اور دنیا کے تمام اہم امور ان ہی میں مل جاتے ہیں اور وہ اپنی دونوں حالتوں کو بہ خوبی سدھار سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم موصوف نے مسلمانوں کیلئے ایک کانفرنس بھی مقرر کر دی جس کا سالانہ اجلاس ہر سال مکہ (مکرمہ) میں ہوا کرتا ہے۔

حج کا صرف اسی پر فرض کیا جانا جس کو سواری اور سامان سفر کی استطاعت ہے اور غیر مستطیع کے ذمے سے حج کو اتار دینا یہ معنی رکھتا ہے کہ قوم کے مال دار اور ممتاز افراد سالانہ ایک جگہ مجتمع ہو کر اپنی سوسائٹی کے معاملات پر بحث اور اس کے سیاسی' مجلسی اور باہمی اعانت وہمدردی کے خیالات کو تازہ کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان پر زکوٰۃ فرض کر کے دریوزہ گری کا دفعیہ کر دیا ہے اگر مسلمان اس صدقے کو مفروضہ پابندی سے ادا کرتے رہیں تو قوم میں محتاجوں کا کہیں وجود ہی نہ رہے۔

قرآن کا عربی زبان میں ہونا اور ہر مسلمان پر اس کو عربی زبان ہی میں سمجھنے کی پابندی سے اس عظیم الشان نبی نے اسلام کی ایک جامع زبان مقرر کر دی ہے کیونکہ اگرچہ تمام مسلمانوں پر خود براہ راست عربی زبان حاصل کر کے قرآن کے فہم کا حصول لازمی نہیں لیکن علماء اور مجتہد اماموں پر تو ضرور واجب ہے اور اسی وجوب کو مسلمانوں کیلئے ایک عام زبان مقرر کرنے کا ذریعہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر افضل ہونے کا ذریعہ صرف پاک بازی اور خدا ترسی کو قرار دے کر افراد قوم کیلئے ترقی کرنے اور نام

آور ہونے کا راستہ بنا دیا۔ اسلام کی حکومت اصل میں جمہوری حکومت تھی۔ مسلمان اپنے حاکم اور سردار کو خود ہی چن لیا کرتے تھے جس کو خلیفہ کہتے ہیں۔ کچھ عرصے تک مسلمان اس طریقے کی پیروی کرتے رہے۔ چنانچہ خلافت کی بیعت اسی حاکم انتخاب کا ایک رمز اور جمہوری حکومت کا نشان ہے۔

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر کہ ''کسی عرب کو غیر عرب اور غیر عرب کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں'' غیر عرب آدمیوں کیلئے قبول اسلام میں آسانی پیدا کر دی اور یہ ارشاد کر کے ''تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور جو شخص کنبہ الٰہی کو زیادہ نفع پہنچائے وہی خدا کا پیارا ہے'' غیر مسلم اقوام کیلئے اسلامی ممالک اور حکومتوں میں بآرام زندگی بسر کرنے کا سامان کر دیا۔ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی خانگی پر بھی گہری نظر ڈالی اور شادی بیاہ کے معاملات، نسل بڑھانے اور ترکہ و میراث تقسیم کرنے کی ہدایتیں مرتب کیں اور عورت کی شان بڑھا دی۔ معاملات دنیاوی پر نظر فرما کر لوگوں کے کاروبار اور قصوں اور قضیوں کے فیصل کرنے کے قوانین وضع کئے اور حکمرانی کے آئین بنائے۔ انہوں نے سلطنت کے مالی صیغہ کو بھی نامکمل نہیں چھوڑا اور اس غرض سے بیت المال (خزانہ عامرہ) کے قوانین وضع کئے۔

علم کی طرف ان کی توجہ بہت زیادہ مبذول تھی۔ انہوں نے علم وحکمت کو مومن کا گم گشتہ مال قرار دیا اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ علم ضرور طلب کریں۔ خواہ اس کیلئے انہیں اقصائے مشرق کا سفر ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اسی ہدایت کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے علم وہنر کی ہر شاخ سے خوشہ چینی کی اور قصر علم وکمال کا کوئی دروازہ ایسا نہیں چھوڑا جس کو انہوں نے نہ کھولا ہو۔ مسلمانوں کے ایام عروج میں علم کو جو فروغ حاصل ہوا ہے دنیا اور دنیا کی تاریخ اس کی شاہد ہے اور رہے گی۔ پس کیا جس شخص نے یہ تمام کام کئے وہ دنیا کا اعظم ترین انسان نہیں ہے؟ ہے اور بے شک ہے۔ (از اخبار عربی)

سادگی کو دیکھ کر دل ہی دل میں پشیمان ہوتا ہے کہ میرا مذہب ایسا کیوں نہ ہوا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب بہت سادہ اور حکیمانہ ہے الخ۔

مزید تشفی کیلئے ایک ہندو پنڈت مسمی جناب ہری رام صاحب جواب تک ہندو ہیں اور ایک بڑے سماج کے رہنما ہیں۔ انہوں نے طلب حق کی بنا پر اور موجودہ شورش کے رفع کرنے کی خاطر اپنی تحقیق کو سوال و جواب کے پیرایہ میں ادا کیا ہے۔ ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

جناب پنڈت جی صاحب مذکور اخبار ''نئی دنیا'' روزنامہ کلکتہ مورخہ ۸ نومبر نمبر ۱۳ میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔ خاکسار کو مذہب اسلام کی نسبت کوئی دعویٰ نہیں ہے اور نہ یہ دراصل اس قابل ہے کہ ایسے جامع علوم و فنون مذہب اسلام کی عزت کو اپنے قلم سے رقم کر سکے۔ ایسا تو وہی اشخاص بہ خوبی کر سکتے ہیں جو مذہب اسلام کے پیرو ہیں یا جو اس کے عالم ہیں۔ خاک سار محض طالب حق ہونے کی وجہ سے اس بھول کو بتاتا ہے جو عوام کی بدقسمتی سے اسلام کی نسبت لوگوں کے دل و دماغ میں قائم ہیں اور خاک سار صرف اس لئے ایسا کرتا ہے کسی دوسرے شخص نے اس کو سرانجام دینے کی جرأت نہیں کی اور چونکہ ایسا کرنا باشندگان ہند کیلئے خاص طور سے ضروری ہے۔

اوّل تو ایسا کچھ ایسے عمل سکھاتا ہے جو غیر مسلم باشندگان ہند میں جس کا مروج ہونا ضروریات میں سے ہے اور جن پر ان کی آئندہ سلامتی اور بہبودی منحصر ہے۔

دوسرے اسلام کی جانب جو غیر مسلم کے دل میں ہیبت اور نفرت ہے اور ناسمجھی کی وجہ سے جو کشیدگی پیدا ہوتی ہے اور اس سے فتنہ و فساد پیدا ہوتے ہیں ان کا بہترین تدارک بجز انکشاف اصلیت کے نہیں ہو سکتا۔ اکثر غیر مسلم اقوام مذہب اسلام کو ظالم، غیر منطقی اور برباد کن سمجھتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں اسلام ظالم یا غیر منطقی نہیں ہے اور اگر وہ ایسا ہوتا تو قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ حق پرستوں کو کسی ناسمجھ کے غیر ذمہ دارانہ فعل کو مذہب اسلام سے وابستہ نہیں کرنا چاہئے۔ یہ خلاف انصاف ہے اور مذہب اسلام

ایسے فعل کا کسی طور پر ذمہ دار نہیں ہوسکتا ہے۔ خودغرض اور ناسمجھ اشخاص ہر مذہب کی آڑ میں ناشائستہ حرکات کرتے رہتے ہیں۔ مسلم اور غیر مسلم ہر دو کا فرض ہے کہ وہ مذہب اسلام کا بے تعصبانہ اور غیر تعلقانہ مطالعہ کریں اور مشاہدات کی مدد سے اس تعلیم اور ہدایات کی نسبت نتیجہ اخذ کریں' تب وہ اس کی صداقت کو جان سکتے ہیں۔ اگر مسلم سنجیدہ اور قابل علماء یا پروفیسران اپنے مذہب اسلام کے فلسفے اور ہدایات کی توسیع کرنے کو پسند فرمائیں تو اسلام کی اعلیٰ خدمت کر سکتے ہیں اور خلق کو بہت فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اس سے ان کے مذہب کی لازوال تبلیغ ہوسکتی ہے۔

غیر مسلم بھی ایسے لوگوں کے وعظ اور لیکچر کو خوشی سے عزت بخشیں گے کیونکہ اس سے دراصل ان کی عملی زندگی بہتر ہوجائے گی۔ میں نے عظمت اسلام کو محض اسلام کی صداقت کی غرض سے رقم کیا ہے۔ اس میں کوئی میرے پوشیدہ اغراض نہیں۔ ہاں! میں صداقت کا اظہار کرنا جہاں کہیں حقیقت کی نسبت غلط فہمی ہو۔ اپنا فرض سمجھتا ہوں اور میری زندگی کے مشن کا بھی یہی مقصد ہے۔ میں جو کچھ رقم کرتا ہوں بغرض مباحثہ نہیں کرتا میرا مطلب اسلام کی باریکیوں پر تشریح کرنا بھی نہیں۔ میں صرف ان چند باتوں کو رقم کرتا ہوں۔ جو اکثر مباحثے میں رہتی ہیں یا جو دراصل مباحثے کے قابل ہیں۔ وہ چند باتیں یہی ہیں جو ذیل میں بہ شکل سوال و جواب تحریر کرتا ہوں۔

سوال ۱: کیا اسلام سچا مذہب ہے؟ اگر ہے تو کس طرح؟

جواب ۱: اسلام سچا مذہب ہے۔ جس عمل کی وہ ہدایت کرتا ہے اس کے کرنے سے وہی نتیجہ ہوتا ہے جو وہ بتاتا ہے۔

سوال ۲: اسلام میں کتنی خوبیاں ہیں جو اس کو عظمت دیتی ہیں؟

جواب ۲: اسلام عملی مذہب ہے وہ عملی طور سے عملی زندگی میں عملی مدد دیتا ہے۔ ایک خدا کی پرستش اور جملہ انسان کی برادریت مساوات اس کو خاص فوقیت بخشتی ہے۔

سوال ۳: کیا مذہب اسلام میں روحانی و دماغی بلوغیت حاصل ہوسکتی ہے اور انسان اس سے اعلیٰ قوتیں حاصل کر کے اعلیٰ مرتبت اور انجام کو پہنچ سکتا ہے؟

جواب ۳: اسلام کے طرز مراقبہ وعمل سے ضرور روحانی و دماغی بلوغیت حاصل اور انسان اعلیٰ مرتبہ اور نجات کو حاصل کرسکتا ہے۔ بہت کافی اشخاص اس کا تجربہ کر چکے ہیں۔

سوال ۴: کیا مذہب اسلام کی ہدایات عملی آسائش بخش اور منافع خلائق ہیں؟

جواب ۴: اسلام کی تقریباً تمام ہدایات عملی ہیں اور وہ بہ غرض رفاہ عام ہیں جو ہدایات ظالمانہ معلوم ہوتی ہیں ان کے سمجھنے میں غلطی ہے اور ممکن ہے اس وجہ سے کسی کے عمل میں بھی غلطی ہوتی ہو ورنہ وہ ایسے ہیں جیسے جراحی کا کام' جس کی نیت کی نسبت الزام نہیں لگایا جاسکتا ہے۔

سوال ۵: کیا مذہب اسلام ظلم اور تشدد کی اجازت دیتا ہے؟

جواب ۵: مذہب اسلام کبھی ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔ اس بارے میں بھی جو غلط فہمی ہے جیسی متذکرہ بالا۔

سوال ۶: کیا اسلام سائینٹیفک مذہب ہے؟

جواب ۶: وہ کسی طرح سائینٹفک معلوم نہیں ہوتا۔

سوال ۷: کیا جانوروں کی قربانی اسلام کو عظمت سے باز رکھتی اور گائے کی قربانی کبھی جائز ہوسکتی ہے؟ **جواب ۷**: سچی قربانی ہر مذہب میں جائز ہے اور صرف گائے کی نہیں بلکہ ہر انسان اور اپنے عزیز ترین اولاد کی بھی۔

سوال ۸: کیا مذہب اسلام میں آزاد خیالی کی گنجائش ہے؟

جواب ۸: مذہب اسلام میں اگر آزاد خیالی کی گنجائش نہ ہوتی تو وہ ہرگز عملی مذہب نہیں ہوسکتا تھا۔

سوال ۹: کیا مذہب اسلام میں کوئی ایسی بات ہے جو کسی دوسرے مذہب میں

موجود نہیں ہے؟ **جواب ۹**: اسلام میں کئی ایسی باتیں ہیں جو دیگر مذاہب میں نہیں ہیں۔ مثلاً رسم اخلاق' مستورات کا حق وراثت' مساوات' قبولیت تبلیغ وغیرہ دیگر مذاہب میں نہیں ہیں۔ اگر ہیں تو حال میں شامل کئے گئے ہیں۔

سوال ۱۰: کیا مذہب اسلام میں انسان کو دیگر انسان وحیوانات کی خدمت میں اپنے آپ کو قربان کرنے والے اشخاص کی مثال ہیں اور اسلام نے کبھی ایسے اشخاص پیدا کئے ہیں؟ **جواب ۱۰**: مذہب اسلام کی تواریخ میں نہ محض انسان کی خدمت کیلئے جان دینے والے اشخاص کے کارنامے ہیں بلکہ چھوٹے کیڑوں کیلئے بھی تکلیف اٹھانے والے اشخاص کی مثالیں ہیں۔ ہارون رشید' حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کارنامے کیا اعلیٰ درجے کے ہیں۔

یہ صرف چند سوالات جو بعض اوقات مجھ سے اہل ہنود اور نیز مسلم نے کئے ہیں۔ جوابات ہو بہو تحریر ہیں۔ ایسے بہت سے سوالات کئے جاتے ہیں اور کئے جا سکتے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا اگر مذہبی مباحثات مہذبانہ اور غیر متعصبانہ طریقے سے کئے جاتے۔ اہل ملک کو ان سے بے حد نفع پہنچتا اور دنیا میں تکالیف کی بہت کمی ہو جاتی۔

(منقول از اخبار ''العدل'' گوجرانوالہ مورخہ ۱۹ دسمبر ۲۷ء)

ڈاکٹر اسپرنگر ''سیرت محمدی'' میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت تیز فہم' عقیل' صائب الرائے اور اعلیٰ خاندان تھے۔

کاؤنٹ ٹالسائی روسی فلاسفر لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان شاندار مصلحین امت سے ہیں جنہوں نے اتحاد امت کی بڑی خدمت کی ہے۔ ان کے فخر کیلئے یہ بالکل کافی ہے کہ انہوں نے ایک وحشی قوم کو نور حق کی ہدایت کی۔

رومن صاحب ''تذکرۃ المسیح'' میں لکھتے ہیں کہ آپ فقط صاحب علم ہی نہ تھے بلکہ صاحب علم بھی تھے۔ آپ نے اپنے اعمال کے نمونے سے امت کو عمل کی ہدایت فرمائی۔

چنانچہ جیسی انسانی اور مروت مسلمانوں میں ہے وہ شاذ و نادر ہی کسی قوم میں پائی جاتی ہے۔

پادری کنین ایزک ٹیلر کہتے ہیں کہ بانی اسلام نے مذہب کا اصل الاصول خدا کی وحدانیت اور عظمت کو قرار دیا ہے۔ رہبانیت اور خانہ نشینی کو موقوف کر کے بہادری اور جواں مردی قائم کی۔ انسانوں میں اخوت کی روح پھونکی۔ فطرت انسانی کی ضرورت کو تسلیم کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام کے اخلاق ہم سے بڑھے ہوئے ہیں۔ وغیرہم۔

گاڈفری ہیگنس لکھتے ہیں کہ عیسائی مذہب میں اخلاق کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو بانی اسلام کی تعلیم میں نہ پایا جاتا ہو۔ جب ایک فیلسوف اور حکیم سب مذاہب پر غور کرتا ہے تو دین اسلام کی خوبی سادگی کو دیکھ کر دل ہی دل میں پشیمان ہوتا ہے کہ میرا مذہب ایسا کیوں نہ ہوا؟ مجھ کو کوئی مذہب ایسا معلوم نہیں ہوتا جو سخت خرافات اور پیچیدہ مسائل سے پُر نہ ہو مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب بہت سادہ اور حکیمانہ ہے۔

موسیو میون راس تھرنی کہتے ہیں کہ اسلام ایک جامع الکمالات قانون ہے جس کو انسانی طبعی اقتصادی اور اخلاقی قانون کہنا بالکل بجا ہے۔

زمانہ حال میں جتنے قوانین نوع انسانی کی فلاح کیلئے وضع کئے گئے ہیں وہ سب اس مقدس مذہب میں سب سے پہلے موجود ہیں۔

پروفیسر بارلیسن کہتے ہیں کہ کوئی چیز عیسائیوں کو اس گمراہی سے نہیں نکال سکتی سوائے اس آواز کے جو سرزمین عرب سے غار حرا کی طرف آئی اور جس نے ایسا عمل پیرایہ اختیار کیا جس سے بہتر ناممکن ہے۔ (منقول از رسالہ جمیل مظفرنگر بابت جنوری ۳۸ء)

قرآن کریم کی عظمت و وقعت

فرانس کے مشہور مستشرق موسیو سیدیو کے قلم سے

قرآن کیا ہے؟ قرآن ایک واجب التعظیم کتاب ہے جس نے بتایا ہے کہ خدا کے حقوق بندوں پر کیا ہیں اور بندوں کے حقوق اور تعلقات خدا سے کس قسم کے ہونے

چاہئیں۔ اس میں فلسفے اور اخلاق کی ہر قسم کی باتیں مذکور ہیں۔ فضل و کمال، عیب و نقصان، حقیقت اشیاء، عبادات و اطاعت، گناہ و معصیت، کوئی بات ایسی نہیں ہے جس کا قرآن جامع نہ ہو۔ واقعات کے اعتبار سے اس کی آیتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتی رہی ہیں اور یہی ایک چیز تھی جس نے تمام عرب میں قومیت کی روح پھونک دی۔ جنگجو قبائل میں اتفاق و اتحاد کی بنیاد ڈال دی اور دنیا میں ایک عالم گیر رابطہ اخوت پیدا کر دیا۔ وہ آداب و اصول جو فلسفہ و حکمت پر قائم ہیں جن کی اساس عدل و انصاف پر مبنی ہے، جو دنیا کو بھلائی اور احسان کی تعلیم دیتے ہیں ان میں سے ایک جزو بھی ایسا نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ وہ اعتدال و میانہ روی کا سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ ضلالت و گمراہی کے گڑھے سے نکالتا ہے۔ اخلاقی کمزوریوں سے بچا کر فضائل و عزت کی روشنی میں لاتا ہے اور انسانی زندگی کے نقائص کو کمالات سے بدل دیتا ہے۔

جو جہلاء اسلام کو وحشیانہ مذہب کہتے ہیں ان کے سیاہ قلب ہونے کی یہی ایک بڑی دلیل ہے کہ وہ قرآن کی ان صریح آیات کو بالکل نہیں دیکھتے جن کے اثر سے عرب کی تمام بری اور معیوب عادتیں جو مدت ہائے دراز سے تمام ملک میں رائج تھیں۔ ایک دم مٹ گئیں۔ (منقول ''الانصار'' دیوبند۔ مورخہ ۱۶ جنوری ۲۸ء)

شق القمر کی تصدیق

ایک ستارے کے دو ٹکڑے ہو گئے

لندن ۲۸ مارچ (پانیر کا خاص تار) سائنس دانان لندن آج کل اس خبر میں بے حد دلچسپی لے رہے ہیں جو کیپ ٹاؤن سے اس مطلب کی موصول ہوئی ہے کہ ''لوذا پکٹور یس'' نامی ستارہ جو دنیا کے ستاروں میں بہ لحاظ عظمت و شان گیارہویں درجے کا ہے۔ مگر بغیر مدد آلات آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ وہ پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا ہے۔

اصلی خبر ریاست ارجنٹینا کی رصدگاہ لافلاٹا سے بایں مفہوم آئی تھی کہ ایک عجیب صورت کا جدید ستارہ دکھائی دیا ہے اس خبر کی تصدیق کیلئے جو رصدخانوں میں مشاہدہ کیا گیا اور ستارے کے پھٹنے کا حال معلوم ہوا۔ چنانچہ مشاہدات سے یہ خبر پایہ تصدیق کو پہنچ گئی اور جنوبی افریقہ کے رصدخانوں میں ۲۶ انچ والی دوربین کے ذریعے سے دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ واقعی ستارے کے دوٹکڑے ہوگئے ہیں۔

اس معاملے کی جنوبی افریقہ میں نہایت محنت و جان کاہی سے تحقیقات کی جائیں گی۔ کیونکہ ممکن ہے اس کے ذریعے سے ترکیب و مادہ کائنات کا کچھ حال معلوم ہوسکے۔

لیکن ابھی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کو اس واقعے کا یقین نہیں آیا۔ چنانچہ رائل سوسائٹی کے ممبر ڈاکٹر جے ایچ جینسن سے جب یہ حال بیان کیا گیا تو فرمانے لگے کہ یہ واقعہ ہرگز قابل یقین نہیں۔ ممکن ہے ایسا ہوا ہو کہ کوئی دوسرا ستارہ جو ابھی تک نظر نہیں آیا تھا۔ گردش کرتا ہوا ''لوڈا پکٹورلیس'' کے قریب آگیا ہو۔ شاہی نجومی کا بیان ہے کہ جب تک معاملے کی کافی تحقیقات نہ کرلی جائے اس وقت تک کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

بہرحال شق القمر کی اس ستارے کے دو ہوجانے سے علم ظاہری بھی تصدیق کرتا ہے۔ کثرت سے اس کا قائل ہوجانا اور متردد کا دعویٰ امتناع کا نہ کرنا استحالہ بلکہ استبعاد کی نفی کرتا ہے۔ پھر انضمام روایت صحیحہ کے بعد سہولت سے وقوع ثابت ہوتا ہے۔

(منقول از ''مشرق'' ۱۹ اپریل ۲۸ء)

مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہنا ممکن ہے

ڈاکٹر امیروز جان ولسن نامی ایک محقق نے جو کوینز کالج آکسفرڈ کے فیلو رہ چکے ہیں۔ پرنسٹن تھیولاجیکل ریویو میں حضرت یونس علیہ السلام کے تین روز تک شکم ماہی میں رہنے کے متعلق ایک مضمون شائع کرایا ہے اور اس واقعے کی نسبت جیسے سائنس دان طبقہ عام طور پر تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ ایسی شہادتیں بہم پہنچائی ہیں جن سے

ان کا وقوع و صدور ممکن ثابت ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ویلسن لکھتے ہیں کہ وہیل مچھلی کی ایک فرع اسی اسی فٹ لمبی ہوتی ہے اور ان مچھلیوں کا پیٹ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ بیک وقت کم از کم بیس انسان اس میں آرام سے کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اب تک یہ اعتراض کیا جاتا تھا کہ وہیل مچھلی کا حلق بہت تنگ ہوتا ہے اور اس میں کسی انسان کا سالم جانا غیر ممکن ہے۔

لیکن ڈاکٹر ویلسن کہتے ہیں سبرم وہیل کا حلق تنگ نہیں ہوتا اور اس میں سے نہ محض آدمی' بلکہ بڑی بڑی چیزیں بھی بہ آسانی اندر پہنچ سکتی ہیں۔ چنانچہ ایک مچھلی کا پیٹ چاک کیا گیا تو اس میں سے سولہ فٹ لمبی شارک مچھلی صحیح وسالم نکلی۔

انسان کے صحیح وسالم مچھلی کے پیٹ میں پہنچ جانے کا سوال تو اس طرح ہو گیا۔ لیکن دوسرا اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پیٹ کے اندر زندہ رہنا ممکن ہے؟ ڈاکٹر ویلسن اس کا جواب اثبات میں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ میں سانس لینے کیلئے کافی ہوا ہوتی ہے۔ البتہ درجہ حرارت وہاں زیادہ ہوگا۔

مثلاً ۱۰۴ درجہ فارن ہیٹ جو انسان کیلئے بخار کا درجہ ہے۔ تاہم اس میں زندہ رہنا ممکن ہے۔ ایک سوال یہ بھی ہے کہ معدے میں جو عرق ہوتا ہے وہ ہر شے کو بہ تدریج تحلیل کرتا ہے۔ ڈاکٹر ویلسن اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ کسی زندہ شے کو یہ عرق نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اگر ایسا ممکن ہو تو خود معدہ تحلیل ہو جائے۔

ان عقلی دلائل کے علاوہ واقعات بھی موجود ہیں۔ مثلاً بیان کیا جاتا ہے ۱۸۹۱ء میں ایک جہاز خاک لینڈ کے قریب وہیل مچھلیوں کا شکار کر رہا تھا۔ ایک موقع پر وہیل نظر آئی لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر اسے مارنے کیلئے دوڑے' ایک کشتی اُلٹ گئی اور اس کے ملاحوں میں سے ایک شخص جس کا نام ''جیمس بارٹلے'' تھا۔ غائب ہو گیا' وہیل ماری گئی' ملاح اسے جہاز پر لائے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے لگے' وہ دن بھر کام کرتے

رہے۔شام تک تجزیہ کا عمل ختم نہیں ہوا۔لہٰذا چھوڑ کر سو گئے۔دوسرے دن پھر صبح کام شروع کر دیا معدہ باہر نکالا گیا تو اس میں جیمس بارٹلے نکلا۔وہ زندہ تھا۔مگر اس کے جسم کی جلد بالکل سفید ہوگئی تھی اور عمر بھر سفید رہی۔چودہ روز تک اس کے ہوش و ہواس معطل رہے۔مگر بعد میں حالت درست ہوگئی۔یہ واقعہ سب کے نزدیک مسلم ہے۔

امریکا کے ایک آدمی ''مارشل جنکنس'' کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بھی وہیل مچھلیوں کے شکار کیلئے گیا ہوا تھا اس کی کشتی بھی الٹ گئی تھی اور وہیل نے اس کو نگل لیا۔شکاری اس کے پیچھے لگے رہے۔جب اسے بری طرح زخمی کر دیا تو وہ سطح آب پر آگئی اور اس نے قے کی۔قے کے ساتھ ہی بہت سی کھائی ہوئی چیزوں کے علاوہ مارشل جنکنس بھی باہر آپڑا اور وہ زندہ تھا۔ان واقعات کے بعد شکم ماہی میں زندہ رہنے کے امکان کا مسئلہ یقینی طور پر طے ہو جاتا ہے مگر متشککین اب بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ یہ واقعات محض حسن اتفاق کا نتیجہ تھے۔(انقلاب)

نوٹ۔لیکن اتفاق بھی ہمارے مدعا کا تو مثبت ہے یعنی وقوع احیانا کیونکہ استمرار وقوع کا تو ہم بھی دعویٰ نہیں کرتے۔(منقول از ''صداقت'' میرٹھ۔۲۹ اپریل ۱۹۲۸ء)(اشرف علی)

مناقب نبوی کا گلدستہ

فاضل واہل قلم معزز ہندوؤں کے ہاتھ سے اخلاق کریمانہ

رحمت عالمیاں اور کمالات نبوی کا غیر مشتبہ بیان

اللھم صل وسلم علی رسوله الکریم وعلی اله واصحابه اجمعین

میلاد نمبر میں بہت کچھ تلاش وجستجو کے بعد ہم نے مناقب نبوی کا یہ گلدستہ تیار کیا ہے جس میں کسی مسلمان کا ہاتھ نہیں۔بلکہ یہ گلدستہ ان مضامین سے تیار کیا گیا ہے جو یا تو ہندوؤں کے قلم سے لکھے گئے یا انہوں نے تقریر میں فرمائیں۔اُمید ہے کہ برادران وطن بالخصوص آریہ سماجی اس مضمون کو غور سے پڑھیں گے اور بدلگام اور

متعصب لوگ اپنی ہذیان سرائی سے باز آجائیں گے۔

مسٹر گووند جی ڈسائی' مسٹر گووند جی ڈسائی گجرات کے ایک فاضل ہندو تعلیم یافتہ ہیں۔ آپ نے گزشتہ سال اسی ماہ میں ایک مضمون اسلام اور اہنسا پر تحریر فرمایا تھا۔ اس مضمون کو گاندھی جی نے اپنے اخبار ''ینگ انڈیا'' میں درج کیا تھا۔ آپ نے اس مضمون میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں عقیدت کے جو پھول برسائے ہیں وہ آپ کے الفاظ میں حسب ذیل ہیں۔

انسانی شرافت

یہ امر واقعہ ہے کہ ذاتی طور پر رسول عربی ایک ایسے شخص تھے جن میں بڑی انسانیت اور شرافت تھی۔ آپ کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ آپ اپنے سے کم درجہ کے لوگوں سے بڑی رعایت کرتے تھے اور آپ کا کمسن غلام چاہے کچھ ہی کرتا تھا آپ اس کا مضحکہ اڑانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ آپ کے خادم ابن عباس کہتے ہیں کہ میں دس سال آپ کی خدمت میں رہا لیکن آپ نے مجھے لفظ اف تک نہیں کہا۔ آپ نے مجھ سے کبھی یہ نہیں کہا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اور نہ کبھی یہ کہا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟

بچوں پر شفقت

آپ بچوں سے بڑا انس رکھتے تھے۔ آپ ان کو راستے میں روک لیتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ آپ بچوں کے ساتھ اچھلتے کودتے تھے اور ان کے کھلونوں سے کھیلتے تھے۔ آپ نے عمر بھر کسی کو نہیں مارا۔ آپ نے شدید ترین الفاظ جو کبھی مخالفین مذہب کے متعلق کہے۔ یہ تھے کہ ''اسے کیا ہے؟ خدا کرے کہ اس کا چہرہ خاک آلود ہو۔ جب آپ سے کہا گیا کہ فلاں شخص کو بددعا دیں تو آپ نے جواب دیا کہ میں بددعا دینے کیلئے نہیں بھیجا گیا ہوں۔ بلکہ انسانوں کے ساتھ رحم کا سلوک کرنے آیا ہوں۔ آپ بیماروں کی مزاج پرسی کرنے جاتے اور جو جنازہ آپ کو ملتا تھا آپ اس کے ہمراہ

ہو لیتے تھے۔ آپ ایک غلام کی شرارت بھی برداشت کر لیتے تھے۔ اپنے کپڑے خود دھوتے اور پیوند لگاتے تھے اور اپنے جوتوں کی خود مرمت کرتے تھے۔ مصافحہ کرتے وقت آپ اپنا ہاتھ پہلے نہیں ہٹاتے تھے اور نہ آپ کسی اجنبی کے ساتھ باتوں کا خود خاتمہ کرتے تھے اور نہ آپ کسی کی بات سننے سے کان پھیر لیتے تھے۔ رسول عربی میں تمام انسانوں سے زیادہ انسانیت تھی۔ جب آپ اپنی والدہ کی قبر پر جاتے تو روتے تھے اور ان لوگوں کو رلاتے جو اس وقت آپ کے گردوپیش کھڑے ہوتے تھے۔

نبوت کا تاجدار جھونپڑیوں میں

جس قدر سادہ اطوار رکھتے تھے اسی قدر آپ مخیّر تھے۔ آپ اپنی بیویوں کے ساتھ جھونپڑیوں کی ایک قطار میں رہتے تھے۔ یہ جھونپڑے کھجور کی ٹہنیوں کے ذریعے جن پر مٹی لیپی جاتی تھی ایک دوسرے سے جدا تھے۔ آپ خود آگ جلاتے اور جھونپڑیوں میں جھاڑو دیتے تھے۔ آپ کے پاس جو کچھ کھانا ہوتا تھا اس میں سے ان لوگوں کو حصہ دیتے تھے جو آپ کے پاس جاتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کے مکان کے سامنے چبوترہ تھا اور اس پر ہمیشہ ایک تعداد ان غریبوں کی بیٹھی رہتی تھی جن کا گزارہ بالکل آپ کی خیرات پر منحصر تھا اور اس لئے ان غریبوں کو اصحاب صفہ کہا جاتا تھا۔

آپ کا معمولی کھانا کھجوریں اور پانی یا جو کی روٹی ہوتی تھی۔ دودھ اور شہد آپ کا سامان عشرت تھا اور ان دونوں چیزوں کے آپ بڑے شائق تھے۔ مگر آپ یہ چیزیں شاذونادر ہی استعمال کرتے تھے۔ جب آپ عرب کے بادشاہ بن گئے تو بھی آپ ریگستانوں کی سیاحت کو بہت پسند کرتے تھے۔ (لین پول)

غریبوں کا احترام

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غریبوں کو یہ کہہ کر درجہ تقدیس بخش دیا کہ غریبی آپ کا فخر ہے۔ آپ نے خدا سے دعا کی کہ آپ کو غریبی میں رکھے۔ آپ کو حالت غریبی میں

موت دے اور حشر کے دن آپ کو غریبوں میں اٹھائے۔

ایک شخص نے آپ سے کہا کہ خدا کی قسم! میں آپ کے ساتھ محبت رکھتا ہوں آپ نے اس سے جواب میں فرمایا کہ اگر تم صادق ہو تو غریبی کیلئے تیار ہو جاؤ۔ کیونکہ جو لوگ مجھ سے محبت کرتا ہے غریبی اس کے پاس بہت زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ سمندر کی رو کی طرح پہنچتی ہے اور آپ نے کہا کہ غریبوں کو اپنے پاس آنے دو۔ کیونکہ اسی وجہ سے اللہ تم کو اپنے پاس بلائے گا۔ پھر آپ نے کہا کہ میرے اطمینان دل کو تمام غریبوں اور حاجت مندوں میں پا سکتے ہو۔ تم عشرت وراحت سے دور رہو۔ کیونکہ اسلام کے خاص خادم جو اس کی عبادت میں لگے رہتے ہیں وہ عیش پرست نہیں ہوتے۔

بزرگی اور پیغامبری

آپ اس قدر منکسر مزاج تھے کہ آپ کسی کو اپنی نسبت اس سے کچھ زیادہ نہیں کہتے تھے کہ آپ خدا کے بندے اور اس کے پیغامبر ہیں۔ آپ اپنے دلی معتقدوں کو یاد دلاتے رہتے تھے کہ میں انسان سے بڑھ کر نہیں ہوں۔ اگرچہ آپ کا دعویٰ تھا کہ آپ خاتم النبیین اور سرآمد انبیاء ہیں۔ یعنی سب سے آخری اور سب سے بڑے نبی ہیں۔ مگر ساتھ ہی اپنے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ میں اور نیز باقی انسان اس وقت تک بہشت میں داخل نہ ہوں گے۔ جب تک کہ خدا آپ کو اپنی رحمت سے نہ ڈھانک دے گا۔ جہاں آپ نے ایک طرف یہ اعلان کیا کہ خود میں محض خدا کے فضل کی بدولت نجات پاؤں گا وہاں آپ نے انسانوں کو بھی تسکین دی کہ خدا کی رحم دلی اس کے غصے پر غالب آجاتی ہے اور یہ کہ خدا نے بہشت کے دروازے نام نہاد بے دینوں پر بند بھی نہیں کئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کسی بے دین کو معلوم ہو جائے کہ خدا کس درجہ رحیم ہے تب بھی اسے بہشت کی طرف سے مایوسی نہ ہونی چاہئے۔

مسٹر بھوپندر ناتھ باسو۔ مسٹر بھوپندر ناتھ باسو بنگال یونیورسٹی کے چانسلر اور انڈیا

کونسل کے ممبر تھے۔ نیز بنگال کے ان مسلمہ لیڈروں اور فاضل اہل قلم میں سے تھے جن کی مثالیں ہندوستان میں تقریباً نایاب ہیں۔ آپ ہندوؤں کی ذات پات کی خرابیاں بیان کر کے تحریر فرماتے ہیں میری رائے میں نوع انسان کی برائیوں کے ۱۰/۹ حصے کو اس فرضی ومصنوعی برتری کے تصورات سے منسوب کیا جاتا ہے جو اپنی زعم ناقص میں ایک طبقہ دوسرے طبقے کی نسبت رکھتا ہے اور ایک آدمی دوسرے شخص سے اور ایک قوم دوسری قوم سے اپنے آپ کو افضل سمجھتی ہے۔ یہ مصنوعی عدم مساوات جو خرابیاں ظہور میں لا سکتی ہے۔ مقدس پیغمبر کے وقت میں بھی موجود تھیں لیکن مذہبی تعلیمات کی صحت بخش سپرٹ کے تحت میں ذاتی مثال ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی قوم پیدا کی جس میں افریقہ کا سیاہ فام فرزند کسی عربی قبیلے کے مغرور ترین سردار کا ہم پلہ متصور ہوتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ سچی جمہوریت کا ولولہ رواداری ومساوات کی خوبیاں اس نے دنیا کے ہر ایک گوشے میں پھیلا دی۔ پیغمبر اسلام نہ صرف ان محاسن کی تبلیغ کرتا تھا بلکہ خود بھی ان پر عامل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں آج باوجود اس مقدس بزرگ (پیغمبر) کے انتقال کو تیرہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے ایک خاکروب بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو کر کسی بڑے سے بڑے خاندانی مسلمان سے مساوات کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

مسٹر بین چندر پال

مسٹر بین چندر پال ہندوستان کے مشہور اہل قلم اور بنگال کے خاص مایہ ناز فرزند ہیں۔ اسلامی رواداری پر ایک طویل مضمون میں رقم طراز ہیں۔ اسلام نے یہاں آ کر ہمیں جدید آئین وقوانین سے روشناس کیا۔ نئے طریقہ ہائے انتظام بتائے۔ حکومت کے جدید اغراض ومقاصد سے واقف بنایا اور ہندوستان کے مختلف افراد اور مختلف صوبوں میں ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جو پیشتر کی نسبت کہیں زیادہ وسیع واقتصادی

مفاد و مقاصد کی عامل تھی۔ مسلمانوں کی انگریزوں کی آمد سے ایک مدت پیشتر ہی ہندوستان کی سلطنت کو منظم اور قوم کو متحد کرنے کا فخر و شرف حاصل کر لیا تھا۔

اسلام کی سیاسی صورتحال کے متعلق مسٹر امیر علی لکھتے ہیں کہ ان چند سالوں میں جب کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز تھے اسلام نے سیاسی طور پر بنی نوع انسان کو اتنے حقوق عطا کئے جو رومیوں اور دیگر اقوام نے صدیوں میں بھی اپنی رعایا کو نہ دیئے تھے۔ اسلام نے ٹیکس کو محدود کر دیا۔ قانوناً سب انسانوں کو ایک دوسرے کے مساوی بنا دیا۔ حکومت خود اختیاری کے اصول کی ترویج کی۔ بادشاہوں کے اختیارات پر پابندی عائد کیں۔

گاندھی

گاندھی نے جیل سے باہر آ کر تجربات جیل کے سلسلے میں ارقام فرمایا ہے کہ "سیرۃ النبی (مصنفہ علامہ شبلی مرحوم) کے مطالعے سے میری اس عقیدے میں مزید پختگی اور استحکام آ گیا کہ اسلام نے تلوار کے بل پر کائنات انسانی میں رسوخ حاصل نہیں کیا تھا۔ بلکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی سادگی، انتہائی بے نفسی، عہود و مواثیق کا انتہائی احترام، اپنے رفقا و متبعین کے ساتھ گہری وابستگی، جرأت بے خوفی، اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسا اور اپنے مقصد و نصب العین کی حقانیت پر کامل اعتماد اسلام کی کامیابی کے حقیقی اسباب تھے جو ہر مشکل اور ہر کاٹ کو اپنی ہمہ گیر زد میں بہا لے گئے۔

(منقول از الامان ۲۸، اگست ۲۸ء)

سائنسدانوں کے قول سے فنائے دنیا کا دفع استبعاد

قیامت کے آثار

برطانیہ کے مشہور ہیئت دان پروفیسر جے ایچ جنیز کا خیال ہے کہ سورج کا چراغ گل ہونے والا ہے۔ اس کے بعد زمین اس درجہ سرد ہو جائے گی کہ کوئی

ذی روح ہستی اس پر زندہ نہ رہ سکے گی۔

فرانس کے ایک ماہر فلکیات مسٹر بالدے کا خیال ہے کہ زحل ستارے میں سے آگ کے بڑے بڑے گولے نکل کر فضا میں پھیل رہے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک آدھ گولہ کسی روز زمین سے ٹکرا کر اسے فنا کر دے گا۔ پروفیسر جنیئر کی رائے میں سورج کا حرارتی زندگی بالکل قریب الاختتام ہے۔ (منقول از اخبار "العدل" گوجرانوالہ ۲۹ اگست ۲۸ء ص ۱۱)

ایک فرانسیسی مصنف کے خیالات
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق

ایک غیر مسلم فرانسیسی مصنف لکھتا ہے: میں نے پادریوں کی کتابوں میں پڑھا تھا کہ قرآن (معاذ اللہ) ایک جھوٹی کتاب ہے اس وجہ سے مجھے اس کے پڑھنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس کے پڑھنے کے بعد مجھے ایک بات نے مجبور کر دیا کہ اسے جھوٹا نہ کہوں اور وہ یہ ہے کہ جو شخص کوئی جھوٹ بولتا ہے اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ یا تو وہ روپیہ جمع کرنا چاہتا ہے یا اسے اپنی قوم کو فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ یا ذاتی طور پر کوئی نفع اٹھانا چاہتا ہے۔ میں نے قرآن کو شروع سے لے کر اخیر تک پڑھا ہے۔ مگر کوئی مقصد ایسا نظر نہیں آیا۔ اگر اس میں ایسی تعلیم دی جاتی جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دولت جمع ہو جاتی یا ان کی قوم کو دوسروں پر ترقی دی جاتی یا کوئی اور ذاتی یا قومی فائدہ حاصل کرتا تو میں سمجھتا وہ شخص فلاں غرض کیلئے جھوٹ بولتا ہے مگر قرآن میں ایسی باتوں سے کوئی بھی نظر نہیں آتی۔ بلکہ شروع سے آخر تک یہی ذکر ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ اس کی رضا حاصل کرو۔ اس کے حکم کے خلاف کوئی بات نہ کرو۔ اس کا قرب حاصل کرو اور جب ہم اس انسان کی ذات کی طرف دیکھتے ہیں جس نے یہ باتیں بیان کیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جو بات بھی وہ شروع کرتا ہے اسے جھوٹا تو ہم نہیں کہہ سکتے۔

اگر اس کا نام جنون رکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اسے خدا کی محبت کا جنون تھا۔

یہ وہ شہادت ہے جو ایک غیر مسلم فرانسیسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ان کی لائی ہوئی کتاب قرآن مجید کے متعلق دی ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے قرآن کو اس نظر سے دیکھا کہ اس کے ہم قوم اسے جھوٹی کتاب کہتے تھے۔ لیکن وہ غیر متعصب ضرور تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اگر بانی اسلام کو جنون تھا تو وہ خدا کی محبت کا جنون تھا۔ (منقول از اخبار ''مشرق'' گورکھپور ۳۰ اگست ۱۹۲۸ء)

کفر میں اسلام

(مولانا غازی محمود دھرم پال کی تقریر انجمن اسلامیہ گورکھپور میں)

آج میرا مضمون ''کفر میں اسلام'' ہے۔ معلوم نہیں اس عنوان کو دیکھ کر آپ نے اپنے دل میں کیا خیال کیا ہوگا۔ مگر میں نے یہ مضمون پسند کرتے وقت اس کے دو پہلو مدنظر رکھے تھے۔ ایک تو یہ کہ اگر کوئی شخص اسلام کو ترک کر کے کفر میں چلا جائے تو کفر کی حالت میں اس کو اسلام کیا نظر آتا ہے؟ اور خود کفر کا اس پر کیا اثر ہوتا ہے؟ کفر اور اسلام دونوں کا مشاہدہ و تجربہ کر کے وہ شخص اپنے لئے آخری فیصلہ کیا کرتا ہے؟ آیا وہ یہ پسند کرتا ہے کہ کفر میں ہی ختم ہو جائے؟ آیا کفر کا مزہ لے کر اور اس کی تلخی کا اسلام کی حلاوت سے مقابلہ کر کے از سر نو اسلام میں واپس آنے کی تمنا کرتا اور آخر کار واپس آجاتا ہے؟ ظاہر ہے کہ مضمون کے اس پہلو پر وہی شخص روشنی ڈال سکتا ہے جس نے اپنی زندگی میں کفر اور اسلام دونوں کی تلخی و حلاوت کا تجربہ و مشاہدہ کیا ہو۔

مضمون کا یہ پہلو اگرچہ زیادہ دلچسپ ہے اور میں اس بات کا مستحق ہوں کہ اپنے تجربے اور مشاہدے کی بنا پر اس پر روشنی ڈال سکوں۔ مگر میں اس پہلو کو یہاں پر قطعاً نظر انداز کر جاؤں گا اور اس کو کسی ایسے مقام کیلئے ملتوی کر دوں گا جہاں مسلمانوں کو یہ

خطرہ محسوس ہو رہا ہو کہ وہاں پر کوئی یا کئی مسلمان فتنہ ارتداد کا شکار ہو کر اسلام کو ترک کر کے کفر میں جانے کیلئے تیار ہوں۔ چونکہ آپ کے شہر میں اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔اس لئے میں کفر میں اسلام کے اس پہلو کو یہاں پیش کرنا بے محل سمجھتا ہوں۔

میں صرف اس کے دوسرے پہلو پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں جس کفر کے ساتھ اسلام کی جنگ ہے۔آیا وہ کفر فی الحقیقت ایسا کفر ہے جو اسلام سے قطعاً خالی ہو؟ اسلام سے قطعاً دور و محروم ہو؟ یا اس میں اسلام کا کوئی جز وایسا بھی موجود ہے جس کی بنا پر ہم اہل کفر سے اپیل کرنے کا حق رکھ سکتے ہوں کہ اگر تم اس اسلام کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہو جو ہم تمہارے سامنے پیش کرتے ہیں تو کم از کم اس اسلام کو یا اسلام کے اس جز کو تو تسلیم وقبول کرو جو تمہارے نزدیک اس چیز میں موجود ہے جس کو ہم ''کفر'' کہتے ہیں یا تم ''غیر اسلام'' سمجھتے ہو۔

حضرات! آپ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ ''کفر میں اسلام'' کا یہ پہلو آپ کے نزدیک بالکل نئی چیز معلوم ہوگی مگر نہیں' یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اسلام کی مقدس کتاب قرآن پاک نے بہ طور ایک بنیادی اصول کے دنیا بھر کے اہل کتاب کو یہ دعوت دے رکھی ہے کہ

قل یا اھل الکتب تعالوا الی کلمۃ سو آء بیننا وبینکم (آل عمران ۶۴)

یعنی اے میری کتابوں کے ماننے والو! اے الہامی کتابوں پر ایمان رکھنے والو! آؤ میں تم کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ باتیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہیں۔ ہم دونوں مابہ الاشتراک باتوں پر متفق و متحد ہو جائیں۔ اتفاق و اتحاد کا یہ مسئلہ ہندوستان کی موجودہ حالت میں جس قدر ضروری ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ کانگریس' خلافت' مسلم لیگ' ہندو مہا سبھا وغیرہ جملہ تحریکیں ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد کیلئے کوئی نہ کوئی سمجھوتہ کرنے کے درپے ہیں مگر وہ سمجھوتہ سیاسی حقوق کو کہا ہے۔ ہم اس سمجھوتے کے برخلاف نہیں ہیں۔ہم کہتے ہیں کہ اگر سمجھوتے کا کوئی مشترکہ محاذ

مل جائے تو وہ ہر حالت میں لبیک وسعدیک کہنے کے قابل ہے۔ میں خود اسی مشترکہ محاذ کی تلاش میں ہوں۔ مگر میری جستجو سیاست کو لے کر کانگریس' خلافت یا لیگ کے پلیٹ فارم تک نہیں پہنچتی بلکہ وہ خالص دینی مسائل کو مذہبی اور تبلیغی اور اشاعتی پلیٹ فارم تک محدود ہے۔ میں اسی پلیٹ فارم سے یہ کوشش کر رہا ہوں کہ ہندو مسلم اتحاد کیلئے کوئی مشترکہ مذہبی محاذ مل جائے اور میں نہایت مسرت واطمینان کے ساتھ آج اس بات کا اعلان کروں گا کہ مجھے یہ مشترکہ محاذ مل گیا ہے اور اگر ہندو اور مسلمان اس مشترکہ محاذ پر آجائیں کہ ان دونوں کا مذہب ان کی مخالفت نہیں بلکہ مدد کرے گا۔ اس جدوجہد اور دعوت اشتراک میں ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ کون سا فریق اس مشترکہ محاذ پر آنے کیلئے تیار اور کون سا فریق مخالف ہے۔ میں اس مشترکہ محاذ کے متعلق آپ حضرات کو زیادہ دیر تک پریشان کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ میں بہت جلد اس کی تشریح کروں گا تاکہ آپ کا قیمتی وقت زیادہ خرچ نہ ہو۔

آپ جان سکتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے مذہب کی بنا پر قرآن مجید' حدیث پاک' فقہ' یا ائمہ و مجتہدین کے اجتہادات و قیاسات وغیرہ ہیں۔ اگر میں نے ۲۲ کروڑ ہندوؤں کے ساتھ ان مذہبی معاملات میں جن کے بارے میں وہ سات کروڑ مسلمانوں کے ساتھ برسرپرخاش رہتے ہیں۔ مذہب کی بنا پر کوئی سمجھوتہ کرنا ہو تو میں ان سے یہی کہوں گا کہ اے ہندوؤ! جن معاملات میں تم ہمارے ساتھ جھگڑا کرتے ہو' کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ ان تمام معاملات جن کے متعلق قرآن پاک' حدیث مقدسہ یا ہماری کسی فقہ کی کتاب کو بیچ میں رکھ کر ہمارے ساتھ فیصلہ کرلو۔ میں یقین اور شوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کے ۲۲ کروڑ ہندوؤں یا آریوں میں سے ہمیں ایک بھی ہندو یا آریہ ایسا نہیں ملے گا جو میری اس شرط کو ماننے کیلئے تیار ہو۔ بلکہ وہ یہی جواب دیں گے کہ تمہاری جن کتابوں پر ہمارا ایمان ہی نہیں ہے ہم ان کی بات کو اپنے لئے حکم

[illegible]

[illegible]

... ہماری کسی کتاب کی بنا پر کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے [illegible]

... اپنی کتاب کو جس پر تمہارا ایمان ہے اور جو ۲۲ کروڑ ہندوؤں کیلئے ایک [illegible]

جس کی بنا پر تمہاری سوسائٹی' تمہاری سوسائٹی کے قوانین' تمہارا دھرم اور اس کے لوازمات کی ہندوستان کے کونے کونے میں ترویج ہو رہی ہے۔

لو ہم اسی کتاب' تمہارے اس دھرم شاستر کو تمہارے سامنے پیش کرتے ہیں۔

آؤ! اپنے اس دھرم شاستر کو بیچ میں رکھ کر ہمارے ساتھ اختلافی مسائل کا فیصلہ کرو۔ یہ دھرم شاستر کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ یہ کسی غیر ہندو کی تصنیف نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے سب سے بڑے مقنن یا لا گور یعنی منو مہاراج کے فرامین کا مجموعہ ہے اور تمہارا اس پر ایمان ہے۔ اپنے اور تمہارے باہمی مناقشات کا فیصلہ کرنے کیلئے ہم دونوں اسی دھرم شاستر کو بیچ میں رکھ لیتے ہیں اور میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ جن امور متنازعہ کی بنا پر ہمارے اور تمہارے درمیان آئے دن سر پھٹول ہوتے رہتے ہیں ان امور متنازعہ کا جو فیصلہ یہ دھرم شاستر کردے مجھے وہ فیصلہ منظور ہوگا اور میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ فیصلہ ہندوستان کے ۷ کروڑ مسلمانوں کو بھی منظور ہوگا۔ بشرطیکہ ۲۲ کروڑ ہندو یا ان کا کثیر حصہ یہ اعلان کردے کہ وہ بھی اپنے دھرم شاستر کے اس فیصلے کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کیلئے تیار ہوں گے۔

مسلمانو! میں جانتا ہوں کہ میرے اس اعلان پر تمہارے دل میں عجیب ہیجان پیدا ہو رہا ہوگا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم مسلمان ہندوؤں کے دھرم شاستر کے فیصلے کو مان لیں مگر تمہارا یہ ہیجان اسی وقت تک ہے جب تک کہ تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ دھرم شاستر کیا کہتا ہے؟ جب تمہیں اس حقیقت کا پتہ لگ جائے گا تو تمہارے دل کی یہ کمزوری خود بخود رفع ہو جائے گی اور تم اپنے دل میں ایک نئی طاقت محسوس کرو گے اس

لئے کہ علم سے بڑھ کر کوئی طاقت دینے والی چیز نہیں ہے۔ یہ انگریزی میں تو مثل مشہور ہے کہ علم سے طاقت ہے۔ مضمون کو طول نہ دیتا ہوا اب میں تم سے کہتا ہوں کہ قرآن مجید نہیں، حدیث پاک نہیں، فقہ نہیں، بلکہ ہندوؤں کے دھرم شاستر کو بیچ میں رکھ کر تم ہندوؤں کے ساتھ اپنے بڑے بڑے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کی تیاری کرو اور بتاؤ کہ تم کس بات کا فیصلہ چاہتے ہو؟ کس بات نے تمہیں اور ہندو دونوں کو پریشان کر رکھا ہے؟ تم یقیناً یہی کہو گے کہ صاحب! گائے اور باجے کے سوال نے دونوں قوموں کو سخت پریشان کر دیا ہے۔ بہت اچھا! تو پہلے ان ہی دونوں سوالوں کا فیصلہ دھرم شاستر سے کر ڈالو۔ مگر گائے کے ساتھ سور کا معاملہ بھی شامل کرو کیونکہ یہ جانور بھی جھگڑے کی چیز یں رہا ہے۔

مسلمان کہتا ہے کہ میرے مذہب اور میری مذہبی کتاب نے گائے کو حلال اور سور کو حرام قرار دیا ہے۔ بہت ٹھیک، مگر ۲۲ کروڑ ہندوؤں کے نزدیک مستند منودھرم شاستر کیا کہتا ہے۔ اس کی بات بھی تو سن لو۔ منودھرم شاستر اپنے پانچویں ادھیائے کے شلوک ۱۴ اور ۱۹ میں نہایت شد و مد سے یہ فتویٰ دیتا ہے کہ چونکہ سور غلاظت خور جانور ہے۔ اس لئے قطعاً حرام ہے۔ لہٰذا جو شخص سور کا گوشت کھاتا ہے وہ بھشٹ ہو جاتا ہے یعنی بے دین ہو جاتا ہے اور پھر منودھرم شاستر اپنے اسی ادھیا کے اٹھارہویں شلوک میں یہ فیصلہ دیتا ہے کہ اونٹ کو چھوڑ کر باقی جس قدر جانور ایک طرف دانت رکھنے والے ہیں وہ سب حلال ہیں۔ بھکسن یعنی خوردنی ہیں۔ تم خود فیصلہ کر لو کہ ایک طرف دانت رکھنے والے وہ کون کون سے حیوان ہیں جن کو منودھرم شاستر نے حلال بتایا ہے؟ اور آیا ایسے جانوروں کی فہرست سے گائے، بھینس، بھیڑ بکری کوئی بھی بچ سکے؟ اور پھر اسی ادھیا کے شلوک ۴۲ میں منودھرم شاستر نے حلال جانوروں کی قربانی کی فضیلت پر زور دیا اور شلوک ۳۶ میں ایسے گوشت سے منع کیا ہے جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جو ایسے حلال یا ذبیحہ کے کھانے سے

انکار کرتا ہے وہ گناہ گار ہے۔ اب تم منو دھرم شاستر کے اس فیصلے کے ساتھ قرآن پاک کے اس قسم کا مطالعہ بھی کر جاؤ جس میں بتایا ہے کہ

حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر ومآ اهل لغیر الله به

یعنی مسلمانوں کیلئے مردار خون، سور کا گوشت اور ہر ایک وہ گوشت جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو حرام کر دیئے گئے۔ ادھر منو دھرم شاستر بھی فرماتا ہے کہ تمہارے لئے سور کا گوشت اور ہر ایک وہ گوشت جس پر خدا کا نام نہیں لیا گیا، حرام کر دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ سور کی حرمت اور گائے کی حلت اور حیوانی قربانی کا جو منو دھرم شاستر اور قرآن مجید کا مشترکہ مسئلہ ہے اور یہ وہ کلمہ سواء ہے جس کی طرف قرآن مجید نے دھرم شاستر ماننے والوں کو دعوت دی ہے۔

مسلمانو! اب میں تم سے پوچھتا ہوں کیا تم گائے کی قربانی، اور لحم خنزیر اور حیوانی قربانی کے متعلق منو دھرم شاستر کے فیصلے کو ماننے کیلئے تیار ہو؟ یقیناً اب تم میں سے ایک بھی ایسی آواز میں نہیں سنتا جو یہ کہنے کیلئے تیار ہو کہ تم دھرم شاستر کے فیصلے کو نہیں مانو گے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اب تمہیں علم ہو گیا ہے کہ دھرم شاستر کیا کہتا ہے اور علم ہی طاقت ہے اس علم کی اب تمہارے دل میں تقویت پیدا ہو گئی ہے۔ اور تم خم ٹھوک کروڑ ہندسوں کو یہ کہہ سکتے ہو کہ گائے اور سور کا معاملہ اگر قرآن مجید سے نہیں تو آؤ منو دھرم شاستر سے ہی حل کر لو۔ یہ کتنی بڑی طاقت سے بھری ہوئی آواز ہے کہ تم مسلم ہو کر غیر مسلم کے سامنے اس کی دینی کتاب سے بھی اسلام کا رس نچوڑ کر رکھ سکتے ہو۔

اس لئے تو میں نے کہا ہے کہ "کفر میں بھی اسلام موجود ہے" اگر اہل کفر اتنے ہی اسلام کو مان لیں جو ان کے کفر میں موجود ہے تو بھی ہمارا اور اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے مگر افسوس تو یہ ہے کہ جب ان کو پتہ لگے گا کہ کفر کا گنا اسلام کے بیلنے میں بیلا جا کر اسلام کا رس ٹپکا رہا ہے تو وہ اپنے اس گنے کو بھی چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ اب اس کا علاج نہ تو میرے پاس ہے نہ کسی حکیم یا ڈاکٹر کے پاس۔ بہت اچھا! اب ذرا مسجدوں کے سامنے

باجے کے سوال کو لے لو۔ منودھرم شاستر نے ناچنے گانے اور باجا بجانے کے کام کو حرام کا پیشہ بتادیا ہے اور فرمایا ہے کہ ''جو شخص یہ پیشہ کرتا ہو اس کے ہاتھ کا چھوا ہوا پانی تک نہ پیؤ اگر کوئی ایسے شخص کے ہاتھ کا پانی یا کھانا کھالے تو وہ تین دن تک فاقہ کرے۔''

اب جس پیشے ہی کو منو مہاراج نے حرام قرار دیا ہے اس پر عمل کرنا یا اس کو اپنا مذہبی شعار بنانا ہمارے ہندو دوستوں کی کتنی بڑی غلطی ہے۔ ان کو چاہئے کہ وہ مسجدوں کے سامنے باجا بجانے سے قبل اپنے دھرم شاستر کے چوتھے ادھیا کے ۱۵ اور ۶۴ شلوک کا اور اس کے بعد ۲۱۰ شلوک کا مطالعہ کرلیں جن میں کہ اس قسم کے پیشہ کرنے والوں کو مرنے کے بعد منودھرم شاستر نے جہنم رسید ہونے کی وعید سنائی ہے۔ آخر یہ کیا وجہ ہے کہ باجا بجانے کے پیشے کو منو مہاراج نے حرام قرار دیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ اس پیشہ کرنے والوں کیلئے جہنم رسید ہونے کا ڈر دیا ہے؟ اس لئے اور محض اس لئے کہ یہ چیز دنیا میں شر و فساد کی چیز ہے اور اس نے ہندوستان میں جو شر و فساد برپا رکھا ہے وہ ہمارے اور تمہارے سامنے ہے۔ مرنے کے بعد نہیں بلکہ ہم تو دیکھ رہے ہیں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہی کتنے ہی اہل ہند محض مسجدوں کے سامنے باجا بجانے کی پاداش میں موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں۔ تو کیا یہی وجہ نہیں ہے کہ اسلام نے باجا بجانے کو حرام قرار دیا ہے تو پھر جس چیز کو اسلام نے منودھرم شاستر دونوں حرام ہی قرار دیتے ہیں اس پر ہندوؤں کا اصرار کرنا اور مسلمانوں سے لڑنا بھڑنا کس قدر دھرم کا خون کرنا ہے۔

بہت اچھا! اب ذرا اور آگے بڑھو۔ سود خواری کا مسئلہ لے لو۔ مسلمانوں کے یہاں سود لینا حرام ہے۔ مگر ہندو لے رہے ہیں لیکن دھرم شاستر کیا کہتا ہے؟

دھرم شاستر اپنے چوتھے ادھیاء کے ۲۱۰ شلوک میں حکم دیتا ہے کہ ''جو شخص سود لیتا ہو اس کے گھر کا کھانا نہ کھاؤ''۔ پھر شلوک ۲۲۰ میں بتاتا ہے کہ ''سود خوار کے گھر کا کھانا ایسا ہی ہے جیسا کہ پاخانہ کھالینا'' پھر شلوک ۲۲۲ میں فرماتا ہے کہ ''جو شخص سود خوار

ے گھر کا کھانا کھالے وہ تین دن تک کا فاقہ کرلے''۔ یہ تو کھانا کھانے والوں کو سزا دی گئی مگر وہ جو سود لیتا ہے منودھرم شاستر اس کی سزا کیا مقرر کرتا ہے وہ بھی اسی کتاب میں موجود ہے میں نہیں چاہتا کہ اس کو سناؤں تم خود مطالعہ کرو۔

اب ذرا اس شدھی کو بھی لے لو جو آج کل ہندوؤں اور آریوں کا مرکز بن رہی ہے۔ اس قسم کی شدھی کو منودھرم شاستر نے صریحاً ممنوع قرار دیا ہے بلکہ ایک جگہ تو ایسی سزا تجویز کی ہے جو نہایت ہولناک ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جو عملی طور پر ۲۲ کروڑ ہندوؤں اور ۷ کروڑ مسلمانوں میں سر پھٹول کا باعث ہو رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا تصفیہ یا تو اس بات سے ہوسکتا ہے کہ ۲۲ کروڑ ہندو قرآن مجید کو حکم یا ثالث مان لیں۔ بہ صورت دیگر ۷ کروڑ مسلمان منودھرم شاستر کو ثالث مان لیں۔

ہندو چونکہ دل کے کمزور ہیں وہ قرآن مجید کو حکم یا ثالث نہیں مانیں گے مگر اسلام صفحۂ ہستی پر بہ طور شیر نیستان غراتا پھرتا ہے۔ وہ ہندو یا آریہ یا عیسائی کسی کی دینی کتاب سے ڈرنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ اس لئے اسلام ۲۲ کروڑ ہندوؤں کو دعوت دیتا ہے کہ اگر تم قرآن مجید کو ثالث نہیں مانتے ہو تو نہ سہی اگر تم حدیث یا فقہ کو ثالث نہیں مانتے ہو تو نہ سہی چلو ہم تمہارے تالیف قلوب کی خاطر اور اس نیت سے کہ ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد قائم ہو جائے۔ ہم تمہارے منودھرم شاستر کو بطور ثالث کے مان لیتے ہیں۔

وہ گائے' سور' باجا' سود خواری' گوشت خواری' بت پرستی' حیوانی قربانی وغیرہ کا جو فیصلہ کردے ہمیں منظور ہے اور ہوگا مگر کیا دھرم شاستر کے فیصلے کو ہندو بھی تسلیم کریں گے۔ میرا خیال ہے کہ جب ان کو پتہ لگے گا کہ ہمارے دھرم شاستر میں سے بھی اسلام نکل رہا ہے تو وہ اس دھرم شاستر کو بھی چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ اسی لئے تو میں نے کہا ہے کہ ''کفر میں بھی اسلام موجود ہے'' کاش! اگر اہل کفر اتنے ہی اسلام کو مان لیں جتنا کہ ان کے کفر میں موجود ہے تو یہ بھی از بس تعجب ہے۔

اب میں اس کے بعد میں آریہ سماج کے ساتھ مشترکہ محاذ پر چند کلمات کہوں گا وہ بھی اگر ہمارے ساتھ ان جملہ مسائل کا جو ہمارے اور ان کے درمیان مناقشت کا باعث بن رہے ہیں۔ کوئی فیصلہ کرنے کیلئے تیار ہوں تو ستیارتھ پرکاش سوامی دیانند کی کتاب مطبوعہ ۱۸۵۷ء کو ثالث مان کر میدان میں آجائیں۔

توحید' رسالت' بہشت' دوزخ' گوشت خواری' حیوانی قربانی' گائے کی قربانی وغیرہ مسائل کا جو فیصلہ یہ کتاب کردے آریہ سماج اس کو مان لے' ہم مسلمان تیار ہیں کہ اس پر دستخط کردیں۔ (منقول از مشرق' گورکھ پور ۱۰ جنوری ۱۹۲۹ء)

اِسلامی نماز کے عظیم الشان فوائد کا اعتراف

(مغرب کے نامور فلسفیوں اور پادریوں کی طرف سے)

مصر کے مشہور جریدہ المؤید (قاہرہ) میں ''فضیلة الصلاة'' کے عنوان سے ایک فاضلانہ مضمون شائع ہوا ہے جس میں فاضل مضمون نگار نے کافی مطالعہ و عرق ریز جستجو کے بعد نماز کی فضیلت میں مغربی فلاسفروں کے اقوال جمع کئے ہیں اور یہ دکھایا ہے کہ اسلام کے رکن اعظم نماز کے متعلق ان کے کیا خیالات ہیں اور وہ اس مقدس عبادت کو کن کن روحانی و مادی کمالات کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔

المؤید کے فاضل مضمون نگار لکھتے ہیں: یورپ جس کو اپنی تہذیب و تمدن کے عروج پر ناز ہے۔ مذہبی نقطہ نظر سے الحاد و زندقہ کا عظیم الشان مرکز ہے۔ آج ہم دنیا میں جس قدر الحاد پرستی دیکھ رہے ہیں۔ یورپ اس کا اولین سرچشمہ ہے لیکن قدرت کی اعجاز آفرینیاں دیکھو کہ اس الحاد آباد یورپ میں ایسی صداقت شعار ہستیاں بھی موجود ہیں جو اپنی کامل طاقت کے ساتھ حق و صداقت کی حمایت میں مشغول ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ موجودہ آزاد خیالی کے سیلاب کو جلد از جلد ختم کردینے کیلئے مضطرب و بے قرار ہیں۔ ہماری مراد ان علمائے مغرب سے ہے جو باوجود کافی آزاد خیال ہونے

کے مذہب کی ضرورت و عظمت کے قائل ہیں اور جن کا مسلک خود پرستی نہیں بلکہ خدا پرستی ہے۔ ان ہی راست باز روحوں میں سے بعض نے اسلامی نماز کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ ہم موجودہ حالات میں جبکہ الحاد بلادینی کی آندھیاں چل رہی ہیں اور ایمان کی شمع جھلملا رہی ہے۔ ان خیالات کی اشاعت ضروری سمجھتے ہیں۔

نماز اور یور ینڈ لیبان

معزز فلاسفر بورن لیبان فضائل نماز پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

میں نے کئی مرتبہ مسیحی و اسرائیلی نماز اور اسلامی نماز کا موازنہ کیا ہے تو ثابت ہوا کہ آخر الذکر طرز عبادت افضل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک اسلامی نماز بہت سی عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں خدا کی حمد وثنا اور تقدیس و تمجید ہے۔ نیز دعا اور عاجزانہ التجا ہے اور اس میں انکساری و فروتنی کا عجیب مظاہرہ ہے۔ میں التزاماً یوم جمعہ کو اسکندریہ کی جامع مسجد میں محض اسلامی نماز کی شان دیکھنے جاتا تھا۔ میں نے جب خطیب کے پر جوش خطبہ صفوف کی ترتیب اور رکوع و سجود کے اہتمام پر غور کیا تو میرے قلب پر عجیب اثر ہوا جو ناقابل بیان ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ اسلام مجھے آواز دے رہا ہے اور اس کی عبادت کا پر کیف نظارہ میری روح پر قبضہ کر رہا ہے۔ (دی لیکچر آف الیجرص ۴۶)

سینٹ ہیلر کا قول

روما کا مشہور پادری سینٹ ہیلر اپنی کتاب دعا (دی پرے) میں لکھتا ہے کہ میں نے جہاں جہاں اسلامی ممالک کا سفر کیا وہاں کی عبادت گاہوں کو ضرور دیکھا اس سلسلے میں اسلامی نماز پر بھی غور کرنے کا موقع ملا۔

میرے نزدیک یہ افضل ترین عبادت ہے۔ جب ایک خدا کا پجاری اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر اس کی خوشنودی چاہتا ہے اور اس کی حمد وثنا کے گیت گاتا ہے تو روح وجد میں آجاتی ہے۔ اس وقت وہ یقیناً اپنے مذہب سے قریب تر ہو جاتا ہے

تا آنکہ اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ اس کے حضور میں سربسجود نظر آتا ہے اس کا آخری نتیجہ روح کی طہارت اور قلب کی پاکیزگی ہے۔ مزید برآں اس عبادت میں ورزشی پہلو بھی نمایاں ہیں جس کا تعلق جسم کی تقویت سے ہے۔ میں نے دیکھا کہ نماز گزار ست' کاہل نہیں ہوتے۔ صبح کی بیداری عجیب اثر رکھتی ہے۔

پادری جیمس مولر کا بیان

مذہبی رہنما جیمس مولر تحریر فرماتے ہیں تعصب سے کام لینا آسان ہے لیکن سچ بولنا دشوار ہے۔ میں اس وقت دشوار منزل ہی کو اختیار کرتا ہوں۔ میں نے بارہا اپنے محمدی احباب سے گفتگو کی ہے اور ان کے عقائد کی تحقیقات میں مشغول رہا ہوں۔ تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اطاعت گزار ہیں اور ان کی ہر شے کو محبوب رکھتے ہیں۔ مسیحی دنیا کیلئے اس محبت میں ایک خاص سبب ہے۔

اسلامی آبادی کا ایک بیشتر حصہ آج بھی ایک اہم عبادت کا پابند ہے جس کا نام نماز ہے۔ محمدیوں کا عقیدہ ہے کہ نماز برائیوں سے روکتی ہے اور بے حیائی کے کاموں سے محفوظ رکھتی ہے۔ بہ ظاہر یہ عقیدہ درست نہیں معلوم ہوتا۔

کیونکہ اکثر نمازی بھی برائی کی طرف مائل نظر آتے ہیں لیکن تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ وہ شخص جو دن میں پانچ مرتبہ یعنی ایک ماہ میں ایک سو پچاس مرتبہ اپنے خدائے برتر سے پرہیزگاری کا عہد کرتا ہے اور گناہوں سے بیزاری کرتا ہے وہ ایک نہ ایک دن اپنے عہد میں کامل ہو جاتا ہے۔ اور واقعی پرہیزگار بن جاتا ہے۔

مسٹر کنگ کا خیال

مسٹر سی ایم کنگ رقم طراز ہیں انسان فطرتاً اس بات کا عادی ہے کہ جب دنیاوی کاموں اور مجلسی تفریحوں میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس کو اصلاح نفس کا خیال نہیں رہتا اور بعض تفریحوں میں لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنے پیدا کرنے والے کی

یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں جب اس بات پر غور کرتا ہوں کہ اسلام نے اپنے وفاداروں پر دن رات میں پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے۔

اور ان کو مجبور کیا ہے کہ وہ ہر حال میں اس اہم فرض کو ادا کریں تو مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ نماز ایک بہترین ذریعہ ہدایت ہے۔ جب ایک سچے عقیدے کا آدمی ہر طرف سے بے نیاز ہو کر خلوص و محبت کے ساتھ اپنے خالق کو یاد کرتا ہے اور اس کی تسبیح و تقدیس بیان کر کے اس کی خوشنودی چاہتا ہے اور اس قادر و قدوس سے استعانت طلب کرتا ہے تو اس کی روح ایک پاکیزہ حالت میں پہنچ جاتی ہے اور اس کے دل و دماغ سے نفس پرستی کا خبط دور ہو جاتا ہے۔

میں نے اعلیٰ پوزیشن کے مسلمانوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے اثر و اقتدار کے لحاظ سے ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور کم حیثیت آدمی ان سے بات کرنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتے لیکن جب نماز کا وقت آتا ہے تو ایک عظیم الشان آدمی بے تابانہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے اور اپنے غیر معروف بھائیوں کے ساتھ فریضہ نماز ادا کرتا ہے۔ اس نظارے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بے شک اس عبادت میں سادگی اور فروتنی کا سبق موجود ہے اور اس میں مساوات کی شان نظر آتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلامی رسول نے عجیب انداز سے امیر و غریب، ادنیٰ و اعلیٰ کو ایک صف میں جمع کیا اور مناسب طور پر غرور و نخوت کے طلسم کو پاش پاش کیا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ نماز ایک بہترین عبادت ہے۔ (ترجمہ درخلافت)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اوائل میں اسلام کے جانی دشمن تھے۔ ایک روز تلوار لے کر گھر سے نکلے کہ جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کر دیں۔ راستے میں معلوم ہوا کہ خود ان کی ہمشیرہ ایمان لا چکی ہے۔

انہوں نے پہلے اسی کا صفایا کرنے کا ارادہ کیا۔ جب بہن کے گھر میں داخل

ہوئے وہ قرآن کی تلاوت کر رہی تھی۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار اٹھائی بہن نے کہا: ذرا پہلے اس کو دیکھ تو لو پھر جو چاہے کر لینا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے وہ نوشتہ لے کر پڑھنا شروع کیا نوشتہ کیا تھا جادو کا تعویذ تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ پشیمان ہوئے اور ڈرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر پہنچے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بعد میں اسلام کے حق میں آپ نے جو خدمات ادا کیں ان کی تاریخ اسلام شاہد ہے۔

کچھ عرصہ ہوا ایک آریہ دوست نے جو بڑے اہل قلم بھی ہیں مجھ سے کانپور میں کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی ایسی اعلیٰ اور پاک ہے کہ مجھے اس میں کوئی رخنہ نظر نہیں آتا۔ اپنے داماد کے شہید ہونے کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کا ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا اور آپ نے اسے منظور کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مرہون احسان فرمایا۔ یہ بی بی بڑی پرہیزگار اور عابدہ تھیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں قرآن کا جو نسخہ مرتب کرایا تھا وہ اسی کی امانت میں رکھا گیا تھا۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کو بڑی محبت تھی۔

اُم سلمہ رضی اللہ عنہا

ام سلمہ اور اس کا خاوند ابوسلمہ اس پارٹی میں سے تھے جو مسماۃ سودہ اور اس کے خاوند کی طرح حبش کو ہجرت کر گئے تھے حبش سے واپسی پر دونوں میاں بیوی مدینہ کی ہجرت پر آمادہ ہو گئے مگر اُم سلمہ کے میکے والے مزاحم ہوئے اور زبردستی اسے ابوسلمہ سے کھسوٹ لے گئے۔ اتنے میں اس کی سسرال والے بھی آ پہنچے اور اس کے شیر خوار بچے کو اس کی گود سے لے بھاگے۔ بچاری ام سلمہ رات دن گریہ وزاری کرتی رہتی تھی۔ حتیٰ کہ ایک رشتہ دار نے رحم کھا کر اس کو اپنے خاوند کے پاس مدینہ پہنچا دیا۔ دو سال کے بعد اس کا خاوند لڑائی میں شہید ہوا اور حضرت نے اس کو عقد نکاح میں لے لیا۔ اس وقت اس کی عمر ۷۵ سال کی تھی۔ ۸۰ سال کے بعد اس کا انتقال ہوا۔

زینب رضی اللہ عنہا

یہ وہ بیوی ہے جس کی نسبت مخالفین طرح طرح کی چہ مگوئیاں کرتے ہیں۔ واقعات یہ ہیں زینب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ بیس سال کی عمر میں حضرت نے اس کی شادی زید بن حارث سے کی تھی۔ ہر چند زینب دل سے اس شادی پر راضی نہ تھیں مگر انکار بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

زید اصل میں بی بی خدیجہ کا ایک حبشی غلام تھا اور شروع ہی میں ایمان لا چکا تھا۔ بی بی خدیجہ نے اس کو غلامی سے رہا کر دیا اور اجازت دی کہ اپنے ماں باپ کے ہاں چلا جائے مگر اس نے بدستور آپ کے ہاں رہنا پسند کیا اور اپنے آپ کو اس قدر اہل ثابت کیا کہ حضرت محمد صاحب نے اس کو متبنّٰی بنا لیا تھا۔

اور یہی وجہ تھی کہ آپ کو زینب اور زید کے نکاح میں اس قدر دلچسپی تھی۔ گو آپ زینب کا ہاتھ زید کو دے سکتے تھے۔ اس کا دل دینا اس کے اپنے ہاتھ میں تھا۔ میاں بیوی میں آئے دن کھٹ پھٹ ہونے لگی اور طلاق کی نوبت پہنچی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتیرا فریقین کو سمجھایا مگر محبت کا دیوتا جو آنکھوں سے اندھا ہے اور فقط دل کی آنکھوں سے دیکھا کرتا ہے رضا مند نہ ہوا۔ طلاق ہو گئی۔

زینب بڑی قابل عورت تھی۔ نہ معلوم اس کے دل میں کیا کیا امنگیں تھیں۔ اس کی آرزو یہ تھی کہ اسے رسول اللہ کی زوجیت کا فخر نصیب ہو۔ (ناظرین! کیا آپ اس جذبے کو مضحکہ اڑانے کے قابل سمجھتے ہیں؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا دل عورت کا دل نہیں ہے) اہل عرب میں متبنّٰی بیٹے کی بیوی سے شادی کرنا جائز نہ تھا۔ آنحضرت کو قدرتی طور پر تشویش ہوئی۔ زینب کسی اور کے ساتھ نکاح کرنا پسند نہ کرتی تھی اور آپ کا پہلا تجربہ اس کے حق میں ناگوار ثابت ہو چکا تھا۔ اب کریں تو کیا کریں؟

بالآخر غور کرتے کرتے ان کو اندرون دل سے یہ صلاح ملی کہ زینب سے نکاح

کرنا عین مناسب ہے جائز ہے۔ یا اسلام کی اصطلاح میں یوں کہئے کہ حضرت کو الہام ہوا کہ زینب سے نکاح کرنا جائز ہے۔

مخالف لوگ کہا کرتے ہیں کہ آنحضرت نے ایک ناجائز فعل کو جائز ٹھہرانے کیلئے ایک ''خاص وحی'' کے اترنے کا بہانہ بنایا اگر وہ تعصب کو چھوڑ کر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ جو فعل ایک ملک یا ایک زمانے میں جائز سمجھا جاتا ہے وہی فعل کسی اور ملک یا اور زمانے میں ناجائز ٹھہرتا ہے۔ یعنی کثیر الازدواجی جس کو اسلامی اخلاق میں جائز سمجھا جاتا ہے۔ عیسائی اخلاق کی رو سے قابل نفریں ہے اور نہ صرف ہندوؤں میں مہابھارت کے زمانے میں ایک بیوی درو پدی کیلئے پانچ خاوند کرنا جائز تھا۔ بلکہ اب بھی دور دراز پہاڑوں میں ایسی قومیں موجود ہیں جن میں یہی رسم جاری ہے اور ابھی کل کی بات ہے کہ آریہ سماج کے بانی نے نیوگ کو جائز بتایا ہے۔ ایک غیر خون متبنّٰی بیٹے کی بیوی سے شادی کرنا بجائے خود کوئی برا فعل نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں! اہل عرب کے مروجہ اخلاق کی رو سے یہ فعل برا تھا لیکن کیا حضرت محمد صاحب کی ساری کی ساری زندگی عربی اخلاق کے خلاف بغاوت کی زندگی نہ تھی؟

دوسرا رہا ''خاص وحی'' کا اعتراض۔ یہ سچ ہے کہ جب خدا کو ایک شخص ہستی مان کر اس کو عرش بریں پر متمکن مانا جاتا ہے۔ تب اس سے وحی اور الہام لانے کیلئے جبرائیل ایسی درمیانی ہستی کی بھی ضرورت ہوگی مگر کیا یہ درست نہیں کہ جب انسان کے اندر کسی سوال کے جواز یا عدم جواز کی نسبت کشمکش پیدا ہوتی ہے تو بالآخر اسے اس عقدے کا کوئی حل بھی ہاتھ آتا ہے جو پاک نفس اور پاک باطن انسانوں کی حالت میں بعض دفعہ ایک شعلہ زن تصویر نقش پایا نوشتہ کی صورت اختیار کرتا ہے اور اگر اسے الہام یا وحی یا اکاش بانی وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا نہ جائے تو کیا کیا جائے۔

چوں نہ سر معرفت آگہ شوی لفظ بگذاری سوئے معنی روی

اسی لفظوں کے ہیر پھیر اور چھیڑ چھاڑ نے ہی تو ہم کو بے خانماں بنا رکھا

ہے اور نہ ہم کو دنیا کا چھوڑا نہ دین کا۔

بی بی زینب کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دوسری بیبیوں سے فخر یہ کہا کرتی تھیں کہ میرا نکاح (حضرت سے) خود خدا نے آسمان پر کیا ہے اور تمہارا نکاح تمہارے باپوں نے زمین پر کیا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے سوا اور کوئی بی بی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مدمقابل نہ تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں سے چمڑے کو دباغت دیتی اور آمدنی غریبوں میں تقسیم کرتی تھیں۔ اسی کی نسبت پیغمبر صاحب نے فرمایا تھا کہ تم میں سے جس کے ہاتھ دراز ہیں وہی مجھ سے جلدی ملے گا۔ وہ اس قدر سخی تھیں کہ جس قدر وظیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملتا سب خیرات کر دیتیں۔

بی بی حبیبہ

خدا کی قدرت بڑی عجیب ہے۔ بی بی حبیبہ کا باپ ابوسفیان عمر بھر اسلام کا جانی دشمن رہا۔ اس نے پیغمبر اسلام اور اس کے مشن کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا مگر جب فتح مکہ کے بعد اس نے طوعاً وکرہاً اسلام قبول کیا۔

اس نے اپنی کج روی کی پوری پوری تلافی کر کے وہ وہ خدمات سرانجام دیں جن کی نسبت شان وگمان بھی نہ تھا۔ اسی ابوسفیان کا بیٹا معاویہ پھر اسلام کے حق میں باعث رحمت ثابت ہوا۔ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ جنگ وجدال کئے جن میں فریقین کے تیس ہزار آدمی ہلاک ہوئے اور خلافت میں دوعملی پیدا ہوئی۔ حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور معاویہ خلیفہ بن کر کربلا کے الم ناک سانحے کا آلہ کار بنا۔

اسی تنے کی دوسری شاخ بی بی حبیبہ ۱۷ سال کی عمر میں ایمان لائی اور بعد میں اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت کر کے حبش جانے پر مجبور ہوگئی۔ وہاں اس کا خاوند نصرانی ہوگیا۔ اب نہ راہ رفتن نہ پائے ماندن۔ اگر پیغمبر صاحب اس حالت میں اس کا ہاتھ نہ

پکڑتے تو سخت بے حمیتی کے سزاوار ہوتے۔ آپ نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا اور خالد کی وساطت سے رسومات نکاح ادا کئے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد مدینہ آئیں۔ اسی عرصے میں ان کے والد ابوسفیان کو پیغمبر صاحب سے معاہدہ کرنے کیلئے مکہ سے مدینہ جانے کا اتفاق ہوا۔ جب وہ بی بی حبیبہ سے ملنے کیلئے مکان پر گیا۔ حبیبہ نے اس کو آتے دیکھ کر وہ مسند جس پر پیغمبر صاحب بیٹھا کرتے تھے تہ کر کے الگ رکھ دی اور جب باپ نے اس کا سبب دریافت کیا تو کہا میں یہ گوارا نہیں کرسکتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسند پر ایک مشرک بیٹھے۔ آن ہو تو ایسی ہو۔

بی بی جویریہ

ان کا باپ حارث قبیلہ بنوالمصطلق کا سردار تھا اور بڑا نامور بہادر اور شہسوار تھا۔ وہ ایک مرتبہ حضرت محمد صاحب کی غیر حاضری میں مدینہ پر حملہ آور ہوا۔ لڑائی میں میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور حارث کے خاندان کی عورتیں جن میں جویریہ بھی تھیں قید ہوگئیں۔ جویریہ ایک صحابی کے حصے میں آئی جس نے ایک معینہ رقم کے عوض اس کو رہا کرنا منظور کیا۔ مگر جویریہ کے پاس رقم نہ تھی۔

اس لئے وہ پیغمبر صاحب کے پاس آئی۔ آپ نے معینہ رقم ادا کر کے اس کے ساتھ نکاح کرلیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے اس نکاح کے پاس خاطر سے جویریہ کی قوم کے تمام قیدی جو ان کے حصے میں آئے تھے۔ یکے بعد دیگرے رہا کر دیئے۔ اس مروت کا آخری نتیجہ یہ نکلا کہ حارث اور اس کی ساری قوم کے لوگ خوشی سے حلقہ اسلام میں آشامل ہوئے۔

بی بی صفیہ

یہ ایک باوقار یہودی کی بیٹی تھی جس کی دوسری شادی خیبر کے یہودی سردار کنانہ کے ساتھ ہوگئی تھی۔ خیبر کی فتح کے وقت صفیہ مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوگئی۔ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عقد نکاح میں لاکر خیبر کے یہودیوں سے دوستانہ رشتہ قائم کیا۔
غرضیکہ دو ایک نکاح کو چھوڑ کر باقی جس قدر نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے وہ یا تو اس وجہ سے تھے کہ ان بیوگان کا جنہوں نے اسلام کی خاطر طرح طرح کی صعوبتیں اٹھائی تھیں۔ سوائے ذات خدا اور کوئی ہاتھ پکڑنے والا دنیا میں نہ تھا یا اس وجہ سے کہ ان نکاحوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی طاقت کے استحکام کیلئے ضروری سمجھتے تھے۔ یہ آخری نکاح عین اسی قسم کے تھے جس قسم کے بیاہ اکبر نے راجپوت گھرانوں میں کئے جن کی غرض وغایت پولیٹیکل تھی۔
ایک وقت میں راقم سطور ہذا کا یہ خیال تھا کہ جب قرآن نے جسے کلام الٰہی کہا جاتا ہے۔ چار سے زائد شادیاں ناجائز کردی تھیں تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نبوت کے خلاف تھا کہ چار سے زائد نکاح کرے۔ اب وہ مسئلہ بھی حل ہو گیا اور معلوم ہو گیا یہ نکاح آپ نے اس حکم کے نزول سے قبل کئے تھے بعد میں نہیں کئے۔
اُمید ہے کہ ان سطور کے پڑھنے کے بعد کوئی منصف مزاج شخص حضرت محمد صاحب کی کثیر الازدواجی پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں دیکھے گا اور ہندوستان کے آخری تاجدار ابوظفر بہادر شاہ ظفر کا یہ شعر ہمیشہ پیش نظر رکھے گا کہ

ہمیں جب تلک اپنی ہوئی نہ خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنے گناہوں پہ جب کہ نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

کاش! اگر راقم کی امید برآئے اور لوگ تعصب کی عینکیں اتار کر ایک دوسرے کی خوبیاں دیکھنے لگیں تو ہندو مسلم اتحاد میں وہ خوش گوار فضا پیدا ہو جائے کہ ہمارا ملک آج بھی جنت کا نمونہ بن جائے کیونکہ

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے رابا کسے کارے نباشد

خدا ہم سب کو رواداری کی توفیق دے۔ (منقول از اخبار ''مشرق'' گورکھپور، مورخہ ۹ مئی ۲۹ء)

بعض غیر مسلم فاضلوں کی رائے قرآن شریف کے متعلق

قرآن کے سوا دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں جو اپنی آغاز سے آج تک بلا شبہ ویسی کی ویسی ہی ہو۔ اب اس مبارک کتاب کے متعلق عقلاً غیر مسلم کی شہادتیں ملاحظہ کیجئے۔

❶ ...اعلیٰ سے اعلیٰ توحید کا مذہب جو دنیا میں پایا جاتا ہے وہ اسلام ہے۔ (پروفیسر آرنسٹ ہکل جرمنی)..... ❷ ...مہاتما گاندھی لکھتے ہیں اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ فطرت انسانی کے مطابق ہے۔

❸ ...ینگ انڈیا گروکل کانگڑی کے پرنسپل رام دیو ایم اے لکھتے ہیں۔

قرآن کی بھاشا بہت سندر ہے۔ اس میں فصاحت بلاغت بھری ہے۔ اس سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن کے اندر بہت اچھی باتیں ہیں۔ قرآن کی توحید میں کسی کو شک نہیں۔ صاف بتایا ہے کہ اللہ ایک ہے۔ عرب کے اندر عورتوں کا کوئی درجہ نہ تھا۔ محمد صاحب نے عورتوں کے حقوق قائم کئے۔ (پرکاش فروری ۱۹۲۷ء)

❹ ...ہندو فاضل پروفیسر دھرو جی وائس چانسلر ہندو یونیورسٹی نے گروکل کے جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب نے جس رنگ میں توحید الٰہی کو قائم کیا وہ ایک بے نظیر طرز تھا۔ (الفضل ۱۹۲)

❺ ...قرآن کی عبارت کیسی فصیح و بلیغ اور مضامین کیسے عالی ولطیف ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک امین ناصح نصیحت کر رہا ہے اور ایک حکیم فلسفی حکمت الٰہی بیان کرتا ہے۔ (فرک مورخ جرمنی)

❻ ...قرآن انتہائی لطیف و پاکیزہ زبان میں ہے۔ اس کتاب سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی انسان مثل اس کی نہیں بنا سکتا۔ یہ لازوال معجزہ ہے جو مردہ زندہ کرنے سے بہتر ہے۔ (مسٹر سیل)

⑦ ... یہ تحریف سے پاک ہے۔ (دیباچہ قرآن مسٹر جی ایم راوڈیل)

⑧ ...کوئی کتاب بارہ سو برس سے ایسی نہیں ہے کہ اس کی عبارت اتنی مدت مدید تک خالص رہی ہو۔ (سر ولیم مور)

⑨ ...اخلاقی احکام جو قرآن میں ہیں۔ اپنی جگہ پر کامل ہیں۔

⑩ ... ڈاکٹر لیبان لکھتے ہیں اسلام کی وضاحت اعتقادات اور اس کے ساتھ دوسروں کے مقابل میں نیکی اور انصاف جس کی مہر اس مذہب پر کی گئی ہے۔ اس کی عالم گیر اشاعت کا بہت بڑا باعث ہے۔ فی الواقع تمام مذاہب عالم میں یہ فخر اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے پہلے پہل وحدانیت خالص ومحض کی اشاعت دین میں کی' اسی خالص وحدانیت کی وجہ سے اسلام کی ساری سادگی اور شان بھی یہی سادگی باعث ہوا۔ اسلام کی قوت اور اسلام کی مضبوطی کا یہ وحدانیت محض ایسی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی بھید یا معمہ نہیں ہے۔ نہ اس میں متضاد چیزوں کے ماننے کی ضرورت ہے جو دوسرے مذاہب میں واقع ہوتی ہیں اور جنہیں عقل سلیم قبول نہیں کرتی۔ ایک خدا واحد مطلق معبود' تمام بندے اس کی نظروں میں بہت تھوڑے سے ارکان دین جن کا بجالانا واجب ہے اور ان کے بجالانے کی جزا بہشت اور نہ بجالانے کی سزا جہنم ہے۔ اس سے زیادہ صاف وسادہ اور غیر مبہم کون سا مذہب ہوسکتا ہے۔ (تمدن عرب)

ہر آنکہ پوشیدہ چشم دل اند ہماناں ازیں طوطیاں غافل اند

دیگر مذاہب جو دنیا میں رائج ہیں ان میں سے کسی کتاب کو یہ بات نصیب نہیں۔ بائبل کے متعلق علمائے نصاریٰ کو خود تحریف کا اقرار ہے۔

کرسٹم اپنی تفسیر نویں باب متی میں لکھتا ہے کہ بہت سے پیغمبروں کی کتابیں نیست و نابود ہوگئیں۔...... سر ولیم میور انجیل یوحنا کے متعلق لکھتے ہیں۔ بے شک یہ کتاب مدرسہ اسکندریہ کی کسی طالب علم نے تصنیف کی۔ (تاریخ کلیسا)

پارسی مذہب کی کتاب کا بھی ایسا ہی حال زرتشت کی کتاب ۳۲۱ سال قبل مسیح سکندر نے رندواوستازرتشت کو جلا دیا تھا۔اب صرف حصہ دیا تھا کہ پانچ گنا الہامی تسلیم کی جاتی ہیں۔(زرتشت اوراس کا دین مصنفہ آراتح مصر)

وید کی حالت سب سے زیادہ ناگفتہ بہ ہے۔کوئی کہتا ہے کہ رشیو پتھر الہام ہوئے۔کوئی کہتا ہے کہ برہما الہام ہوا۔کوئی کہتا ہے کہ بیاس نے بنائے۔کوئی مختلف لوگوں کی تصنیف بتاتا ہے۔کوئی کہتا ہے کہ دوارب سال ہوئے جب نازل ہوئے تھے۔کوئی کہتا ہے کہ تین ہزار برس ہوئے جب بنائے گئے۔غرض اس کی گتھی کسی طرح سلجھتی نہیں۔

پنڈت کرشن کمار بھٹا چاریہ پروفیسر سنسکرت ریذیڈنسی کالج کلکتہ لکھتے ہیں کہ رگوید کے حصے اس ملک کے شاعروں اور رشیوں نے تصنیف کئے ہیں۔وہ مختلف زمانوں میں لکھی گئی ہیں۔........ پروفیسر ایشوری پرشاد لکھتے ہیں رگوید کے بہت سے منتر عورتوں کے بنائے ہوئے ہیں۔(تاریخ ہند حصہ اوّل)

کوئی کہتا ہے کہ وید تین ہیں۔کوئی کہتا ہے چار ہیں۔پھر ان میں تحریف بھی ہوئی ہے۔سوامی دیانند لکھتے ہیں کہ سوختی قربانی وغیرہ یہ بائبل سے وید میں آئے۔البتہ اپنشد وغیرہ متعصب فرقہ والوں نے اکبر کے زمانے میں ملا کر بنادیئے۔(ستیارتھ پرکاش)

جوگ لشت میں ہے:ویدوں کا یہ حال ہے کہ کوئی ان میں سے ایسا نہیں ہے کہ جو تغیر وتبدل یا کمی بیشی سے خالی ہو اور دوا پر میں ویدوں کی ایسی تحریف ہوئی کہ آدھے بھی تحریر میں نہ آئے۔پھر ان ویدوں میں جو احکام ہیں وہ ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔چنانچہ مرقوم ہے کہ چاروں ویدوں کے احکام باہم متناقض ہیں۔(الکھ پرکاش)

یہ کتاب ایسی زبان میں ہے جس کو کوئی سمجھ نہیں سکتا اور اس کے الفاظ بے معنی ہیں۔شرح گیتا میں ہے ویدوں شاستروں پرانوں کو قدیم زمانے کے لوگوں نے ایسا بنایا ہے کہ لفظوں میں معنی نہیں رکھتے۔ونمبر ۱۰ و ۳۸ منشی سدا سکھ لال لکھتے ہیں۔یہاں

کی سب نظموں میں وید قدیم ہے مگر ان میں جو سنسکرت زبان ہے وہ بگڑتے بگڑتے کچھ اور ہی طرح کی ہوگئی۔ وتاریخ ہند ص ۱۱ لالہ لاجپت رائے لکھتے ہیں: سنسکرت زبان مختلف حالتوں میں تبدیل ہوتی رہی ہے۔ اس لئے بعض سنسکرت الفاظ کے معنی مختلف زبانوں میں مختلف رہے ہیں۔ سب فاضلوں کا اتفاق ہے کہ مروجہ سنسکرت پڑھ لینے سے ویدوں کے صحیح معنی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ (تاریخ ہند ص ۷۷)

یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کے ترجمے میں ایسا اختلاف ہے کہ کسی اور کتاب کے ترجموں میں ممکن نہیں۔ ایک منتر سے ایک توحید الٰہی ثابت کرتا ہے تو اس ہی منتر سے دوسرا ہوائی جہاز بنانے کے اصول نکالتا ہے۔ تیسرا دیوتاؤں کی تعریف لکھتا ہے۔ کیا ایسی کتابیں اس قابل ہیں کہ ان پر ایمان کا مدار رکھا جائے۔

⑪ ...ایک مسیحی نامہ نگار لکھتا ہے پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کی قوم کے پھیلنے اور باقی رہنے کے تمام سامان فراہم کر دیئے ہیں۔ کیونکہ مسلمان جب قرآن وحدیث پر غور کرے گا تو اپنی ہر دینی ودنیوی ضرورت کا علاج اس میں پائے گا۔ (مصری اخبار "وطن")

⑫ ...شریعت اسلام نہایت اعلیٰ درجے کے عقلی احکام کا مجموعہ ہے۔ (انسائیکلو میٹر برہنگا)

⑬ ...قرآن کے مطالب ایسے ہمہ گیر ہیں اور ہر زمانے کیلئے اس قدر موزوں ہیں کہ زمانے کی تمام صدائیں خواہ مخواہ اس کو قبول کر لیتی ہیں اور وہ محلوں، ریگستانوں اور شہروں اور سلطنتوں میں گونجتا ہے۔ (ڈاکٹر سمویل جانسن)

⑭ ...قرآن کی وہ شریعت ہے اور ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم کے عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

⑮ ...ڈاکٹر لیبان لکھتے ہیں۔ ہائنگر نے ایک لمبی چوڑی فہرست ان اخلاقی احکام کی دی ہے جو مسلمانوں میں بطور مقولوں کے رائج ہیں۔ ان سے بہتر کوئی دستور العمل انسان کے عملاً نیکی کی طرف راغب اور بدی سے محترز کرنے کیلئے نہیں ہوسکتا۔ (تمدن عرب)

⑯ ...دنیا کی موجودہ تہذیب صرف اسلام کی بدولت ہے۔ (ڈاکٹر کے ایس سیتارام)

⑰ ...دیگر مذاہب پر نظر کی جائے تو بائبل کے احکامات اور بائبل میں تو ہر سال تغیر و تبدل ہوتا ہے۔ عیسائی مذہب میں صرف بہ صورت زنا طلاق کا حکم تھا اب ضرورت زمانہ سے مجبور ہو کر اور صورتیں تجویز کرنی پڑیں۔ اس طرح اکل و شراب داد و ستد کے معاملات میں تغیر واقع ہوا۔ ہندوؤں کی حالت عجیب ہے۔ لیکھرام دیانند وغیرہ طلاق وغیرہ پر معترض تھے۔ آج ہندو طلاق کیلئے قانون بنانا چاہتے ہیں۔ نکاح بیوگان کا حکم نہ تھا۔ آج اس کو جاری کیا جاتا ہے۔ چھوت چھات مذہبی مسئلہ آج چھوڑا جا رہا ہے اور سنئے! ایک گروہ اس پر راغب ہے کہ پھوپھا وغیرہ قریبی رشتہ داروں کے یہاں شادیاں ہوں بلکہ اس پر عملدرآمد بھی شروع ہو گیا۔ (درویش سدھارک لاہور)

اگر ان کا مذہب خدا کی طرف سے ہوتا تو شریعت مکمل ہوتی اور آج اس میں تغیر و تبدل کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ انسانی احکامات حسب ضرورت بدلا کرتے ہیں جیسے قوانین سلطنت۔

ڈاکٹر ای اے فریمن لکھتے ہیں (اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بڑے پکے راست باز اور سچے رفارمر تھے) دنیا اعمال کی فضائے ہستی میں آپ ہی ایک وجود نادر پائے جاتے ہیں۔ آپ ہی کی ہستی ایسی مفصل و مشرح ہے جس کے حالات ہم تک صحیح اور بالتفصیل پہنچے ہیں۔ انسانی اخلاق کی اصلاح جو آپ نے فرمائی ہے۔ اجتماعیات کے اندر جو انقلاب علوی آپ کی تعلیم نے پیدا کیا ہے۔ سوسائٹی کے تزکیہ اور اعمال کی تطہیر کیلئے جو اسوہ حسنہ پیش کیا ہے وہ آپ کو انسانیت کا محسن اوّل قرار دیتی ہے۔ (مسٹر ایڈورڈ مونٹی)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی پر نظر ڈالنے کے بعد کوئی انصاف پسند شخص آپ کی اولوالعزمی' اخلاقی جرأت' نہایت خلوص نیت' سادگی اور رحم و کرم کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ (لیفٹیننٹ کرنل سائکس)

ہندو فلاسفر مسٹر ٹی ایل وسوانی لکھتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ترحم و

عنایات اور اچھائی سے پُر ہے۔

''الامان'' جون ۲۵ء شردھے پرکاش دیو جی لکھتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم من جملہ ان بزرگ اشخاص کے ہیں جنہوں نے قانون قدرت کے مطابق جہالت اور تاریکی کے زمانے میں پیدا ہوکر دنیا میں صداقت کی روشنی کو پھیلایا۔ تنگ دل اور متعصب لوگ ایسے بزرگ کی نسبت کچھ کہیں۔ لیکن جو لوگ باانصاف اور کشادہ دل ہیں وہ کبھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کی ان بے بہا خدمات کو جو وہ نسل انسانی کی بہبود کیلئے بجالائے۔ بھلا کر احسان فراموش نہیں ہو سکتے۔ (سوانح عمری محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی کے متعلق تو جیسا میں نے عرض کیا بے شمار مجلدات ہیں لیکن اسلام تو اپنے ہر پیشوا' ہر بزرگ کی سوانح عمری رکھتا ہے اور ان تمام کے دامان عصمت لغویات وخرافات کے بدنما دھبوں سے پاک ہیں۔ دیگر مذاہب کے پیشواؤں کے متعلق اشارتاً التماس ہے کہ یہودی عیسائی موسیٰ وعیسیٰ کی سوانح عمری مکمل نہ پیش کر سکے۔ اگر بائبل سے کچھ مواد جمع کیا جائے تو اس میں اس قسم کی باتیں آتی ہیں کہ وہ مسیح اپنی والدہ صدیقہ سے فرماتے ہیں کہ اے عورت تیرا مجھ سے کیا واسطہ ہے۔ لیکن کسی غیر محرم عورت سے سر مبارک پر تیل کی مالش کرتے نظر آتے ہیں۔ بودھ اور زرتشت کی سوانح عمریوں کا تو کیا ذکر۔ ایک گروہ محققین کو اسی میں کلام ہے کہ اس نام کے آدمی دنیا میں تھے بھی یا نہیں یا یہ فرضی نام ہیں۔

آریہ اپنے قدیم رشیوں کے حالات بتانے سے ساکت ہیں۔ ان کے متعلق بھی یہ گمان کیا گیا ہے کہ یہ عناصر اربعہ کے نام ہیں اور قدما کا تو کیا ذکر ان کے جو اوتار زمانہ قریب میں گزرے ہیں ان کی مکمل اوصاف لائف (حالات زندگی) نہیں پیش کر سکتے۔ ابھی پچاس ساٹھ برس گزرے سوامی دیانند تھے وہ خود اپنا نام ونسب وغیرہ نہ بتلا سکتے اور ان کے متعلق جو کچھ ہندو فاضلوں نے لکھا ہے وہ بھی موجود ہے۔ (آئینہ افعال دیانند)

باقی بزرگان ہنود کے متعلق جو کچھ مواد ان کتابوں سے ملتا ہے وہ اس قدر دور از تہذیب ہے کہ میرا مہذب قلم اس کی نقل کرنے کیلئے تیار نہیں۔ یہ مضمون ایک اخبار کیلئے لکھا گیا ہے۔ اس لئے اس کو زیادہ وسعت نہیں دی جا سکی۔ ورنہ قرآن مجید اور اسلامی شریعت وحضور علیہ السلام کی لائف کے متعلق محققین کے اس قدر اقوال موجود ہیں کہ اگر سب کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب ہو یا واقعات و دلائل صادقہ سے ان پر کچھ لکھا جائے تو چند مجلدات کا کافی ہونا بھی دشوار ہے۔ طالب حق کے یہ مجمل سطور بھی کافی ہیں۔ (منقول از ''الامان'' دہلی مورخہ ۱۵ اگست ۱۹۲۷ء)

حرفے ز داد و دانش و دین است ایں کہ ما
بہر صلاح خاطر دانا نوشتہ ایم

رازدار بیوی کی شہادت

حضور سرور عالم کی ''سیرت طیبہ'' کا مطالعہ کرنے کے بعد یورپ کا ایک مشہور فاضل مسٹر کارلائل لکھتا ہے کہ میں جس زمانے میں عرب کی تاریخ پڑھ رہا تھا تو قدرتی طور پر میرے دل میں یہ سوالات پیدا ہوتے تھے کہ اسلام نے کن اسباب کے ماتحت اس قدر جلد اور ایسی مکمل ترقی کر لی اور کیوں اس وقت تک چالیس کروڑ آدمی اس مذہب کو اختیار کئے ہوئے ہیں؟ جب میں نے غور کیا تو یہ بات میرے ذہن میں آئی کہ محض رسول عربی کی صداقت کی وجہ سے یہ مذہب کامیاب ہوا اور آج بھی ان ہی کی روحانی طاقت اسلام کو پھیلا رہی ہے۔ میں شروع میں اسلامی پیغمبر کی تعظیم نہیں کرتا تھا۔ لیکن جب میں نے ان کے حالات پڑھے تو مجھے ان کی صداقت کا یقین ہو گیا۔

میرے نزدیک ان کی صداقت کا ایک واضح ترین ثبوت یہ ہے کہ سب سے پہلے جس نے ان کی رسالت کو تسلیم کیا اور وہ ان کی بیوی خدیجہ ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ بیوی کو اپنے شوہر کے حالات سے بخوبی واقف ہوتی ہے۔ اگر اس کے شوہر کا کریکٹر

اچھا ہوتا ہے تو وہ اس کی تعظیم کرتی ہے۔ اگر خدانخواستہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کا کریکٹر اچھا نہ ہوتا اور وہ مقدس ومحترم نہ ہوتے تو ان کی بیوی ہرگز ان کی رسالت کا اقرار نہ کرتی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ راز دار بیوی کی شہادت ساری شہادتوں سے افضل ہے۔ (منقول از ''الامان'' مورخہ ۱۵ اگست ۲۹ء)

پردے کے متعلق ایک عیسائی خاتون کے خیالات

آج کل بہت سے مسلمان بلکہ مشائخ یہ سمجھ رہے ہیں کہ پردہ ترقیات کے راستے میں سنگ گراں بنا ہوا ہے۔ لہٰذا اس کو اتار پھینکنا چاہئے۔ ایسے لوگوں کو چاہئے کہ وہ لیڈم سیبور کا وہ مقالہ پڑھیں جو جریدہ ''لازیری'' میں بہ عنوان ''ایک مسلم خاتون میری نگاہ میں'' شائع ہوا ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ مجھے ایک مسلم خاتون سے بڑھ کر جو پردے میں لپٹی ہوئی ہو کوئی چیز پسند نہیں آتی۔ میں سمجھتی ہوں کہ وہ لوگ بہت ہی بے وقوف ہیں جو بے پردگی پر سختی سے جمے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ بدیہیات میں سے ہے۔ مردوں اور عورتوں میں بہ اعتبار عمل کے بہت فرق ہے۔ ایسی حالت میں عورتوں کی بے پردگی جو مردوں کا خاصہ ہے۔ کچھ مفید ثابت نہ ہوگی بلکہ عورت کو بے پردہ کرنا اس کو بدترین اخلاق کا مرتکب بنانا ہے۔

میرے خیال میں ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ایک مسلم عورت مردوں کے دوش بدوش بے پردہ ہو کر سیر گاہوں میں پھرتی رہے۔ مبدء فیاض نے ان کے اعمال میں جو تقسیم کردی ہے یہ بے پردہ ہو کر اس تقسیم کو باطل کردیں۔

باقی رہا اقتصادیات میں عورتوں کا حصہ تو اقتصادیات میں عورتوں کا کوئی دخل ہی نہیں ہے۔ بسا اوقات مجھے ان لوگوں پر ہنسی آتی ہے جو کہتے ہیں کہ پردہ ہی ایک روڑا ہے جو ترقیات کے راستے میں اٹکا ہوا ہے اور آج مسلم خواتین محض اسی وجہ سے جہالت اور پستی کے عمیق گڑھوں میں پڑی ہوئی ہیں مگر میرے نزدیک قواعد اجتماعیت

میں اس کو کوئی دخل ہی نہیں ہے اور یہ دلیل بالکل بے محال لائی گئی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پردہ ترقیات کے راستے میں قطعاً حائل نہیں اور سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ عورت کو خواہ بے پردگی کی تعلیم کی جائے بلکہ عورت کو زیادہ تعلیم بھی نہ دی جائے مفید ضرورت کافی سمجھی جائے۔ (منقول "مہاجر" دیوبند مورخہ ۲۹ جولائی ۲۹ء)

اہل ہنود کی کتابوں میں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ذکر مبارک

ہندو کتابوں میں بھی حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ موجود ہے اور نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ اس تحقیق اور تخصیص کے علماء میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں دہلوی رحمہ اللہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ مولوی عبدالرحمٰن چشتی عالم سنسکرت مولف "مرآۃ المخلوقات" مولوی محمد حسن مؤلف تصدیق الہنود کشف الاستار (مطبوعات اجمیر شریف) طالب حسین نو مسلم فرخ آبادی، سیف اللہ گورکھپوری، مولوی عبدالعزیز بن غلام احمد مؤلف "بشارت احمدیہ" (دہلی مطبوعہ یوسفی ۱۲۷۲ھ)

کیا کلکی اوتار آ گیا

مولوی محمد حسن نے بڑی تلاش اور دور دراز پا پیادہ سفر اور ہندو فقیروں اور سادھوؤں کی صحبت اور خدمت میں ایک مرتاض کی حیثیت سے تادیر رہ کر معلوم کیا کہ ہندوؤں کے رشیوں نے اپنے ملفوظات میں دس اوتاروں کے آنے کا عقیدہ ظاہر کیا ہے۔ ان میں بدھ اوتار اور کلکی اوتار کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ ہماری نظروں سے گوتم بدھ کی پیشین گوئیاں گزری ہیں جن سے رسالت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہوتی ہے۔ ہم انہیں کسی موقع پر صاف اور واضح لفظوں میں درج کریں گے۔ ہاں! ہندوؤں کی مقدس جماعت رشیان و مونیان کا عقیدہ تھا کہ جب دنیا میں گناہ ہوں، استبداد کے

جابرانہ دستوروں اور حقوق العباد کے غضب کرنے والوں سے ایک مظلمہ خانہ کی ایسی کیفیت ہوگی اور روحانیت اور للّٰہیت کی روشنیوں کے گل ہونے سے تمام گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جائے گا تو ایک بڑا رہنما اور قوت والا راہبر ایسا پیدا ہوگا جو تمام مفاسد کو میٹ دے گا اور جس کی بعثت رحمت وحریت اور مساوات عامہ کی بشارت دے گی۔

اس لئے کہا جاتا ہے کہ کلکی پران میں جس مرسل اور اوتار کا ذکر ہے اس کے باپ کا نام ''وشنولیس'' ہوگا۔ ''وشنو'' کے معنی خدا اور ''لیس'' کے معنی بندہ، یعنی عبداللہ (حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کا نام) ماں کا نام ''سومتی'' ہوگا۔ سومتی اس کو کہتے ہیں جس پر لوگ بھروسا کریں اور امن وامان والی سچی ہو۔

یہی معنی آمنہ (حضور کی والدہ) کے ہیں۔ کلکی پران کا مصنف بتاتا ہے کہ وہ غار میں تپشیا کرے گا جس پر سرسری نظر ڈالنے سے ہر تاریخ ادیان کا جاننے والا کہہ سکتا ہے کہ حضور نے غار حرا میں عبادت کی تھی۔ چوتھی علامت بتائی جاتی ہے کہ وہ روح الامین (پرش رام) سے تعلیم ربانی پائے گا۔ پرش کے معنی روح اور رام کے معنی خدا کے ہیں۔ یعنی روح الامین حضرت جبرئیل علیہ السلام۔

پانچویں نشانی بتائی گئی ہے کہ وہ اپنے وطن سے ہجرت کرے گا۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ چھٹی علامت یہ ہوگی کہ وہ تمام پاک اور نیک لوگوں کی تعریف اور تصدیق کرے گا۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دین اور ملت کے پیغمبروں، فقیروں اور رہبانوں کی عزت کی اور ان کی عزت کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ساتویں علامت جو ظاہر کی ہے کہ وہ بالکل تاریخ ولادت نبوی سے ملتی ہے۔ کلکی پران میں جو تاریخ اور ساعت بتائی گئی ہے وہ ۱۲ ربیع الاوّل سورج نکلنے کے دو گھڑی بعد ہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے تھے۔ اس جگہ ''تصدیق الہنود'' کے مؤلف نے نجوم اور ریاضی سے کام لیا ہے۔

اس نے ثابت کیا ہے کہ عرب اور ہندو میں اتنا فرق ممکن ہے کیونکہ جس وقت عرب میں صبح صادق نمودار ہوتی ہے اس وقت ہندوستان میں دو گھڑی دن چڑھ جاتا ہے۔ اس بحث کی نزاکت اور اہمیت کو اس زائچہ اور ستارہ ریاضیات سے خوب سمجھایا ہے جو ''تصدیق الہنود'' کے مؤلف نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔

وید کی گواہی

مؤلف ''کشف الاستار'' مولوی محمد حسن نے (صورتاً) ہندو بن کر بنارس میں اور اجودھیا میں ایک زمانے تک تحصیل علوم وید کی اور بڑے بڑے پاک نفس برہمنوں اور خدا رسیدہ سادھوؤں کی صحبت حاصل کی۔ انہوں نے دیکھا اکثر جنگلوں اور پہاڑوں میں تارک الدنیا جوگی کسی بڑی ہستی اور کسی تعریف کی ہوئی ذات کی یاد میں بھجن گاتے اور اس کی جے مناتے۔ چنانچہ جب انہوں نے اتر کھنڈ کا پاٹ کیا تو انہیں یہ مضمون ملا۔

۱... ''وہ مخلوق سے نہیں ڈرے گا اور نہایت شجاعت اور عرفان والا ہوگا اور اس کا نام ''مہامت'' ہوگا۔ (مہادیو جی)

۲... ان (مہامت) کی وضع کو دیکھ کر لوگ حیران رہیں گے۔ نئی طرح کا ان کا احوال دیکھیں گے اور جو پوجا ان کی قوم کے لوگ کریں گے وہ نہ کریں گے اور اپنی قوم سے کہیں گے کہ مجھ کو اس قدر ایک ذات کا جس کا شریک نہیں ہے۔ یہ حکم ہے کہ اس طرح کی بے معنی پوجا مت کرو اور میں سوائے اللہ کی ذات پاک کے اور کسی طرف رجوع نہیں کرتا ہوں۔ تم میری تابعداری کرو۔ اس وجہ سے ساری قوم ان سے جدا ہو جائے گی۔ (مہادیو جی)

پھر مولوی محمد حسن اپنی کتاب ''کشف الاستار'' میں لکھتے ہیں کہ ''اتھریں وید'' میں اللہ کا لفظ پایا جاتا ہے اور حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی بھی ''احمد و محمد'' جس کا اشارہ ''مہامت'' میں ہے موجود ہے۔ رکھ کھنڈ میں یوں آیا ہے ''سری قوام سر سمودائی و کالی کمائی احمد ناروبائی۔'' یجروید میں بھی یوں دیکھا گیا ہے کہ ''الا نک نج الوجان محمد الانک کرمان جان تیجان نند مافی جان جان نماہی جیوسان کجان''

ان کہی یا ان کہنی کیا چیز ہے؟

سنا جاتا یہ کہ جب پرانے زمانے کے ہندوؤں کو نزع کے عالم میں زمین پر اتار کر لٹا دیتے تھے اور روح کے پرواز ہونے میں مادی علائق سے کشاکش شروع ہوئی تھی تو سفر آخرت کی آسانی کے خیال سے لوگ چپکے چپکے اس کے کانوں میں ''ان کہی'' پڑھتے تھے۔ہاں! اس ''ان کہی'' کے صحیح الفاظ غیر ہنود کو معلوم نہیں تھے۔

بس ایک بات سنتے چلے آتے تھے کہ ایسا ہوتا ہے۔اتفاق سے اکبر کے زمانے میں ایک برہمن مسلمان ہوا اس نے برہمنوں سے کہا کہ تم مسلمان ہو جاؤ اور اس طرح سچے برہمن بن جاؤ' کیونکہ جس بات کی تصدیق برہمنی ادبیات اور کتب متبرکہ میں موجود ہے اس کے ماننے سے ہم برہمن ہو سکتے ہیں۔

وہ برہمن کہتا تھا کہ مسلمان ہونے سے ہم سچے مسیحی بھی بن سکتے ہیں کیونکہ مسلمان مسیح علیہ السلام کی بھی تصدیق کرتا ہے اور اسی طرح ہم ہندو اسی وقت ہو سکتے ہیں کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' پر ایمان لائیں جنہوں نے سب اوتاروں اور نبیوں کی تصدیق کی ہے۔آخر میں مناظرہ کے اس نے ''اتھرین وید'' کا یہ ٹکڑا پیش کیا ہے جسے ''دبستان المذہب'' (مطبوعہ نولکشور لکھنو) والے نے بھی ''ان کہی'' لکھا ہے۔

لا الہا ہرنی پاپن الا الہام پرم پدم جنم لےکنٹھ پراپ نیوتی توجپی نام محمدم

لا الہ کہنے سے پاپ مٹتے ہیں اور الا اللہ کہنے سے پرم پدوی ملتی ہے۔اگر ہمیشہ ہمیشہ کی بہشت چاہتے ہو تو نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم جپا کرو۔

بعض ہندو فقرا اور اہل اللہ

ہم نے اکثر ہندو فقیروں سے پوچھا کہ منزل فقر میں جب راستے طے کئے جاتے ہیں تو کیا کسی جگہ پیغمبر عرب کی رہنمائی اور روشنی سے مدد ملتی یا ضرورت پڑتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ آگے چلتے چلتے ایک مقام ایسا آتا ہے جہاں ہندو اور غیر ہندو کا فرق باقی نہیں

رہتا۔اس وقت ہم پر حقیقت احوال منکشف ہو جاتی ہے۔وہاں سے ایک قدم آگے بھی بغیر اقرار اور وسیلہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں جا سکتے۔چنانچہ ایک گوشائیں نے رامائن کے آخر بالکنڈ نامی حصے سے کچھ اشعار ایک خاص لہجہ میں سنائے۔

راج سینت بھوپریت دکھائے آپن مت سب کا سمجھائے

بادشاہی قاعدہ سکھائے خوف اور محبت سے کام لے اپنا دین سب کو بنائے۔

نگم اگم سوئی بج اوپارا پتی ابا او نمت مجھارا

سمندر کے پھیلاؤ کے مانند ان کا جلال ہوگا' گرم ہوگا' آنواں ان میں بیچ ہے۔

یعنی جس طرح کمہار آنویں کے بیچ میں آگ لگاتا ہے جو تمام جگہ پہنچ جاتی ہے اسی طرح ان کا دین سب میں پہنچ جائے گا۔

تب لگ سلازم چھے کوئی بنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پار نہ ہوئے

یعنی تب خدا تک بغیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے نہیں پہنچ سکتا ہے۔

ماہر سلازم نماں نہینہ ہوئے تلشی بچن ست ست کوئے

اس کے بعد خدائی پیغام نہ ہوگا۔تلشی سچ سچ کہتا ہے۔

بیاس جی مشہور ہندو رشی کی گواہی

مولوی عبدالرحمٰن چشتی کا مزار لکھنو میں ہے۔یہ بڑے پایہ کے صوفی گزرے ہیں۔انہوں نے بیان کیا کہ ہندوؤں میں ایک کتاب ''بھوتک اوتر پران'' ہے۔اس کتاب کے تالیف کرنے والے بیاس جی مشہور ہندو رشی ہوئے ہیں وہ اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ

''آئندہ زمانے میں مہامت پیدا ہوں گے۔ان کا نشان یہ ہوگا۔ان کے سر پر بدلی سایہ کرے گی۔ان کے جسم کا سایہ نہ ہوگا۔دنیا کیلئے کچھ تلاش نہ کریں گے۔ان کی سب تلاش دین کیلئے ہوگی جو کچھ پیدا کریں گے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں گے۔تمام عمر کم کھائیں گے۔عرب کے سرداران کے دشمن ہوں گے اور وہ اللہ کے دوست

ہوں گے۔ وہ قادر و توانا ن کو تیس ادھیا پران بھیجے گا۔ مولوی عبدالرحمٰن چشتی رحمہ اللہ اس تیس پران ادھیان سے قرآن مجید کے تیس پاروں کا مطلب لیتے ہیں۔

راجہ بھوج مشہور عالم راجہ کا اسلام

راجہ بھوج کے نام کے کئی شخص مشہور ہیں۔ ایک مقام تو بلیا کے پاس ہے جسے بھوج پور کہتے ہیں۔ ہم نے اسے نہیں دیکھا ہے۔ ہمارے ایک عزیز نے جن کا تعلق قاضی پورہ بلیا سے ہے۔ بیان کیا کہ وہاں ایک میدان میں کچھ پرانی جہاں انقلاب دیدہ بوسیدہ عمارتیں ہیں۔ جو اپنی زبان حال سے کچھ کہتی ہیں اور کہہ نہیں سکتیں۔ ان ہی تعمیری پوست واستخوان ڈھانچوں میں ایک رصد خانہ ہے جسے عرف عام میں جنتر منتر کہتے ہیں فلکیات کے زائچے اور نجوم کے نشان وہ علامات اس پر منقش ہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ یہاں راجہ بھوج کے شاہی محلات تھے۔ وہ شق القمر کے واقعے سے مسلمان ہوا۔ اس کے خاندان والے اس سے خلاف اور اس کی رعایا اس سے خلاف ہوئی تب وہ ترک وطن کر کے ''دھاروار'' (گجرات) گیا وہیں اس نے اپنی بقیہ زندگی یاد الٰہی میں بسر کی۔ نام شیخ عبداللہ تھا۔

اس واقعے کو ہم نے ایک کتاب میں دیکھا تھا جو مولوی سبحان اللہ صاحب کے کتب خانہ میں تھی۔ ''بشارات احمدیہ'' کے مولف مولوی عبدالعزیز نے بھی راجہ بھوج کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ اسی سلسلے میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس راجہ کے خاندان کے ایک نے جو ضلع بستی میں رہتا تھا۔ اسلام قبول کیا۔ ایک روزنامچہ کا حوالہ بھی دیا یہ جو فتح خان مرحوم کے کتب خانہ میں تھا۔ فتح خان اعظم گڑھ میں ایک نامور تحصیل دار گزرے ہیں جن کے نام کی ایک سرا جیل خانہ سے تھوڑی دوری پر ہے۔ ان کے کتب خانہ میں راجہ بھوج کا ایک روزنامچہ تھا جس کا سنسکرت سے فارسی میں فیضی نے ترجمہ کیا تھا۔

اسی کو کسی عالم اور محقق نے دیکھ کر مولوی عبدالعزیز مؤلف ''بشارت احمدیہ'' سے

واقعہ بیان کیا تھا کہ راجہ بھوج نے شق القمر کے مافوق العادت مظاہرہ قدرت کو دیکھا تھا اور اسی کی صبح اپنے عالموں اور نجومیوں سے ایسے ان ہونے واقعے کی تعبیر پوچھی تھی اس وقت کے ہندو عالموں اور منجموں نے راجہ سے کہا کہ ہمارے حساب سے عرب میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے۔ اس کا دین سب دینوں کی تصدیق کرے گا اور تمام عالم میں پھیلے گا۔ راجہ نے اپنے یہاں سے کچھ آدمی عرب روانہ کئے۔ یہ لوگ سنسکرت کے صحیفوں کے عالم اور ان علامات سے واقف تھے جو محمد عربی کی پاک اور برگزیدہ شخصیت کے متعلق ان کے یہاں مشہور تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عرب اور ہندوستان میں آمدورفت تاجروں اور اشیائے نادرہ کے ادھر سے ادھر لے جانے والوں کا سلسلہ جاری تھا۔ اس مبحث پر پارسال جو مضمون مولانا سید سلیمان ندوی نے الہ آباد کی ہندوستانی اکیڈمی میں پڑھا تھا اس سے بہت مدد ملتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان اور عرب میں کس درجہ ذرائع آمدورفت کشادہ تھے۔

مختصر یہ کہ جو لوگ ہندوستان سے عرب میں گئے تھے وہ راجہ بھوج کے پاس بعثت حضور رحمۃ للعالمین، قائم کنندہ مساوات و مواخات عالم، بانی حریت بنی نوع انسان کی خوشخبری لے کر آئے اور مسلمان ہو کر آئے یہاں تک کہ راجہ بھی مسلمان ہوا۔

اسی طرح لالہ ہنسراج مشہور آریہ کارکن اور فاضل ہندو ادیب و محقق نے جب موپلوں کی شورش مالابار میں ہوئی تھی تو تحقیق حالات کیلئے وہاں گئے تھے۔ وہاں جا کر انہیں یہ خیال آیا کہ اس ساحل پر اسلام کیسے آیا اور کس طرح اندرون ملک پھیل گیا۔ مختلف توجیہوں اور نظریوں کے سامنے آنے کے بعد انہیں ایک ہندو مندر میں مالابار کے پرانے راجہ کی لکھی ہوئی تاریخ ملی جو سنسکرت میں تھی۔

لالہ صاحب نے اس کو بغور پڑھا۔ راجہ نے اپنے مسلمان ہونے واقعہ یوں لکھا تھا کہ ”میں نے ایک شب چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ مجھ پر ہیبت طاری

تھی۔میں نے اپنے یہاں کے پنڈتوں اور نجومیوں کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے؟

ان لوگوں نے کہا کہ عرب میں کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے۔اس کا دین دنیا اور آخرت کی نجات دلائے گا چونکہ عرب لوگ ساحل مالا بار پر آتے جاتے اور اشیائے نادرہ کی تجارت کرتے تھے۔اس لئے راجہ نے عربوں سے بلا کر پیغمبر عرب کے شمائل اور امتیازات دریافت کئے۔بالآخر اس نے ایک دربار کیا اور اپنے سرداروں اور رعایا کے نمائندوں سے کہا کہ میں ایک وفد عرب بھیج رہا ہوں۔اگر یہ لوگ وہاں سے پیغمبر عرب کی تصدیق اور توثیق کر کے آئیں گے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا اور تم لوگ بھی وعدہ کرو کہ اس وقت مسلمان ہو جاؤ گے۔

ایک گورکھپوری کی شہادت

ایک صاحب جو مولوی سیف اللہ گورکھپوری گزرے ہیں ان کو علوم سنسکرت اور بھاشا میں بڑا کمال تھا۔انہوں نے ذات محمدی کی کھوج میں بڑی کاوش کی اور اپنی تحقیقات کو بہ صورت کتاب مرتب کیا ہے۔معلوم نہیں یہ کتاب چھپی ہے کہ نہیں۔مولوی عبدالعزیز صاحب نے اپنی کتاب ''بشارت احمدیہ'' میں اس کے مسودے سے اپنے استفادے کا ذکر کیا ہے۔ ہاں! مولوی سیف اللہ صاحب کو ایک صاحب مولوی حبیب اللہ کے خاندان سے بتاتے ہیں اور ایک صاحب مولوی سبحان اللہ صاحب کے دادا مولوی حبیب اللہ کا بھائی بتاتے ہیں۔ممکن ہے کہ ان خاندانوں کے کسی طاق تاضیت یا جزودان فراموش میں مولوی سیف اللہ کی یہ تالیف کہیں پڑی ہو۔وہ لکھتے ہیں کہ کندا کے مصنف نے اپنی کتاب ''کپل پرگن'' میں بشارت محمدی بارہویں ادھیا کی چھٹی درشت کونٹ میں لکھی ہے۔

''اودت پن' انتم ہی ندتم' ارن سینکبارتم' بلونت سورتم' پرتھوی مدھی' سرب اونماسن گرام' پرسن پر پرسوتم دیوتا داہنکر اہت چھاک کوردوم' سنگرام تہ یسجد سولیں کوزددہ تب ہئم کڑلیو چھمم پرتھوی مدھم بت کا گرس گرلیو پگر یت نری بھو کھمم ایتارم پرتھوی مدہی

پال ہر ہارم گرگ گرہ اوت پن تیم پرتھوی کرینتس ہری پری پتر چرند بکم تارائن دکس وبال رونگ یدب نزی چرس کرتے کھتم پرم پراکت براتھم''۔

ترجمہ: نجات کا دینے والا اوتار جو پیدا ہوں گے اندھیرے دورے کرنے والی' زمین کے بیچوں بیچ میں (مکہ کو اکثر قدما ناف عالم کہتے ہیں) دشمن کا مارنے والا' زوروالا' بڑا بہادر' زمین کے ناف میں وہ سرب نما ہوگا (اس لفظ کے معنی ہیں تعریف کیا گیا' جو ترجمہ ہے محمد کا) بذریعہ جہاد کے دین پھیلائے گا۔ کوڑا مارنے والے کو لڑائی کے ساتھ وہ پچھم کی طرف ملے گا اس کے ملنے کی تین شرائط ہوں گی۔

ا۔ پیداوار زمین کی دیا کرو۔ ۲۔ ہمارا عقیدہ قبول کرو۔ وہ بڑی عزت والا ہوگا۔ راجہ بڑا راجہ بڑے لوہے کی چلانے والی زمین کے بیچوں بیچ میں بے وقوفی کا مٹانے والا پیدا ہوگا۔ زمین کے بیچوں بیچ میں۔ اچھے لوگوں کے گھرانوں میں جو بے عیب ہوں گے۔ ان کا پیارا بیٹا خدا کے قدم پاک میں اس کی روح رہی۔ مدت تک وہ آنے والا جب قدم چھوڑے گا آجائے گا پرائے گھر کی سرحد میں۔ ۳۔ یہ بشارات سمرت و سما اسکنت سے جو ۲۸ سمرتیوں پر مشتمل ہے یہاں منقول ہے۔

''مہا بھووی برنہ ہرنک پہری پوترین سارستی' چرنہ سرسری گھم شرم نئی وہ پرتھی دم ایتی سارم برہارتم سوریہ پری چوزنم اوتارنہ''

ترجمہ: زمین کے بیچوں بیچ میں سورج کی طرح بڑے خاندان میں خدا کی طرف سے اوتار ہوگا۔ اور اس ملک کا پتہ ہے کہ وہاں ایک پتی ہوگی دست آور (سنائے مکی مکہ میں بہت کثرت سے ہوتی ہے) (اس ملک کے لوگ بہ وسیلہ ان کے پاک ہوں گے۔ حاصل کریں گے گناہوں سے نجات۔ وہ بڑا دریا' دنیا کا دامن پکڑ کر پار اترے گی اور اس سرزمین میں خدا کا پیارا خدا کے قدموں کو چھوڑ کر گرے گا۔ ان پہاڑوں پر گھاس نہ ہوگی' کچھ دیا کرو نہیں تو لڑو ورنہ ہماری بات یاد نہ رکھے گا) خدا کا

نام ہی ان کے پاس جائے گا۔ ایک اترے گا گناہوں کا کاٹنے والا۔

نوٹ: یہ مضمون مزید تحقیق کو مقتضی ہے۔ (منقول از ''مشرق'' گورکھپور مورخہ ۱۵ اگست ۲۹ء)

اشرف علی

کاش کہ میں مسلمان ہوتی

(ایک عیسائی مس مارگریٹ کا مرتبت بیان) جرمنی کے کروڑ پتی تاجر شیلڈوک مارگریٹ کی وفات ایسی حالت میں ہوئی جبکہ وہ تین وقت کے فاقے سے بیماری میں اپنے تنگ وتاریک کمرے میں ایڑیاں رگڑ رہی تھی۔ اس نے پادری اور کئی دوسرے آدمیوں کے سامنے ایک سنسنی خیز بیان دیا اور وہ یہ کہ ایک برس سے اسے اس کے والدین نے اس لئے گھر سے نکال دیا کہ وہ ان کی مرضی کے مطابق ایک آدمی سے شادی کرنے کو تیار نہ تھی اور دوسرے کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی۔ اس کے گھر سے نکلنے کے بعد اس کے منگیتر نے بھی بے وفائی کی اور اسے غربت کے انتہائی درجہ سے مقابلہ کرنا پڑا۔ وہ عیسائی قانون کی رو سے کوئی حصہ باپ کی جائیداد سے نہیں لے سکتی تھی جو اس سال میں مر گیا تھا۔ سب ملکیت کا مالک بڑا بھائی ہو گیا ہے۔

کاش! میں مسلمان ہوتی تو آج اس طرح ایڑیاں رگڑ کر نہ مرتی' کیونکہ مجھے باپ کی جائیداد میں ورثہ کا حق ہوتا۔ عیسائی مذہب میں لڑکی کیلئے کوئی حقیقی پوزیشن نہیں' جو کچھ پوزیشن بتائی جاتی ہے یہ محض دکھاوا ہے۔ اس کے بعد مس مارگریٹ نے نہایت غصے میں پادری کو ڈانٹا اور کہا تو خبیث یہاں سے چلا جا! میں تجھ سے بات نہیں کرنا چاہتی' میں پھر کہتی ہوں کہ کاش! میں مسلمان ہوتی۔ اس کے بعد مس مارگریٹ نے دم توڑ دیا اور تھوڑے سے بحث ومباحثہ کے بعد اس کی تجہیز وتکفین عیسائیوں کی طرح ہی کر دی گئی۔

اس واقعے سے اس کے بھائیوں پر بہت زیادہ اثر پڑا۔ (منقول از ''الامان'' ۱۵ دسمبر ۲۹ء)

مسلمانانِ ہند کے غیر اسلامی رسوم

سرٹامس ڈبلو آرنالڈسی، آئی ایف، بی۔اے، ڈی لٹ، پروفیسر عربی لندن یونیورسٹی کے قلم سے

ہم ذیل میں جو مضمون درج کر رہے ہیں وہ اگرچہ ایک انگریزی فاضل کا لکھا ہوا ہے مگر اپنی خصوصیات کے اعتبار سے اس قابل ہے کہ اسے غور سے پڑھا جائے۔ اس میں ایک طرف تو اس الزام کو روکا گیا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا اور دوسری طرف مسلمانوں کے ماضی کا حال سے مقابلہ کر کے ان کیلئے عبرت حاصل کرنے کا موقع پہنچا دیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس مضمون میں کہیں کہیں تاریخی و مذہبی غلطیاں موجود ہوں مگر اس کی عام سپرٹ اور خصوصاً ہندوستان کے موجودہ حالات پر تبصرہ قابل غور ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تبلیغ

اسلام ابتدا ہی سے ایک تبلیغی مذہب تھا۔ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے رہنے والوں کی وحشیانہ عادات چھڑا کر انہیں مسلمان بنایا ہے تو نہ ان کے پاس طاقت تھی نہ دولت۔ بلکہ صرف ایک آلہ تبلیغ تھا جسے زبان کہتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عقیدہ توحید پر صرف ایک ہی طریقے سے زور دے سکتے ہیں۔

اور وہ یہ تھا کہ بت پرستی کے خوف ناک سزاؤں سے متنبہ کریں اور ان انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو یاد دلائیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہر زمانے میں اللہ رب العزت کا پیغام لے کر مبعوث ہوئے تھے۔ البتہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فداکار انصار کی ایک ایسی جماعت مل گئی جو آپ پر سے اپنی جانیں قربان کرنے اور ایک آزاد حکومت کے قیام کی بناڈالنے کیلئے تیار تھی۔ اگرچہ اس وقت اس کی حیثیت بالکل بدل گئی تھی مگر اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تبلیغ اسلام کا وہی طریقہ جاری رہا کہ افراد کو نیکی کی ترغیب دے کر قبول اسلام پر راضی کیا جائے۔

قرونِ اولیٰ میں تبلیغ اسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تبلیغ اسلام کے متعلق یہ رہا کہ مسلمانوں نے مفتوحہ ممالک کے باشندوں کو ہمیشہ اسلام کی دعوت ان صریح وصاف ہدایات کے مطابق دی جو قرآن حکیم میں بیان کردی گئی ہیں لیکن ہمیں اس کی شہادت نہیں ملتی کہ ابتدائی زمانے میں مسلمانوں نے تبلیغ اِسلام کے متعلق کچھ زیادہ جوش وخروش کا اظہار کیا ہو لیکن اس کے باوجود رومی سلطنت اور ایرانی سلطنت کے مفتوحہ صوبوں میں جو عیسائی آباد تھے اور ایران میں جو زرتشتی رہتے تھے۔

انہوں نے بڑی کثیر تعداد میں اسلام قبول کرلیا۔ حالانکہ مسلمانوں نے عیسائیوں، یہودیوں، زرتشتیوں کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا تھا اور ان کیلئے صرف ایک یہ شرط لگادی تھی کہ وہ اطاعت کریں اور جزیہ دیتے رہیں۔

اس ابتدائی زمانے میں تازہ نومسلموں نے خود بہ خود اسلام قبول کر کے اپنے مذہب کی جو اشاعت کی تھی اس کی تاریخ تاریکی میں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے بنی امیہ نے اس طرف بہت کم توجہ کی۔ سوائے عمر بن عبدالعزیز (۷۱۷ء سے ۷۲۰ء تک) کے جو ایک پرجوش مبلغ تھے اور جنہوں نے اپنی وسیع سلطنت کے مختلف حصوں میں شمالی افریقہ سے لے کر ماوراء النہر اور سندھ تک اسلام کی اشاعت پوری سرگرمی کے ساتھ کی۔ خلفائے بنی عباس کے زمانے میں حکومت مذہب کی امداد و اعانت کیلئے تیار رہتی تھی اور یہی وہ زمانہ تھا جبکہ اسلام ترکوں میں پھیلا جن سے آئندہ صدیوں میں اس مذہب کو سب سے زیادہ تقویت پہنچی۔

مغلوں کی تبلیغی سرگرمیاں

جب منگولیا کے رہنے والے قبائل نے ایشیا میں اسلامی سلطنت کے ایک بہت بڑے حصے کو تاخت وتاراج کیا ہے اور مسلمانوں پر اپنی حکومت قائم کی ہے تو اس کے بعد

اسلام کو ایک نہایت سخت کام درپیش تھا۔ اس وقت اس کو دو اور تبلیغی مذاہب سے مقابلہ کرنا تھا یعنی بدھ مت اور عیسائیت بھی ان وحشی فاتحوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی لیکن آخر کار تیرہویں صدی کے اواخر میں ان فاتحوں کو اسلام نے اپنے اندر جذب کرلیا جو ایران میں ایک مغل خاندان کی حکومت قائم کر چکے تھے۔ اس کے بعد مشرق بعید میں دوسرے مغل قبائل بھی اسلام کی آغوش میں آگئے۔ مغلوں نے ایک ایسی وسیع سلطنت قائم کر کے جو چین سے لے کر روس اور شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ ایشیا کے دور دراز ممالک میں ربط وضبط پیدا کردیا تھا اور جن میں مسلمان مبلغین کی سرگرمیوں کیلئے ایک میدان بہم پہنچا دیا تھا جہاں وہ جابجا چینی مسلمانوں کی آبادیاں قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔

علماء وصوفیہ کی تبلیغی سرگرمیاں

مغلوں کے حملوں سے خوفزدہ ہو کر مسلمان علماء وصوفیہ کی ایک اچھی خاصی تعداد ہندوستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئی۔ اگرچہ صوبہ سندھ اور ساحل ملیبار پر اسلام کے قدم آٹھویں صدی عیسوی میں جم چکے تھے مگر ان حضرات کے نفوذ واثر نے اس ملک میں اسلام کو بہت زیادہ ترقی دی۔ مسلمانوں کی سیاسی طاقت بڑھنے سے بھی قدرتاً مسلمانوں کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہوا مگر ایسی بے شمار شہادتیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اشاعت اسلام میں مذہبی مبلغین کی سرگرمیوں کا بہت زیادہ حصہ تھا۔

مجمع الجزائر اور افریقہ میں اسلام

اگر آپ اور زیادہ دور جنوب کی سمت جائیں تو آپ کو تبلیغی سرگرمیوں کا ایک اور مرکز ملے گا جو مجمع الجزائر ملایا میں پایا جاتا ہے۔ اگرچہ یہاں قبول اسلام کی رفتار بہت آہستہ تھی، مگر وہ بھی تھوڑے عرصہ پہلے تک جاری رہی۔ اسلام کی تبلیغی سرگرمیوں کیلئے براعظم افریقہ کا میدان بھی بہت کامیاب ثابت ہوا ہے۔ ساتویں اور آٹھویں صدی میں عربوں کی فتوحات نے مصر اور شام افریقہ پر مسلمانوں کی حکومت قائم کردی تھی

جس کے بعد بہت سی آبادی نے اسلام قبول کرلیا۔

جنوب کی طرف اسلام کی ترقی ابتدا میں تو آہستگی کے ساتھ جاری رہی لیکن انیسویں صدی میں ترقی کی رفتار بہت تیز ہوگئی۔ خصوصاً یورپ کے عیسائی طاقتوں میں براعظم کی تقسیم کے بعد تبلیغ کے مواقع اور بھی زیادہ ہوگئے۔ سڑکیں بن جانے اور ریلیں جاری ہوجانے سے تجارت میں زندگی پیدا ہوئی اور چونکہ مسلمان تاجر ہی اسلام کا سب سے بڑا مبلغ ہوتا ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ ایسے قبائل میں جاتا ہے جن کا تہذیب و تمدن ادنیٰ درجے کا ہو۔ اس لئے تجارت کے ذرائع کے ساتھ ساتھ تبلیغ میں بھی ترقی ہوئی ہے۔ اس پروپیگنڈا کے ایجنٹ ہمیشہ افراد ہی رہے ہیں اور اسلام کی تبلیغی تاریخ کی یہ ایک خصوصیت ہے کہ اس میں منظم اور مسلسل سعی کا وجود نہیں پایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ مذہبی حلقوں نے ہندوستان اور افریقہ کے وحشی قبائل کو مسلمان بنا کر تبلیغ میں جو حصہ لیا ہے وہ بھی ضبط تحریر میں نہیں آیا کیونکہ ان کی حیثیت بھی انفرادی ہی تھی۔

نومسلموں کی مذہبی واقفیت

تاریخ کے مختلف زمانوں میں تو یہ اسلام کا ایک قابل غور پہلو رہا ہے کہ نومسلموں نے قبول اسلام کے وقت نہایت سطحی تعلیم حاصل کرلی ہے اس کی وجہ کچھ تو یہ ہے کہ ساتویں صدی میں عربوں نے جو سرعت کے ساتھ فتوحات حاصل کیں ان سے اس صدی کے ختم ہونے تک ایک بہت بڑی سلطنت مسلمانوں کے قبضے میں آگئی جو مغرب میں بحر اٹلانٹک سے لے کر مشرق میں دریائے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی اور جس میں مفتوحہ اقوام کے بے شمار افراد اسلام کی آغوش میں آرہے تھے۔ بعد کی صدیوں میں بھی اسی طرح اسلام کی وسیع اشاعت اور اجتماعی قبول اسلام کے واقعات بہ کثرت ملتے ہیں۔ اسلام کا کلمہ شہادت جس کو پڑھنے کے بعد ہر غیر مسلم مسلم ہوسکتا ہے۔ بہت مختصر ہے اور تبدیل مذہب کے وقت مذہبی تعلیمات اور ان کے اصول و

فروع نومسلم کے سامنے نہیں آتے اور مسلمان ہونے کے بعد اس پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں ان سے وہ ناواقف رہتا ہے اوران کا اقبال بھی نہیں کرتا۔

علمائے اسلام نومسلمین کوراس العقیدہ بنانے اوران سے اسلام کے تمام فرائض و اعمال کی پابندی کرانے میں جو مشکلات محسوس کرتے ہیں ان کی ایک سب سے بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ دنیائے اسلام میں حروف شناسی اور باقاعدہ تعلیم کی بہت قلت ہے۔ مسلمانوں کی عام جہالت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے تقریباً سات کروڑ مسلمانوں میں سے صرف ۷و۳ فیصدی مسلمان ایسے ہیں جو لکھ پڑھ سکتے ہیں اور جو کچھ ہندوستان جیسے ملک کی حالت ہے جو اپنی قدیم تہذیب اور تعلیمی نظام کیلئے مشہور ہے وہی بلکہ اس سے بھی زیادہ ابتر حالت براعظم افریقہ اور مجمع الجزائر ملایا کے وسیع علاقوں کی ہے۔ جہاں مسلمانوں کی بہت بڑی آبادیاں ہیں۔ اگرچہ وقتاً فوقتاً اس وسیع جہالت کو مٹانے اور مذہبی اعمال میں یکسانیت پیدا کرنے کی سعی کی جاچکی ہے مگر اب تک معتد بہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور بہت سے مسلمان ابھی تک اپنے مذہب کے معمولی اور ابتدائی اصولوں سے بھی نابلد ہیں۔

مسلمانانِ ہند کے غیر اسلامی رسوم

خود ہندوستان میں تبدیل مذہب کا عمل اس قدر نامکمل رہا ہے کہ تین چار سو سال تک مسلمان رہنے کے باوجود کچھ عرصہ ہوا بعض راجپوت خاندانوں نے دوبارہ اپنے باپ دادا کا مذہب یعنی ہندو دھرم اختیار کرلیا ہے۔ ہندوستان کے دیہاتی مسلمان باوجود عقیدہ توحید کے جس پر اسلام میں بہت زیادہ زور دیا گیا ہے مقامی ہندوؤں کے ساتھ ان کے دیوتاؤں کی پرستش میں شریک ہوجاتے ہیں۔ دیہات میں ایسی بہت سی باتیں موجود ہیں جو اگر سیتلا دیوی (چیچک کی دیوی) کی نیاز نذر نہ کریں تو وہ یہ سمجھتی ہیں کہ انہوں نے اپنے بچوں کیلئے خود اپنے ہاتھوں کو بڑا خطرہ حاصل کرلیا ہے۔

بنگال میں بھی ایسے جاہل مسلمان ہیں جو سورج کی پرستش تک میں حصہ لیتے ہیں اور ہندوؤں کے میلوں مثلاً درگاہ پوجا وغیرہ میں شریک ہوتے ہیں اور اس کا کچھ بھی احساس نہیں کرتے کہ وہ اس قسم کی حرکات سے اپنے مذہب یعنی اسلام کے صریح احکام کی خلاف ورزی کرر ہے ہیں۔ خاص طور پر سوشل اجتماعات میں نومسلموں کی قدیم ذہنیت عود کر آتی ہے۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ ایسے بہت سے دیہاتی مسلمان خاندانوں میں جو ہندوؤں کی اولاد ہیں۔ یہ رسم جاری تھی کہ وہ اپنے لڑکے کا نکاح ہندو راج کے مطابق کرتے تھے اور ایک برہمن موجود ہوتا تھا۔ اسی طرح بعض مقامات پر ہندوؤں کے قوانین وراثت بھی جاری ہیں۔ اگرچہ وہ قرآن حکیم کے نہایت صاف اور روشن احکام کے بالکل منافی ہیں۔ مثلاً بعض پنجابی مسلمان متوفی شوہر کے ترکہ میں سے اس کی بیوہ کو کوئی حصہ نہیں دیتے۔ اگرچہ قرآن حکیم میں صاف طور پر یہ موجود ہے کہ اگر متوفی کے اولاد نہ ہو تو اس کے ترکہ میں سے اس کی بیوہ کو ۱/۴ (چوتھائی) حصہ ملے گا اور اگر اولاد ہو تو ۱/۸ (آٹھواں) حصے کی مستحق ہوگی۔

جنوبی ہند کی موپلا قوم جو اپنے مذہبی جوش وخروش کیلئے مشہور ہے۔ اپنی جہالت کے باعث اب تک ہندوؤں کے قانون وراثت ہی کے پابند رہے۔ جس کے مطابق ترکہ عورتوں کی طرف سے تقسیم ہوتا ہوا آتا ہے اور لڑکوں کو اپنے باپ کی جائیداد کے متعلق کوئی حق حاصل نہیں ہوتا۔ قدیم جہالت کی یادگاریں دنیائے اسلام کے بہت سے حصوں میں پائی جاتی ہیں۔ مسلمانوں کا ایک طبقہ ان کو مٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔ (از "الامان" دہلی ۱۹ ستمبر ۲۹ء)

دنیا کا آئندہ مذہب اِسلام ہوگا

مشہور مصنف جارج برناڈ شا کی شہادت

جارج برناڈ شا سے اخبار بین طبقہ بہ خوبی واقف ہے۔ جارج برناڈ شا موجودہ زمانے کے مصنفین کی فہرست میں سب سے اوّل جگہ پانے کا مستحق ہے۔ دنیا کا کوئی

مسئلہ ہو جو جارج برناڈ شا کا قلم بند نہیں۔ چھوٹے چھوٹے قصوں میں وہ بڑے بڑے مسائل اس خوبی سے سمجھا دیتا ہے کہ کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ مگر جہاں برناڈ شا کا قلم دنیاوی مسائل کو حل کر رہا ہے وہاں مذہبی دنیا کیلئے وہ ایک خطرناک ہتھیار بھی ہے۔ ہماری دانست میں کوئی مذہب ایسا نہیں جو برناڈ شا کے حملوں سے محفوظ رہا ہو۔ برناڈ شا جو لکھتا ہے وہ تمام دنیا میں پھیل جاتا ہے‘ چونکہ استدلال بہ ظاہر قوی ہوتا ہے اور دنیا آسان پسند ہے۔ اس لئے اس کے زہریلے خیالات لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے میں بڑے کارگر ثابت ہو رہے ہیں۔

ایک ایسا منکر خدا بندہ جو اپنے کفریہ خیالات کی نشر و اشاعت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ اگر کسی مذہب کی تعریف کرتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ اسے بھاگنے کی کوئی راہ ہی نہ تھی اور وہ مجبور ہو گیا۔ برناڈ شا نے حال ہی میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں تمام مذاہب کے علماء کو ایک مجلس میں جمع کیا ہے اور ایک مذہب والے نے دوسرے مذہب کا خوب مذاق اڑایا ہے۔ بالآخر بہت سے بحث و مباحثہ کے بعد برناڈ شا یہ نتیجہ مرتب کرنے پر مجبور ہو گیا کہ سو برس کے اندر اندر دنیا اور بالخصوص انگلستان کو کوئی ایسا مذہب اختیار کرنا پڑے گا جو یا تو اسلام یا اسلام سے بہت کچھ ملتا جلتا ہوگا۔

برناڈ شا نے حسب ذیل وجوہ کی بنا پر یہ نتیجہ نکالا ہے۔

1. ...مذہب اسلام میں فلسفہ اور سائنس کی ہر ترقی کو جذب کرنے کی بڑی قوت ہے۔
2. ...مذہب اسلام میں شخصیت کا پہلو قوی کیا گیا ہے۔
3. ...مذہب اسلام میں کسی شخص کی ذاتی جائیداد نہیں ہے۔
4. ...مذہب اسلام میں سرمایہ داری ناجائز ہے۔ (منقول از ”مہاجر“ ۱۴ ستمبر ۱۹۲۹ء)

دَعْوَةُ الدَّاعِی

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
رأس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہار الجلی اعنی بہ

مَوْلَانَا مُحَمَّدْ اَشْرَفْ عَلِی التَّھَانْوِیْ

نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں حضرت رحمہ اللہ نے دین کی دعوت دینے اور لوگوں کو دین کی طرف بلانے کی حقیقت واہمیت اور طریقہ کار کا ذکر فرمایا ہے تاکہ دین کی دعوت پورے عالم میں پہنچ جائے۔

دَعْوَةُ الدَّاعِی

حفاظت اسلام کا مؤثر طریقِ عمل

اور حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا حضرات اہل علم کو
خاص مشورہ اور اپنے متعلقین کو ضروری ارشاد: "لَه دَعْوَةُ الْحَقِّ" (الرعد:۱۴)
"يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ" (الاحقاف:۳۱)

دعوۃ الداعی

"وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا" (حم سجدہ:۳۳)

اختتام وقت دعوت

خوش آمد گل و زاں خوش تر نباشد   کہ در دستت بجز ساغر نباشد
زمانِ خوش دلی در یاب در یاب   کہ دائم در صدف گوہر نباشد
غنیمت داں و مے خور در گلستاں   کہ گل تا ہفتۂ دیگر نباشد

اخلاص و شفقت و التجا در دعوت

زمن می نوش و دل در شاہدے بند   کہ حسنش بستۂ زیور نباشد
ایا پر لعل کردہ جام زریں   ببخشا بر کسے کش زر نباشد
شراب بے خمارم بخش یارب!   کہ با او ہیچ دردِ سر نباشد

بعد حمد و صلوٰۃ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما كان المؤمنون لينفروا كافة فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون O (۱۲۲)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تعلیم احکام اور اس کی ضرورت سے تعلیم احکام ایسا اہم فریضہ ہے کہ عین جہاد حقیقی میں جو کہ اعظم العبادات ہے مشغول ہونے کے وقت بھی واجب ہے کہ ایک جماعت بجائے جہاد کے اس فریضہ کی خدمت کو انجام دے۔ جب ایسی اعظم عبادات کے پیش آنے کے وقت بھی اس خدمت کا اہتمام واجب ہے تو اور کسی حالت میں تو اس کا اہتمام کیوں نہ واجب ہوگا۔

خلاصہ یہ ٹھہرا کہ یہ فریضہ ایسا دائمی اور سب سے اہم ہے کہ کسی حالت میں ساقط نہیں ہوتا اور عقلا بھی اس کی وجہ ظاہر ہے۔ اس لیے کہ کوئی طاعت کیسی ہی عظیم اور ضروری ہو وہ اسی وقت معتبر اور مقبول ہو سکتی ہے جب شرعی قوانین کے موافق ہو اور ظاہر ہے کہ ان قوانین کے موافق ہونا موقوف اس پر ہے کہ ان قوانین کا علم بھی ہو اور قوانین شرعیہ کے علم کی دو صورتیں ہیں یا خاص طور پر ان کا درس و تدریس یا عام طور پر ان کی تعلیم و تبلیغ اور پہلا طریقہ بوجہ ضرورت اسباب معاشیہ کے عام نہیں ہو سکتا۔ پس دوسرا ہی طریقہ اختیار کرنے کے لیے متعین ہو گیا اور یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لیے یہی طریقہ تجویز فرمایا گیا اور اکابر امت نے ہمیشہ سب سے زیادہ اسی کا اہتمام فرمایا اور دوسری خدمت علمیہ درس و تدریس و تصنیف و مناظرہ وغیرہ کو اسی کا مقدمہ قرار دیا۔

ان سب مقدمات سے اس کی اہمیت و اقدمیت "کالشمس فی نصف النہار" ظاہر ہے مگر اسباب اتفاقیہ سے ایک زمانہ طویل سے عام طور پر اس کی طرف سے بہت زیادہ بے التفاتی ہو گئی جس کی وجہ بعض کا اس پر قادر نہ ہونا اور بعض کا دوسرے مشاغل ضروریہ یا غیر ضروریہ میں مشغول ہونا ہے جس کا نتیجہ لازمی طور پر غلبۂ جہل اور غلبۂ جہل سے فساد عمل اور فساد عمل سے مسلمانوں کا ہر قسم کا ظاہری و باطنی تنزل

اورانواع مصائب میں ابتلاء اس درجہ رونما ہوگیا ہے کہ اگر جلدی اس کا تدارک نہ کیا گیا تو قوی اندیشہ ہے کہ خدانہ کرے مسلمانوں کی قوم من حیث الاسلام فنا ہو جاوے گی۔اس لیے سخت ضرورت ہے کہ بہت جلدی اس کا خاص انتظام کیا جاوے۔

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ایسے نازک وقت میں دست گیری فرمائی کہ اپنے بعض بے سروسامان بندوں کو اس کا احساس اور احساس کے ساتھ اس کی توفیق عطا فرمائی کہ وہ اس کے بھروسہ پر اس خدمت کی انجام دہی کے لیے کھڑے ہو گئے۔انہوں نے اس کی تکمیل کے لیے ایک مجلس ''دعوۃ الحق'' کے نام سے بنائی اور اس کام کو شروع کر دیا۔لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ ایک دو شخص کا کام نہیں اس میں ایک بڑی جماعت کی ضرورت ہے، پھر اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ بہت سے تبلیغ کا کام کرنے والے تنخواہ پر رکھے جائیں اور ان کی تنخواہ کے لیے بڑے پیمانے پر تحریک چندہ کی کی جاوے۔مگر موجودہ فضا پر نظر کر کے اس میں یقیناً مخاطبین کو تنگی ہوگی جس میں علاوہ ظن غالب ناکامی کے خود اس کے شرعی جواز میں بھی شرح صدر نہیں ہوتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تنخواہ دار تو معدود قلیل ہوں اور ان کی تنخواہ کے کفیل وہ خاص حضرات ہوں جو بلا تحریک خود اپنی رغبت سے اس کو برداشت فرمالیں اور زیادہ کام کرنے والے غیر تنخواہ دار ہوں اور اس کی یہ شکل تجویز کی گئی ہے کہ جو حضرات اہل علم اس خدمت دینیہ میں حصہ لینا چاہیں وہ حسبۃً للہ اس کے کچھ ماہانہ یا ششماہی یا سالانہ دو چار دن یا ہفتہ دو ہفتہ یا مہینہ سوا مہینہ مثلاً نکال کر مجلس دعوۃ الحق میں ذیل کے پتہ سے اطلاع فرمائیں۔ (اور اب ناظم مجلس دعوۃ الحق ہردوئی کو مطلع کریں۔۱۲ ج ا، ۱۳۷۰ھ)۔(پتہ یہ ہے ناظم مجلس دعوۃ الحق خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر)

اور یہ اُن حضرات کی طرف سے گویا چندہ ہوگا جو روپیہ پیسہ کے چندہ سے زیادہ عزیز اور مفید ہوگا۔مجلس میں اس فہرست کی یادداشت کا مع ان کے پتہ و وقت عطا کردہ کے باقاعدہ رجسٹر رہے گا اور جب کبھی اس خدمت کے لیے ان کو تکلیف دینے کی ضرورت ہوگی۔ان سے عرض کیا جاوے گا کہ فلاں مقام پر تشریف لے جا کر جس طریقہ پر مجلس

ہر بڑی بستی میں تبلیغ کا کام انجام دیں۔ آمد و رفت کا کرایہ اور مصارف خورد و نوش اعتدال کے ساتھ خرچ کیا جاوے گا اور جن بزرگ کو پہلے سے خادم کو ساتھ لینے کی عادت ہو اور بدون خادم کے تکلیف ہو ان کی خدمت میں خادم کے مصارف مدرسہ بھی پیش کیے جاویں گے۔ (ایسے حضرات اپنے نام و پتہ سے مطلع کریں۔ ناظم دعوۃ الحق ہردوئی)

یہ عرض عام حضرات اہل علم کی خدمت میں ہے، باقی مشورہ سے ایسے جن حضرات کو احقر کے ساتھ خاص تعلق اور خصوصیت ہے ان سے مشورہ سے آگے اس کی خاص درخواست ہے۔ اس مشورہ اور درخواست کے بعد میں بے تابی کے ساتھ منتظر ہوں کہ ایسا پروگرام تیار ہو جاوے گا اور امید رکھتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ دیر نہ لگے گی۔ نیز عموماً اہل علم کی سب جماعت سے یہ بھی عرض ہے کہ علاوہ ان اوقات معینہ محدودہ کے اپنے دوسرے عام اوقات میں اپنے اپنے مقامات پر بھی تبلیغ عام اور خاص سے غافل نہ رہیں جس کے ضروری قواعد اور طریقے آسانی کے لیے رسالہ "تعلیم المسلمین" و "تفہیم المسلمین" میں نمونہ کے طور پر ضبط بھی کر دیئے ہیں۔

اگر کوئی صاحب ملاحظہ کرنا چاہیں تو دونوں رسالے (اب ان دونوں رسائل کو اسی رسالہ کے آخر میں شائع کر دیا ہے) ناظم مجلس دعوۃ الحق تھانہ بھون سے منگالیں۔ اگر پابندی اور اخلاص کے ساتھ اس دستور العمل پر عمل کر لیا گیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد اس کے ثمرات فلاح و صلاح و نجاح مشاہدہ میں آ جاویں گے، یہ تو برکات عاجلہ ہوں گے اور آخرت کے ثمرات کا کیا پوچھنا۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں دونوں کو جمع فرما دیا ہے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ط وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ (النحل:۳۰)

والقرآن مشحون بامثال هذا الوعد.

اب دعائے علم صحیح و توفیق و اخلاص پر تحریر کو ختم کرتا ہوں۔

کتبہ اشرف علی تھانہ بھون ۱۳/صفر ۵۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o (آل عمران:۱۰۴)

رب یسر ولا تعسر وتمم بالخیر

مجلس دعوۃ الحق جو ''تعلیم المسلمین'' و ''تفہیم المسلمین'' کی عملی ترویج کے لیے قائم کی گئی ہے۔ مقصد اس مجلس کا مسلمانوں میں دینی جذبہ پیدا کرنا اور کامیابی کا اصل راستہ بتلانا ہے جو مسلمانوں کے لیے تعلق مع اللہ میں منحصر ہے اور اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ احکامِ خداوندی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر چھوٹے بڑے حکم کی پوری طرح پابندی کی جاوے، ہر کام میں اس کا پورا لحاظ رکھیں کہ کوئی امر خلافِ شرع نہ ہونے پاوے، یہی عبدیت کی روح اور حیاتِ مسلم کی اصل الاصول ہے۔

نظام عمل: (۱) ''تعلیم المسلمین و تفہیم المسلمین'' (یہ دونوں مضمون اسی رسالہ کے آخر میں آتے ہیں) کے کل دفعات کی نہایت خلوص واستقلال کے ساتھ ہمیشہ پابندی کرتے رہیں اور ہر امر میں اصل مطمح نظر رضائے حق کو رکھیں اور اس استقلال وہمت کے ساتھ ہی دُعا وابتہال کو اصل وظیفہ وتدبیر سمجھیں۔ (۲) جہاں تک ہو سکے قرآن شریف کا ترجمہ سننے کا بھی اہتمام کریں۔ (۳) مسلمان کا یہ فرض ہے کہ ہر موقع پر جذبات کو شریعت کے تابع رکھے۔ (۴) ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اخلاقِ اسلامی کو اپنا شعار بنادے۔ نیز اپنی وضع اور معاشرت بالکل شریعت مقدسہ کے موافق رکھے، نہ انگریزوں کی تقلید کرے نہ ہندوؤں کی نہ کسی دوسرے مذہب والے کی۔ (جس کی قدرے تشریح ''اشرف النصائح'' میں کردی گئی ہے۔)

(۵) انبیائے کرام علیہم السلام کا طریق مسنون ہے کہ ہاتھ میں لاٹھی رکھتے تھے، اس واسطے سب مسلمانوں کو اس سنت پر کاربند رہنا چاہیے۔

(۶) خدمت خلق کا دھیان رکھیں اور محنت وجفاکشی کی عادت ڈالنے کے لیے ورزش بھی کیا کریں۔ نیز لکڑی وغیرہ چلانا بھی سیکھیں اور سپاہیانہ دار سادہ زندگی بسر

کریں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی سے لڑیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آرام طلبی میں نہ پڑیں، مخدوم نہ بنیں، خادم بننے کی کوشش کریں۔ اگر کسی انسان کو بالخصوص مسلمانوں کو امداد کی ضرورت ہو تو مظلوم کی امداد کو اپنے ذمہ لازم سمجھیں۔

(۷) ہر مسلمان روزمرہ نمازِ عشاء کے بعد سونے سے پیشتر اپنے تمام گناہوں کو سوچ کر یاد کرے اور پھر اُن نعمتوں کو یاد کرے جو حق تعالیٰ کی طرف سے اس پر ہیں اور ان دونوں کے استحضار کے بعد اپنے اوپر ملامت کرے کہ جس مالک کی اس قدر نعمتیں ہیں اس کی ایک دن میں مجھ سے اس قدر نافرمانیاں ہوئی ہیں، اس کے بعد حضورِ قلب کے ساتھ ان سب گناہوں سے توبہ اور استغفار کر کے سوئے، روزانہ یہ عمل بلا ناغہ کرلیا کرے۔ اب اخیر میں بزرگوں کی ایک نافع وصیت اور دو جامع دُعائیں درج ہیں جو وِرد رکھنے کے قابل ہیں بالخصوص نمازوں کے بعد۔

وصیت

کارکن کار بگزار از گفتار کاندریں راہ کار باید کار

دُعائے اوّل

اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ، وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ.

''اے اللہ! ہم کو حق کا حق ہونا دکھلا دیں اور اس پر چلنے کی توفیق دیں اور باطل کا باطل ہونا دکھلا دیں اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔''

دُعائے ثانی

اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرَ دِيْنَ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ، وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِيْنَ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ. وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

''اے اللہ! جو ہمارے سردار و سرکار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدد کرے آپ بھی اس کی مدد فرمائیں اور ہم کو بھی اسی میں سے کر دیجئے اور جو ان کے دین کو چھوڑ دے آپ بھی اس کو چھوڑ دیں۔'' (ناظم مجلس دعوت الحق۔ تھانہ بھون ۱۱ جمادی الاولیٰ ۵۸ھ)

تَعلِیمُ المُسلِمِین

حضرت حکیم الاُمت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العُلوم القرآنیۃ واقف الاَسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاَسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مَولانا مُحَمّد اَشرَف عَلی التّھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

اس رسالہ میں حضرت رحمہ اللہ نے اپنی اِصلاح کے ساتھ دوسروں کی اِصلاح کرنے کو بھی دلائل سے ضروری اور اہم قرار دیا ہے اور عوام کیلئے ایک ایسا نظام قلمبند فرما دیا ہے کہ اس نظام کو جاری کر دیا جائے تو اس سے عوام کو بہت نفع ہوگا اور ان کی اِصلاح بھی ہو جائے گی۔

تعلیم المسلمین

(یکے از اجزائے ''تقویم المسلمین'')

بعد الحمد و الصلوٰۃ، احقر اشرف علی عفی عنہ مدعا نگار ہے کہ اس کے قبل متصل احقر کا ایک مضمون ملقب بہ ''تنظیم المسلمین'' متضمن احکام تنظیم مسلمین کے شائع ہو چکا ہے، اس کے اخیر میں خصوصیت کے ساتھ اہل علم کو یہ بھی مشورہ دیا گیا ہے کہ بندگانِ خدا کو احکامِ دین کی تعلیم کرنے کا التزام و انتظام جاری رکھیں مگر وہاں یہ مضمون اجمالاً وضمناً و تبعاً تھا۔ اب اسی کو تفصیلاً مقصوداً و مستقلاً عرض کیا جاتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ نصوص کثیرہ میں صلاح کے ساتھ دوسروں کی اصلاح کی تاکید بھی جابجا وارد ہے اور سورۂ والعصر تو بلا شرکت کسی اور مضمون کے خاص اسی موضوع کے لیے نازل ہوئی ہے۔

چنانچہ اس میں جہاں ''اٰمَنُوْا'' کو جس کا مفہوم تصحیح عقائد ہے اور ''عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' کو جس کا مفہوم اصلاحِ اعمال ہے شرطِ نجات فرمایا ہے جو حاصل ہے خسران سے استثناء کا، وہاں ہی اس کے متصل ''تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ'' میں دوسروں کی تعلیم عقائد کو اور ''تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ'' میں دوسروں کی تعلیم اعمال کو بالواسطہ عطف کے شرط نجات فرمایا ہے اور بے شمار نصوص قرآنیہ و حدیثیہ میں یہی مضمون بعنوان امر بالمعروف و نہی عن المنکر و وعظ و تذکیر نہایت تاکید و اہتمام کے ساتھ مذکور ہے اور بہت نصوص میں خاص حالات میں ان میں سستی یا ترک پر شدید وعیدیں بھی وارد ہیں اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا اصل فریضہ یہی رہا ہے۔ باقی جتنے شعبے دین کے ہیں مثلاً افتاو

درس وتصنیف ومناظرہ سب اسی کے آلات ومقدمات ہیں اور خود تنظیم بھی جس کی ضرورت عام طور سے مسلم ہے وہ بھی اسی کا تابع اور مقدمہ ہے اور یہ متبوع المقصود ہے۔ چنانچہ آیت ”اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ“ (الحج:۴۱) میں جہاں تمکین کے مقاصد ذکر فرمائے ہیں ان ہی میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو بھی جزوِمقصود فرمایا گیا ہے تو اس بنا پر سب مسلمانوں کو اس طرف توجہ فرمانا ازبس ضروری ہوا۔

سخت عیب ہے کہ ادنیٰ امراض جسمانیہ کا جس کا انجام محض معمولی کلفت ہے علاج تو ضروری سمجھا جاتا ہے اور جہل عن الاحکام الشرعیہ کا کہ اشد مرض نفسانی اور روحانی اور جو اساس ہے بدعملی کی اور بواسطہ بدعمل کے مسلمان کے لیے سبب ہے تمام مضارِ دُنیا وآخرت کا، چناں چہ اخلال فی الطاعات وارتکابِ معاصی کا تمام آفات ومصائب دُنیا وآخرت کے لیے سبب ہونا قرآن وحدیث میں مصرح ہے اور خادمانِ ملت نے اس باب میں مستقل تالیفات بھی کی ہیں (چنانچہ ایک مختصر رسالہ ”جزاء الاعمال“ بطور نمونہ کے اس احقر کا لکھا ہوا بھی شائع ہو چکا ہے اور ”حیات المسلمین“ کے خطبہ میں بھی ایک دل نشین عنوان سے اس کی تقریر کی گئی ہے) اس سے اس قدر بےفکری ہے تو اس کے بعد امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ضروری ہونے میں کیا شبہ رہا اور اس کے ذرائع میں سب سے زیادہ سہل اور نفع کے اعتبار سے تمام اور عام ذریعہ وعظ ہے تو ان سب مقدمات پر نظر کر کے واعظین کے ذریعہ سے تمام مکلفین خصوص مسلمانوں کو احکام سے مطلع کرنے کی ضرورت بداہتاً ثابت ہوگئی۔

یہ ذیل کی چند سطریں اسی کے انتظام کی ترغیب وتحریک کے لیے عرض کی جاتی ہیں اور ظاہر ہے کہ کوئی انتظام بطور استقلال عادتاً خصوص آج کل کی فضا میں بدون آئینی ہیئت کے مکمل نہیں ہوتا۔ پس اس ہیئت کے متعلق خود سوچنے سے نیز ایک جماعت علماء وصلحاء کے مشورہ سے اس کا جو نظام ذہن میں آیا ہے اس کو قلم بند کر کے شائع کرتا ہوں۔ جمہور اہل اسلام عموماً اور علمائے کرام ورؤسائے عظام ومہتمانِ

مدارس و انجمن ہائے اسلامیہ خصوصاً اس نظام کو جاری فرمائیں یا اگر اس سے اچھا کوئی نظام کسی کے ذہن میں ہو اس کا اجراء فرمائیں۔ بہر حال کام مقصود ہے خاص کوئی صورتِ نظام مقصود نہیں۔ اب میں یہاں کا تجویز کردہ نظام پیش کرتا ہوں جو مرکب ہے چند اجزا سے اور وہ یہ ہے:

۱۔ ہر مدرسہ اسلامیہ کم از کم ایک واعظ مقرر کرے اور یہ سمجھے کہ ضرورتِ تعلیم کے لیے ایک مدرس کا اضافہ کیا گیا کیوں کہ جس طرح مدرسہ کے معلمین طلبہ کے مدرس ہیں یہ واعظین عوام کے مدرس ہیں۔ اسی طرح اہل انجمن یہ سمجھیں کہ تعلیم عوام کے لیے یہ ایک مکتب ہے جو شاخ ہے انجمن کی۔

۲۔ جہاں ایسا مدرسہ یا انجمن نہ ہو یا وہ حضرات کسی وجہ سے ایسا انتظام نہ کریں وہاں کے رؤسا انفراداً یا اشتراکاً اپنے پاس سے تنخواہ دے کر ایسا واعظ مقرر کر دیں مگر اس واعظ کا انتخاب محققین علماء کی رائے سے کریں خود منتخب نہ کریں لیکن تنخواہ کا تعلق اپنے سے رکھیں۔

۳۔ جہاں ایسا کوئی باہمت رئیس نہ ہو وہاں عام اہل بستی ایسے واعظ کا انتظام کرلیں اور باہمی چندہ کر کے اس کو تنخواہ دیں اور مثل جزو ثانی کے تنخواہ کا تعلق اپنے سے رکھیں مگر چندہ میں کسی کے اوپر جبر نہ کریں۔

۴۔ یہ واعظ خواہ متبحر عالم نہ ہو مگر دینیات پر اس کی کافی نظر ہو کہ اپنی تقریر میں یا کسی کے سوال کے جواب میں غلط روایت یا غلط مسئلہ بیان نہ کرے۔ نیز ''اشرف النصائح'' کی ہدایات پر بھی عامل ہو۔

۵۔ بلا ضرورت مسائل اختلافیہ بیان نہ کرے اور جہاں ضرورت ہو یا کوئی اس کے متعلق سوال کر بیٹھے تو تقریر میں یا جواب میں اس کا لحاظ رکھے کہ عنوان متین اور نرم اور مخاطب کے قریب الفہم ہو خشن یا موحش نہ ہو۔ اگر سائل خاص شخص کا نام لے کر جواب کا معارضہ کرے تو اس شخص کی نسبت کوئی کلمہ ثقیل نہ کہے، متانت کے ساتھ شبہ کو حل کر دیا جائے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔

۶۔ اگر خرچ میں گنجائش ہو تو واعظ کو ایک خادم بھی دیا جائے جو کھانا وغیرہ بھی پکا سکے اور جہاں سواری نہ ملے وہاں سامان و بستر وغیرہ اُٹھا کر لے جاوے۔

۷۔ عام طور پر واعظ کسی کی دعوت قبول نہ کرے، البتہ اگر داعی پہلے سے شناسا اور مخلص ہو مضائقہ نہیں، یا اگر شناسا نہ ہو مگر قرائن سے مخلص ہونا دل کو لگتا ہو تو قبول کر لینے کا مضائقہ نہیں مگر اور کوئی چیز از قسم ہدیہ نقد یا غیر نقد ہرگز قبول نہ کرے۔

۸۔ واعظ کسی مدرسہ یا انجمن کے لیے یا اسی مد وعظ کے لیے چندہ کی ہرگز ترغیب نہ دے بلکہ اگر کوئی بلا ترغیب بھی دے تب بھی انکار کر دے، اگر کوئی اصرار کرے اس سے کہہ دے کہ میں نہیں لیتا خود مرکز میں بھیج دو۔

۹۔ جو وعظ کا ناظم ہو وہ واعظ کے دورہ کے مقامات معین کر دے۔ البتہ اتنی اجازت دے دے کہ اگر کسی جگہ خود واعظ سخت ضرورت سمجھے یا رغبت کے ساتھ اس کو بلایا جائے اور دونوں صورتوں میں وہ جگہ مقامات اذن سے پانچ کوس سے زیادہ فاصلہ پر نہ ہو تو وہاں بھی جا سکتا ہے اور اس سے زیادہ فاصلہ پر عذر کر دے کہ ناظم وعظ سے درخواست کرو۔

۱۰۔ ناظم وعظ گاہ گاہ کسی شخص کو تفتیش کے لیے مقاماتِ دورہ پر بھیج دیا کرے کہ بستی والوں سے واعظ کی حالت اور کارگزاری کی کیفیت تحقیق کر کے ناظم کو اطلاع دے اور بار بار کی کوتاہی یا کسی گرانبار کوتاہی کے ثابت ہونے پر اوّلاً تفہیم اور درصورت اس کے نافع نہ ہونے کے معزولی کو عمل میں لایا جاوے۔

۱۱۔ اگر اتفاق سے کسی مقام پر دو واعظ جمع ہو جاویں تو جو بعد میں پہنچے اس کو وہاں ٹھہرنا نہ چاہیے اور اگر اتفاق سے دونوں بالکل ایک ہی وقت پہنچیں گو ایسی صورت بہت شاذ ہے تو مصلحت یہ ہے کہ باہم مشورہ کر کے یا تو دونوں باری باری سے وعظ کہہ دیں یا ایک وہاں ٹھہر جائے دوسرا آگے چلا جاوے۔

۱۲۔ واعظ کی رُخصت یا غیر حاضری پر وضعِ تنخواہ وغیرہ اُمور میں مناسب حال قواعد تجویز کر کے واعظ کو اطلاع کر دی جائے۔

۱۳۔ واعظ سیاسی اُمور یا کسی شخص کے ذاتی معاملات کے فیصلہ میں دخل نہ دے، اگر اس کی درخواست بھی کی جائے صاف انکار کردے۔

۱۴۔ احقر کے مواعظ مطبوعہ اور ''حیات المسلمین'' اور ''جزاء الاعمال'' اور ''فروع الایمان'' اور ''تعلیم الدین'' اگر میسر ہوں وعظ میں مدد لینے کے لیے واعظ کو عاریتاً سپرد کردیئے جائیں۔

۱۵۔ کسی کو تعویذ، گنڈہ دینے یا بیعت لینے سے بتاکید منع کردیا جائے۔ اگرچہ وہ اس کا اہل بھی ہو۔

۱۶۔ یہ واعظ صرف وعظ ہی پر اکتفا نہ کرے کیوں کہ وعظ میں سب نہیں آتے وہی لوگ آتے ہیں جو پہلے سے کچھ دین دار ہیں اور ضرورت ہے سب کو دین دار بنانے کی۔ اس لیے واعظ کو حسب ذیل طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ نیز ''اشرف النظام'' کی ہدایات پر بھی عمل کرے جو ''تفہیم المسلمین'' کی شرح ہے۔

(الف) جو مسلمان نماز نہیں پڑھتے، مسجد میں نہیں آتے ان کے مکان پر چند واقف مخلص احباب کو ساتھ لے کر جائے اور صاحب خانہ کو بلا کر نرمی کے ساتھ اوّل اس کا کلمہ سنے، پھر اس کے واسطے سے اس کے گھر والوں کا کلمہ ٹھیک کیا جاوے، پھر سب کو نماز کی تاکید کی جاوے۔ اسی طرح سب بے نمازیوں کے مکانوں پر جایا جاوے اور ہر بستی کے اندر ایک یا متعدد جماعتیں چند مخلص مستعد دین داروں کی ماتحتی میں قائم کردی جائیں جو دوام کے ساتھ اس طرح لوگوں کے مکانوں پر جا کر ان کو کلمہ سکھلاتے رہیں اور بے نمازیوں کو نمازی بنانے کی کوشش کرتے رہیں اور اس خطاب خاص میں بجز تلقینِ کلمہ اور تاکیدِ نماز کے کچھ نہ کہا جاوے۔

(''اشرف الخطاب'' کی ہدایات کے موافق کہا جاوے تو زیادہ بہتر ہے)

بقیہ احکام کے لیے وعظ عام کو کافی سمجھا جائے۔

(ب) واعظ کو دیہات میں بھی اسی طرح کام کرنا چاہیے اور وہاں بھی اسی طرح

جماعتیں قائم کردینی چاہئیں۔

(ج) وعظ میں مسلسل تقریروں کے ساتھ مسائل ضروریہ سے بھی مسلمانوں کو مطلع کرنا چاہیے اوران سب کاموں میں تحمل اور لطف ونرمی سے کام لیا جاوے۔

نوٹ:ا۔ بحمداللہ یہاں اسی اعلان کے موافق کام شروع کردیا گیا ہے۔ خداوہ دن بھی کرے کہ میں سب جگہ سے اس کے مطابق کام شروع ہوجانے کی خبر سن کر دل ٹھنڈا کروں۔ پہلے تھانہ بھون حضرت والا کی حیات میں مرکز قائم ہوگیا تھا۔

اب یہ کام ہردوئی سے جاری کیا گیا ہے بہ سرپرستی شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھول پوری مدظلہ العالی اور الحمدللہ! گجرات، ممبئی، حیدرآباد و دیگر علاقوں میں بھی یہ کام جاری ہوچکا ہے جو صاحب کسی قسم کی خدمت کرنا چاہیں یا لینا چاہیں اطلاع کردیں۔ (ناظم دعوۃ الحق ہردوئی، یوپی)

۲۔ چونکہ اس کام کے لیے ابھی کوئی مرکز متعین نہیں ہوا اس لیے اس کا انتظار نہ کیا جائے کہ جب کسی طرف سے تحریک ہوگی تو کام شروع کیا جائے گا بلکہ ہر جگہ کے علماء اور عوام کو اس اعلان کے موافق اس کام کی اہمیت پر نظر کرکے بطور خود کام شروع کردینا چاہیے، پھر اگر چاہیں تو مشورہ کرکے کسی جگہ جمع ہوکر کوئی مرکز مقرر کرلیں۔ والسلام

کتبہ: اشرف علی مقام تھانہ بھون

تاریخ ۱۴؍ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۵؍فروری ۱۹۳۸ء

تفہیم المسلمین

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ، کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

موجودہ زمانہ کا تقاضا ہے کہ احکام الٰہیہ پہنچانے کا کام ہر مسلمان اپنے ذمہ سمجھے اور ہر شخص اس دھن میں لگ جائے کہ اس کو احکام اسلام کا جتنا علم ہے اس کو دوسروں تک پہنچا دے۔ اس کیلئے اس رسالہ میں حضرت رحمہ اللہ نے ایک دستور العمل اور نظام بنا دیا ہے جس کے مطابق کام کرنا بہت مفید ہوگا۔

تفہیم المسلمین

بعد الحمدو الصلوٰۃ. ان ہی ایام قریبہ میں ایک مضمون بعنوان ''تنظیم المسلمین'' اور دوسرا بعنوان ''تعلیم المسلمین'' شائع ہو چکا ہے۔ پہلے مضمون میں مسلمانوں کی تنظیم کا طریقہ بتلایا گیا تھا۔ دوسرے مضمون میں علماء کومشورہ دیا گیا تھا کہ وہ خطاب خاص نیز وعظ عام کے ذریعے بندگانِ خدا کو احکام اسلام پہنچائیں اور اس کے لیے ایک خاص نظام بھی بتلا دیا گیا تھا۔ پھر غور کرنے سے یہ بات ذہن میں آئی کہ اس وقت فضائے زمانہ کا مقتضایہ ہے کہ احکام الٰہیہ کے پہنچانے کا کام ہر مسلمان اپنے ذمہ لازم سمجھے اور ہر شخص اسی دُھن میں لگ جائے جیسا ہمارے اسلاف کا طریقہ تھا کہ علماء وصوفیاء، امراو روسا، امیر وغریب، خواندہ اور ناخواندہ سب کو یہی دُھن تھی کہ جتنا جس کو احکام اسلام کا علم ہے اس کو دوسروں تک پہنچایا جائے۔

علماء وعظ وتذکیر کرتے تھے، صوفیہ اپنی مجلسوں میں نور باطن سے اور اپنی پاکیزہ باتوں سے بندگانِ خدا کو اللہ کی طرف متوجہ کرتے تھے، تاجر اپنے معاملات اور باہمی ملاقات میں اس کام کو نہ بھولتے تھے۔ اس عام توجہ کا یہ اثر تھا کہ بہت جلد لاکھوں کروڑوں بندگانِ خدا کو حق کی طرف ہدایت ہوگئی۔ اگر یہ کام تنہا علماء کے ذمہ ڈال دیا جاتا تو حق کی روشنی اُن مقامات میں نہ پہنچ سکتی جہاں کسی عالم یا فاتح کا قدم بھی نہیں پہنچا۔ پس ضرورت ہے کہ تمام اہل اسلام عموماً اور میرے ساتھ تعلق رکھنے والے خصوصاً آج ہی سے اس دُھن میں لگ جائیں کہ جتنا جس کو اسلام کے متعلق علم ہے اس کو دوسروں تک پہنچائے اور اس فریضہ کے ادا کرنے میں (یعنی اس کا ارادہ کر لے اور اس

کے ساتھ ہی تبلیغ وفہمائش کے ضروری آداب سے واقفیت حاصل کرے جیسا کہ حضرت مجدد اعظم مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے ''آداب تبلیغ'' میں ارشاد فرمایا ہے۔بس ہم تو یہ جانتے ہیں کہ خدا اور سول کا یہ حکم ہے اور نصوص کے اندر امر بالمعروف کا حکم موجود ہے اور اس کے نہ کرنے پر نکیر (جہاں امرونہی واجب ہے) بس اس کو کرو، البتہ شرائط و احکام کے ساتھ کرو اندھا دُھند مت کرو۔ فقہاء نے اس کے قوانین وضوابط مدون کردیئے ہیں، ان کو سیکھو، علماء سے پوچھو، وہ تم کو راستہ بتادیں گے۔(تجدید تبلیغ ص:۲۱۸)

اس کے ضروری حدود''اشرف النصائح'' میں دیکھے جاویں اور مزید معلومات ''اشرف الہدایات لاصلاح المنکرات'' میں دیکھیں) سرگرم ہوجائے اور غیب سے نصرتِ الٰہی کا اُمیدوار رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت کرنے والوں کی ضرور مدد فرماتے ہیں۔

''اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ''(سورۂ محمد:۷)

اب اس کے متعلق بھی ایک دستور العمل اور نظام مقرر کیا جاتا ہے تا کہ اس کے مطابق عمل درآمد کیا جائے۔

۱۔ ہر شخص کو اوّلاً خود دین میں متصلب پختہ اور مضبوط ہونا چاہیے۔احکام الٰہی پر عمل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے میں کسی سے مرعوب نہ ہونا چاہیے اور نہ دینی کام میں کسی کی مروت وتعلقات کی پروا کرنی چاہیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ سے بڑا اور لائقِ محبت وتعلق کون ہے جس کے لیے احکام الٰہیہ کو ترک کیا جائے۔

(اس کی ضروری تفصیل ''اشرف النصائح'' میں ملاحظہ ہو)

۲۔ ہر شخص کو اس کا خیال کرنا چاہیے کہ کسی جلسہ اور کسی مجلس کو احکام الٰہیہ کے پہنچانے سے خالی نہ رکھے مگر باریک اور اختلافی مسائل میں دخل نہ دیں کہ یہ کام علماء کا ہے اور اگر کوئی ردّ کرے یا سخت جواب دے تو صبر وتحمل سے کام لیں، سختی کا جواب سختی سے نہ دیں۔ جب کسی دُنیاوی غرض کے لیے بھی ملاقات ہو یا تجارت وملازمت کے سلسلہ میں کسی سے ملنا ہو تو حسب موقع باتوں باتوں میں کلمۃ الحق ضرور پہنچا دیا

جائے۔(اوراس میں آداب تبلیغ کالحاظ رکھا جائے۔کسی کی تحقیر وتذلیل بالکل نہ ہواور ''اشرف الخطاب'' کی ہدایات اگر سامنے رکھیں تو زیادہ نفع کی اُمید ہے)

دین کے معاملہ میں مسلمان کی وہی شان ہونا چاہیے جو کہ حضرات صحابہ کی شان ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے بتلائی تھی۔جب ان سے پوچھا گیا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کیسے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ دین کے معاملہ میں تو وہ گویا مجنون تھے۔

"فاذا اريد احد منهم علی شیء من امر اللّٰہ دارت حماليق عيينه كانه مجنون"(ص:۱۱۰۔۱۱۱،الادب المفرد للبخاری)

۳۔رات دن میں کوئی ایسا وقت خاص اس کام کے لیے بھی نکالا جائے کہ اس میں بندگانِ خدا کو(خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم) احکام اسلام پہنچائے جائیں اور بُرے کاموں سے روکا جائے۔....۴۔احکامِ اسلام پہنچانے میں لہجہ ہمیشہ نرم ہونا چاہیے، گفتگو تہذیب اور متانت سے کرنا چاہیے۔البتہ جن پر اپنی حکومت ہے جیسے بیوی، اولاد، نوکر، شاگرد وغیرہ ان کو اوّل نرمی سے نصیحت کی جائے پھر بتدریج سختی سے سمجھایا جائے۔

۵۔احکام اسلام پہنچانے میں اس ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے۔

الف: جن کو کلمۂ اسلام معلوم نہیں ان کو "لا الہ الا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ" سکھلایا جاوے اور اس کے معنی سمجھا دیئے جائیں۔

ب: جن کو کلمۂ اسلام معلوم ہے ان کو اس کے معنی بتلائے جائیں اور کہا جائے کہ رات دن میں کم از کم سو مرتبہ "لا الہ الا اللّٰہ" اور اس کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی "محمّد رسول اللّٰہ" ملا کر ضرور پڑھ لیا کریں۔"ففی الحدیث: جددوا ایمانکم یقول: لا الہ الا اللّٰہ"

ج: جو لوگ نماز نہیں پڑھتے ان کو پابندیٔ نماز کی تاکید کی جائے، مردوں کو مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کی تاکید کی جاوے۔جن کو نماز کا طریقہ معلوم نہیں ان کو نماز سکھلائی جائے اور ممکن ہو تو ہر نمازی کو پوری نماز کا ترجمہ بھی یاد کرا دیا جاوے یعنی "سبحانک اللّٰھم" سے "التحیات" دُرود شریف تک ہر چیز کا ترجمہ بھی یاد کرلیں کہ اس سے نماز میں

دل جمعی زیادہ ہوتی ہے۔وضواور پاکی، ناپاکی کے مسائل سے وقتاً فوقتاً آگاہ کیا جائے۔

د: جن پر زکوٰۃ فرض ہے ان کوزکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید کی جاوے جن پر قربانی واجب ہے ان کوقربانی کی ترغیب دیں۔

ہ۔رمضان شریف کے روزہ کی سب مسلمانوں کوتاکید کی جائے۔

و۔جن پر حج فرض ہوان کوحج کی تاکید کی جاوے۔

ز۔ ہر بستی میں تعلیم قرآن شریف کے مکاتب ضرور ہونے چاہئیں۔(''اشرف الاحکام'' کے جزمقام اصلاح کی ہدایات کوبھی پیش نظر رکھیں)۔

جن میں تعلیم قرآن کے ساتھ اُردو رسائل ''بہشتی زیور''، ''بہشتی ثمر''، ''راہِ نجات'' وغیرہ بھی پڑھائے جائیں تاکہ بچوں کوضروری احکام کی اطلاع ہو جائے۔

ح۔سب مسلمانوں کو باہم اتفاق واتحاد سے رہنے کی اور گالم گلوچ، لڑائی جھگڑا بند کرنے کی تاکید کی جائے۔......ط۔بستی کے کسی ایک بااثر دین دار کو یا چند بااثر دین داروں کی جماعت کواپنا بڑا بنالیا جائے جن کا کام یہ ہوکہ لوگوں میں اتحاد واتفاق قائم رکھیں اور اُمور مذکورہ بالا کو رواج دیں اور جب کسی معاملہ میں نزاع ہو اس کا شریعت کے موافق علماء سے پوچھ کر فیصلہ کر دیں اور سب اس فیصلہ کی تائید کریں۔

ی۔جھوٹ، غیبت، حسد وکینہ، دُشمنی، کسی کی بے جا طرف داری، چغل خوری، زنا، بدنگاہی، بے پردگی، شراب نوشی، لڑکیوں سے ناجائز تعلقات، سودی لین دین، بے کاری، آوارہ گردی کا انسداد کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔

سچ بولنے، باہم تواضع اور محبت کا برتاؤ کرنے، انصاف وعدل پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہنے اور جائز ذرائع معاش میں لگے رہنے، کفایت شعاری اور آمدنی سے زیادہ خرچ نہ کرنے کی بہت تاکید کریں، تنگی برداشت کرلیں مگرحتی المقدور زیادہ خرچ نہ کریں۔

تقریبات اور روزمرہ کے خرچ میں کفایت شعاری کرنے والے پر طعن وتشنیع نہ کریں بلکہ اس کی ترغیب دیتے رہیں اور عامل کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں۔کسی جائز پیشہ کو عار نہ سمجھیں۔گھاس کھودنے تک کو بے کاری اور ذلت سوال پر ترجیح دیں اور نیک اعمال اختیار کرنے کی خود بھی کوشش کریں اور دوسروں کو بھی تاکید کرتے رہیں۔

۶۔ ''حیات المسلمین، تبلیغ دین، تعلیم الدین، محاسن الاسلام، بہشتی زیور'' کو مطالعہ میں رکھیں اور وقتاً فوقتاً ان کے مضامین اپنے دوستوں، ملنے والوں اور سب بندگانِ خدا کو پہنچاتے رہیں۔......۷۔ جو علماء کسی دینی خدمت میں مشغول ہیں جیسے درس وتدریس، تصنیف وتالیف وغیرہ وہ بھی اپنی نشست وبرخاست میں اور اوقاتِ ملاقات میں بندگانِ خدا کو احکام الٰہیہ پہنچانے میں سستی نہ کریں اور فرصت کے اوقات میں جیسے جمعہ کی تعطیل ہے یا رُخصت طویلہ کا زمانہ ہے وعظ ونصیحت کے ذریعہ بندگانِ خدا کو احکام اسلام پہنچانا اپنا فریضہ سمجھیں۔ (اور اس سلسلہ میں جتنا وقت دے سکتے ہوں مجلس دعوۃ الحق کو اطلاع کردیں اور ''دعوۃ الداعی'' کو بھی ملاحظہ فرمالیں) میں اپنے ساتھ خاص تعلق رکھنے والوں کو خاص طور پر مکرر تاکید کرتا ہوں کہ اُمورِ مذکورہ بالا کی پوری پابندی کریں، اس میں ہرگز کوتاہی نہ کریں اور تمام اہل اسلام سے بھی یہی درخواست کرتا ہوں کہ اس دستور العمل کو حرزِ جاں بناکر ہر شخص دینِ الٰہی کی خدمت کے لیے آمادہ اور مستعد ہوجائے۔ اس کے معمول بنانے کے لیے مجلس دعوۃ الحق مقامی یا قریب کی جگہ سے مشاورت کرلیں، اس کی اعانت سے بسہولت ہر شخص اس خدمت میں مشغول ہوسکتا ہے۔

مجھے اللہ کے بھروسہ پر یقین ہے کہ اگر سب مسلمان اسی طرح کام میں لگ جائیں تو تمام مصائب اور پریشانیوں کا جو اس وقت مسلمانوں کے سامنے ہیں بہت جلد خاتمہ جائے گا اور نصرت الٰہی ان کے ساتھ ہوگی اور اس دستور العمل کو چند روز کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم اور جاری رکھیں۔ اب اس مضمون کو اس دُعا پر ختم کرتا ہوں۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا

وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (آل عمران:۱۴۷)

اشرف علی عفی عنہ (مقام تھانہ بھون) تاریخ ۲۳ رذی الحجہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۴ رفروری ۱۹۳۸ء

الحمدللہ! آج مورخہ ۱۲ شوال المکرّم ۱۴۴۱ھ بمطابق ۴ جون 2020ء بروز جمعرات مقالات حکیم الامت کی جلد نمبر 77 تکمیل کو پہنچی۔